لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ

اسوۂ حسنہ صلی اللہ علیہ وسلم

تالیف الامام المحدث شمس الدین ابو عبداللہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ

ترجمہ عبدالرزاق ملیح آبادی

مکتبہ محمدیہ

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ (الآیۃ)

اسوہ حسنہ

ترجمہ

ھدی الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

اختصار

زاد المعاد فی ھدی خیر العباد

تالیف

الامام شمس الدین محمد بن ابی بکر ابن القیم الجوزیہ

مترجم

مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی

نظرثانی وتسہیل

حافظ عبد الخبیر اویسی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ

قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob 0300- 4826023, 042-37114650

نام کتاب ۔ اُسوۂ حسنہ

باہتمام	--------------	عبدالرحمان عابد
کمپوزنگ	--------------	نعمت اللہ تبسم
طبع اول	--------------	مارچ 2011ء
تعداد	--------------	600
قیمت	--------------	

اسٹاکسٹ

مکتبہ اہل حدیث' امین پور بازار فیصل آباد
041-2629292,2624007

اسلامی کتب خانہ' ڈاک خانہ بازار' چیچاوطنی' ضلع ساہیوال
0346-7467125,0301-4085081

E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com
&maktabah_m@hotmail.com
Ph.:042-37114650,Mob.: 0300- 4826023

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ از مترجم

امام ابن قیم رحمہ اللہ کا تعارف:

امام ابن قیم رحمہ اللہ کی سوانح عمری کے لئے یہ چند اوراق ناکافی ہیں' البتہ اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ امام ابن قیم رحمہ اللہ ''شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ'' کے شاگرد رشید' زندگی بھر کے رفیق صادق' قید خانہ کے ساتھی اور استاد کے بعد ان کے علوم کے نہایت قیمتی اضافہ کے ساتھ بہترین اسلوب پر شائع کرنے والے ہیں۔ متاخرین میں شیخ الاسلام رحمہ اللہ کے بعد ابن قیم رحمہ اللہ کے پایہ کا کوئی محقق اور مسلک سلف کا کوئی ایسا شارح نہیں گزرا' اس لئے ان کی تصانیف کی جتنی بھی قدر کی جائے کم ہے۔

فن سیرت میں بہترین کتاب:

امام ابن قیم رحمہ اللہ نے اس کے علاوہ اور قیمتی مصنفات کے ایک جلیل القدر مبسوط کتاب ''زاد المعاد فی ھدی خیر العباد'' کے نام سے بھی فن سیرت میں چھوڑی ہے۔ یہ کتاب اس قدر مشہور و مقبول ہے کہ اس کا تعارف' تحصیل حاصل ہے' امام ابن قیم رحمہ اللہ سے پہلے اور بعد بکثرت سیرت نگار گزرے مگر کسی کو بھی وہ طریقہ نہ سوجھا' جو انہوں نے زاد المعاد میں اختیار کیا ہے۔ لوگوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمریاں لکھیں' مگر اس طرح' گویا کسی سپہ سالار کی سوانح عمری لکھ رہے ہوں، حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ کی حیات طیبہ کی ہر ہر بات دکھائی جاتی' جنگوں سے زیادہ اخلاقی و معاشرتی و خانگی حالات بتائے جاتے اور امت کے سامنے اسوۂ حسنہ نبوی اس طرح کھول کر رکھ دیا جاتا کہ وہ اپنی زندگی کے مختلف شعبہ جات اور مختلف حالات میں اس سے شمع ہدایت کا کام لے سکتے۔ امام ابن قیم رحمہ اللہ نے یہی ضرورت پوری کی اور زاد المعاد جیسی کتاب تصنیف کر کے ہمیں اس قابل بنا دیا کہ ہم اس آیت کریمہ ''لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' (الاحزاب: ۲۱) کے بموجب با آسانی عمل کر سکیں۔

زادالمعاد:

لیکن چونکہ زادالمعاد بہت ضخیم کتاب تھی اور ہر شخص کے مطالعہ میں بآسانی نہ آسکتی تھی' اس لئے ضروری ہوا کہ مختصر کی جائے اور وہ تمام مباحث نکال دیئے جائیں جو زیادہ تر علماء کے مخصوصات سے ہیں تاکہ براہ راست عوام بھی اس سے فیض یاب ہوسکیں جو اس زمانہ میں اسلام سے بہت دور جا پڑے ہیں۔

چنانچہ یہ ضرورت بھی مصر کے ایک روشن خیال عالم' میرے دوست و رفیقِ درس شیخ محمد ابوزید نے پوری کردی اور اصل کتاب کا اختصار ''ھدی الرسول'' کے نام سے شائع کردیا۔ یہ اردو ترجمہ ''اسوۂ حسنہ'' اسی کتاب کا ہے جو ''الہلال بک ایجنسی'' کی خواہش سے میں نے کردیا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کو اتباع سنت کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عبدالرزاق ملیح آبادی (رحمہ اللہ)

مقدمہ عالم مصری

از...... شیخ محمد ابوزید

حمدًا و سلامًا

اسلام کی شاہراہ عمل.

تمام لوگوں پر فرض ہے کہ وہ اللہ واحد کی عبادت کریں' اور اس دین متین کی پیروی کریں' جو اللہ تعالیٰ نے ان کی دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کے لئے نازل فرمایا ہے۔ اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اسوۂ نبوی معلوم کیا جائے اور سنت عملی پیش نظر ہو' کہ جس کے ذریعہ نبی اکرم ﷺ نے اس دین حنیف کی توضیح وتفسیر کی ،ضرورت ہے کہ آغاز وحی سے تکمیل دین تک پورے زمانہ کی حیات نبوی سامنے ہو' جو ہمیں مشعل راہ کا کام دے سکے۔

سیرت النبی ﷺ:

اس موضوع پر سب سے بہتر کتاب' امام ابن قیم رحمہ اللہ کی ''زاد المعاد'' ہے' جس نے اس مقصد کو نہایت آسان کر دیا ہے، مگر چونکہ وہ بہت طویل تھی اور ہر کس و ناکس کے مطالعہ میں نہ آ سکتی تھی' اس لئے میں نے اسے مختصر کر دیا' تاکہ نفع عام ہو اور ہر کوئی فیض یاب ہو سکے۔

علماء سلف کا طرز عمل:

صدر اول میں دین کا علم و تعلم آسان تھا' علماء سلف' سنت نبوی کا علم حاصل کرتے' پہلے خود عمل کرتے' پھر اپنا عملی نمونہ امت کے سامنے پیش کرتے اور عمل کا مطالبہ کرتے۔ امت ان کی حالت دیکھ کر متاثر ہوتی اور خود بھی عمل کرنے لگتی اور درمیان میں کوئی چیز بھی سدراہ نہ ہوتی۔

اشتیاق عمل کی وجہ؟

اس وقت امت کے لئے دین کا معاملہ بالکل آسان تھا' کیونکہ اول تو خود یہ دین ہی بہت آسان' صاف' مفید اور ہر طرح کے اختلافات اور گنجلک سے دور ہے' پھر اس زمانہ کے علماء کا عملی نمونہ خاص طور پر مؤثر تھا' لوگ' علماء کا عمل دیکھتے تو خود بھی شوق پیدا ہوتا اور ان کی اتباع و پیروی پر

لگ جاتے۔ اس وقت کے علماء' رسول ﷺ کے حقیقی جانشین اور امت کے لئے قدوہ اور نمونہ تھے۔

دین مشکل کب سے ہوا؟

دین کا معاملہ اس دن سے پیچیدہ اور مشکل ہو گیا' جب سے علماء نے طریقہ نبوی یعنی عملی تعلیم سے روگردانی کی اور کتب فقہ کے مجادلات اور قیل وقال کو اپنا شیوہ بنایا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مختلف جتھے اور فرقے قائم ہو گئے' ہر فریق نے اپنے طریقہ کی بیچ کی بکثرت کتب لکھیں' یہی نہیں' بلکہ ان کتب کی شروحات تیار کیں' پھر شروحات پر حواشی چڑھائے' پھر حواشی پر بھی حواشی لگائے۔ اسی قدر نہیں، بلکہ خود اپنی بھی تقسیم کر دی اور مختلف مدارج ومراتب قائم کر دیئے۔ مجتہد مطلق' مجتہد مذہب' مفتی مذہب' مرجح مذہب' مقلد مذہب' پھر ستم یہ کیا کہ مخلوق الٰہی کو مجبور کرنے لگے کہ دین کو صرف ان کی کتب سے اخذ کریں اور ان قیود اور شروط ورموز پر کاربند ہوں جو انہوں نے اپنی عقل ورائے سے قرار دے رکھے ہیں' بے شمار قیود اور شروط ہیں' انسان دیکھتے ہی گھبرا جاتا ہے اور کسی طرح سمجھ نہیں سکتا کہ ان میں حق کتنا ہے اور باطل کتنا؟

زاد المعاد اور دوسری کتب فقہ میں فرق:

اگر آپ اس کتاب اور کتب فقہ کے مابین موازنہ کریں گے' تو صاف طور پر نمایاں فرق پائیں گے۔ کوئی باب لے لیجئے، مثلاً باب وضو' غسل' تیمّم' اس کتاب میں دیکھتے ہی آپ کو معلوم ہو جائے گا' کہ ان مسائل میں شریعت کا حکم کیا ہے؟ حالانکہ جامع ازہر میں ہم نے باب وضو تین ماہ میں پڑھا' مگر وضو کی حقیقت وسہولت سمجھ میں نہ آئی' یہاں تک کہ اس کتاب نے آنکھوں پر سے پردہ ہٹا دیا۔

مذاہب اربعہ:

ہم میں سے اکثر طلباء جامع ازہر میں بارہ بارہ اور پندرہ پندرہ برس رہتے ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی اکثر کتب پڑھ جاتے ہیں' یہاں تک کہ فضیلت کی سند بھی مل جاتی ہے' لیکن جب آخر میں غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اتنی کتب رٹ جانے کے

خود اس مذہب کی بھی تحقیق نہیں ہوئی' دوسرے مذاہب کی تحقیق اور تفسیر وحدیث کا علم تو بہت دور رہا' چنانچہ ہم ہمیشہ حیرت واضطراب میں پڑے رہتے ہیں اور اختلافی مسائل میں طریق ترجیح تک نہیں جانتے۔ ❶

علماء اور عوام:

جب علماء کی یہ حالت ہے تو عوام کو کس طرح مجبور کیا جا سکتا ہے کہ وہ ان کتب پر چلیں؟ حالانکہ وہ اپنے علماء کی یہ حالت دیکھتے ہیں اور اپنے سامنے کوئی ایسا عملی نمونہ نہیں پاتے جس کی پیروی کی رغبت ہو۔

دین کے مشکل ہونے کی بڑی وجہ:

دین کے مشکل ہو جانے کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کا حکم حاصل کرنا ان بڑی بڑی ضخیم کتب پر موقوف ہو گیا ہے جو متعارض اقوال' پیچیدہ مسائل اور گوناگوں قیود وشروط سے عبارت ہیں۔ چنانچہ ان کے اندر فرائض ہیں' واجبات ہیں' مستحبات ہیں' مبطلات ہیں' پھر مکروہات کا سلسلہ ہے' کراہت تحریمی ہے' کراہت تنزیہی ہے' غرضیکہ کتب فقہ کا ہر باب اس طرح کی بے شمار اصطلاحات سے بھرا ہوا ہے' باب وضو ہو' یا باب صلوٰۃ' نکاح ہو یا طلاق' ہر جگہ یہ اور اسی قسم کے الفاظ نظر آتے ہیں' جن سے تشویشِ ذہن کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ علاوہ ازیں ان کتب میں طرح طرح کے ایسے مسائل موجود ہیں جو کبھی واقع نہیں ہوتے' وہ محض فرض وتخمین کی پیداوار اور ذہن ودماغ کی اختراع ہیں ان سے کوئی علم بھی حاصل نہیں ہوتا' البتہ دماغ پریشان اور فکر پراگندہ ہوتی ہے۔ ظاہر ہے عوام نہ انہیں سمجھ سکتے ہیں اور نہ ان پر عمل ہی کر سکتے ہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور نہ ہی ان پر کاربند ہونے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

---

❶ جب علماء مصر کی یہ حالت ہے جو اس وقت دنیائے اسلام میں خاص علمی وجاہت رکھتے ہیں اور جن کی جامع ازہر دنیا بھر میں مشہور ہے' تو ہندوستان میں مذہبی علوم کے پڑھنے والوں کی کیا حالت ہوگی؟ یہاں عام متبحر وہ سمجھا جاتا ہے جو رٹی ہوئی کتب کی عبارت' دوسروں کو سنا دے' یا ہدایہ اور شامی کے حوالے سے کوئی فتویٰ لکھ دے۔ (مترجم)

شریعت قرآن کے اندر ہے:

اللہ تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لئے صرف قرآن مجید نازل کیا اور حکم دیا ہے:

ا......ارشاد ربانی ہے:

﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ۝﴾ (الاعراف: ۳)

''جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا' اسی کی پیروی کرو اور دوسروں کی پیروی نہ کرو تم میں سے بہت کم لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں۔''

۲...... اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْبِ اللّٰهِ وَاِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَاسْتَكْبَرْتَ وَكُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۝﴾ (الزمر: ۵۵-۵۹)

''جو سب سے اچھا تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی پیروی کرو' قبل اس کے کہ اچانک عذاب آ جائے اور تمہیں پتہ نہ چلے۔ اس وقت کوئی کہے' آہ! اللہ تعالیٰ کے جناب میں میری کوتاہی! میں بلاشبہ مذاق کرنے والوں میں سے تھا۔ یا کہے کاش! اللہ تعالیٰ نے میری ہدایت کی ہوتی تو میں متقین میں سے ہوتا۔ یا عذاب دیکھ کر کہے' اگر ایک مرتبہ پھر واپسی ہو جائے تو میں اچھے آدمیوں میں سے ہو جاؤں۔ (اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں) ہاں اے سرکش! تیرے پاس میری نشانیاں پہنچی تھیں مگر تو نے تکذیب کی' تکبر کیا اور تو ناشکروں میں سے تھا۔

۳...... مالک کائنات کا فرمان ہے:

﴿فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدٰاهُمُ اللّٰهُ وَاُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ﴾ (الزمر: ۱۷-۱۸)

''اے رسول ﷺ! میرے ان بندوں کو بشارت دے دو جو بات سنتے ہیں اور اس کے بہتر حصہ پر عمل کرتے ہیں' تو یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ہدایت کی ہے اور وہی عقل مند ہیں۔''

۴...... خالق کائنات کا ارشاد ہے:

﴿اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ﴾ (الزمر: ۲۳)

''اللہ تعالیٰ نے نہایت عمدہ گفتگو' ایک متشابہ کتاب نازل فرمائی جس سے ان لوگوں کے روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں' پھر ان کی جلدیں اور قلوب اللہ تعالیٰ کا ذکر سن کر نرم ہو جاتے ہیں' یہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے جسے چاہے اس سے سرفراز کرے اور جسے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ کرے تو اس کے لئے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں۔''

۵...... اللہ رحمٰن ورحیم کا اعلان ہے:

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ (القمر: ۱۷)

''ہم نے قرآن کو نصیحت پکڑنے کے لئے آسان کر دیا ہے' کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''

۶...... رؤوف بالعباد کا فرمان ہے:

﴿فَاِنَّمَا يَسَّرْنَاهُ بِلِسَانِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ (الدخان: ۴۴)

''ہم نے قرآن کو اے رسول (ﷺ)! تمہاری بولی میں آسان کر دیا ہے تاکہ یہ لوگ

نصیحت حاصل کریں۔"

۷......اللہ کریم کا اعلان ہے:

﴿قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا غَیْرَ ذِیْ عِوَجٍ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ (الزمر: ۲۸)

"قرآن عربی بغیر کسی کجی کے تاکہ یہ لوگ پرہیز گار بنیں۔"

سنت نبوی کی فرضیت:

پھر اللہ تعالیٰ نے سب پر فرض کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ہدایت حاصل کریں کیونکہ وہ کلام الٰہی کی شارح اور مفسر ہے۔

۸......اللہ رب العالمین کا فرمان ہے:

﴿وَاَنْزَلْنَا اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ﴾

(النحل: ٤٤)

"ہم نے تجھ پر قرآن نازل کیا ہے تاکہ تو لوگوں کے لئے وہ سب بیان کر دے جو ان کے لئے اتارا گیا ہے' شاید کہ وہ کچھ غور کریں۔"

۹......اللہ ارحم الراحمین نے فرمایا:

﴿وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِیْهِ وَهُدًی وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ﴾ (النحل: ٦٤)

"ہم نے تجھ پر کتاب صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جن چیزوں میں وہ جھگڑتے ہیں تو انہیں کھول کر بیان کر دے' قرآن مومنین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔"

۱۰......عالم الغیب والشہادۃ کا فرمان ہے:

﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِیْدًا عَلٰی هٰۤؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْكِتٰبَ تِبْیَانًا لِّكُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ﴾ (النحل: ۸۹)

"اور اس دن جب ہم اٹھائیں گے ہر قوم پر ایک شاہد خود اسی قوم میں سے اور لائیں گے تجھے گواہ ان لوگوں پر' ہم نے تجھ پر کتاب نازل کی ہے جو تفسیر ہے ہر چیز کی اور

ہدایت‘ رحمت اور بشارت ہے مسلمانوں کے لئے۔“

۱۱......خالق ارض وسما نے فرمایا:

﴿مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (یوسف: ۱۱۱)

”قرآن ایسی بات نہیں ہے جو گھڑی جا سکے‘ بلکہ وہ تصدیق ہے اس کی جو اس کے سامنے موجود ہے (کتاب آسمانی) اور تفصیل ہے ہر چیز کی اور ہدایت و رحمت ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔“

۱۲......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿كِتَابٌ اَنْزَلْنَاهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (ابراھیم: ۱)

”یہ کتاب ہے‘ ہم نے تجھ پر اس لئے نازل کی ہے کہ انسانوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لائے (یعنی) عزیز و حمید اللہ تعالیٰ کے صراط مستقیم کی طرف۔“

۱۳......ارشاد حقانی ہے:

﴿هُوَ الَّذِيْ يُنَزِّلُ عَلٰى عَبْدِهٖ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لِّيُخْرِجَكُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَاِنَّ اللّٰهَ بِكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (الحدید: ۹)

”وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندے پر کھلی کھلی آیات نازل کرتا ہے تاکہ تمہیں تاریکی سے روشنی کی طرف نکالے‘ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ نہایت مہربان اور رحیم ہے۔“

۱۴......اللہ وحدہ لاشریک کا فرمان ہے:

﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ﴾ (النسآء: ۱۰۵)

”ہم ہی نے حق کے ساتھ تجھ پر کتاب نازل کی ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بصیرت کے مطابق تو لوگوں کے مابین فیصلہ کرے۔“

۱۵......رب رحیم نے فرمایا:

﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ (الاعراف: ۲۰۳)

''یہ روشنیاں ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت' ایمان لانے والوں کے لئے ہے۔''

۱۶......اللہ جمیل کا اعلان ہے:

﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱)

''رسول (ﷺ) کی ذات میں تمہارے لئے اچھا نمونہ ہے۔''

۱۷......اللہ کریم کا فرمان ہے:

﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ○ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۷)

''اور جس دن نافرمان اپنے ہاتھ کاٹے گا اور کہے گا اے کاش! میں رسول اللہ (ﷺ) کے ساتھ (سیدھے اور حق والے) رستہ پر لگ جاتا' ہائے کم بختی کاش! میں فلاں کو دوست نہ بناتا۔''

۱۸......مالک کائنات نے فرمایا:

﴿وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا﴾

(الفرقان: ۳۰)

''اس وقت رسول (ﷺ) کہے گا: اے رب! میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔''

۱۹......قادر مطلق نے فرمایا:

﴿لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور: ۶۳)

''مسلمانو! رسول (ﷺ) کے بلانے کو آپس کے بلانے کی طرح نہ سمجھو' اللہ تعالیٰ انہیں خوب جانتا ہے جو رسول کی مجلس سے خاموشی سے کھسک جاتے ہیں' جو لوگ رسول (ﷺ) کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں' ان کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں کوئی آفت ان پر نہ آن پڑے یا کوئی دردناک عذاب نہ نازل ہو جائے۔''

۲۰......ارحم الراحمین کا اعلان ہے:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلَى هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًاO يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّى بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًاO﴾ (النسآء: ۴۱- ۴۲)

''اس دن کیا ہوگا جب ہر قوم میں سے ہم ایک شاہد لائیں گے اور اے رسول (ﷺ)! تجھے ان لوگوں پر شاہد لائیں گے؟ اس دن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول کی نافرمانی کی' چاہیں گے کہ کاش زمین میں دفن ہو جائیں' اس دن اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپا نہ سکیں گے۔''

۲۱......اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِO﴾ (الحشر: ۷)

''جو رسول (ﷺ) تمہیں دے اسے لو' اور جس سے منع کرے اسے نہ کرو' اللہ تعالیٰ سے ڈرو کیونکہ وہ سخت سزا دینے والا ہے۔''

۲۲......اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَO﴾ (الاعراف: ۱۵۸)

''رسول (ﷺ) کی اتباع کرو تا کہ تم ہدایت یاب ہو جاؤ۔''

۲۳......رب ذوالجلال والاکرام نے فرمایا:

﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَO﴾ (الانعام: ۱۵۴)

"بالتحقیق یہ میرا راستہ ہی سیدھا راستہ ہے' اسی کی پیروی کرو' اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہ پڑو جو تمہیں اللہ تعالیٰ کے راستہ سے دور کر دیں' اسی کی اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔"

قرآنی دعوت:

صاف ظاہر ہے کہ یہ آیات قرآنی اتباع سنت نبوی کی دعوت دیتی ہیں' اور کھلے الفاظ میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے پیامبر اور احکام ربانی کے شارح تھے۔ آپ ہی شریعت کے حامل' آپ ہی شریعت کے محرم راز' آپ ہی اس کے مفسر تھے اور آپ کی اتباع سے ہی انسان کو بصیرت حاصل ہوتی ہے' تاریکی دور ہو جاتی ہے' نور ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحَانَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ (یوسف: ۱۰۸)

"کہہ دو اے رسول! یہ ہے میرا راستہ میں دعوت دیتا ہوں اللہ تعالیٰ کی طرف بصیرت کے ساتھ میں اور جنہوں نے میری پیروی کی' پاک ہے اللہ تعالیٰ ہم ہرگز مشرکوں میں سے نہیں۔"

صراط مستقیم:

کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے صراط مستقیم کی پیروی کا حکم دیا اور دوسری راہوں کے اختیار کرنے سے منع کر دیا جن پر پڑنے سے آدمی بھٹک جاتا ہے اور ہدایت گم ہو جاتی ہے۔ اوپر کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صراط مستقیم کیا ہے؟ یہی سنت نبوی اور اسوۂ حسنہ نبوت ہے کہ جس کے بغیر دین کی حقیقت کسی طرح بھی منکشف نہیں ہو سکتی۔ یہ راستہ بالکل صاف' سہل اور سیدھا ہے' اس میں پیچ و خم نام کو نہیں' اس پر چلنے والے دوش بدوش چلتے ہیں' متفق رہتے ہیں۔ کٹے کٹے اور الگ الگ نہیں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (الانعام: ۱۵۹)

''جنہوں نے اپنے دین کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے اور الگ الگ گروہ اور ٹولیاں ہو گئے' ان میں کچھ بھی نہیں ہے' ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جو انہیں بتا دے گا کہ وہ کیا کیا کرتے تھے۔''

علماء کا اعراض:

بایں ہمہ جب ہم علماء کو دعوت دیتے ہیں کہ آؤ' لوگوں کو اس ہدایت کی تلقین کرو' اس صراط مستقیم کی طرف دعوت دو' تا کہ سب ایک پیشوا کے زیر علم آ جائیں جو ان میں اتفاق اور یگانگت پیدا کر کے اختلاف و افتراق دور کر دے' دین اسلام اپنی تمام سہولتوں کے ساتھ جلوہ گر ہو جائے اور اپنے عمل کی آسانیوں کے ساتھ مشرق و مغرب' شمال و جنوب' چار دانگ عالم میں سیل رواں کی طرح پھیل جائے۔ جب یہ صدا بلند کی جاتی ہے تو ادھر سے جواب ملتا ہے ''تم اجتہاد کی دعوت دیتے ہو' مذاہب اربعہ کے خلاف علم بغاوت بلند کرتے ہو' ائمہ اربعہ کے فضل و تقدس پر حرف گیری کرتے ہو' یہ کرتے ہو' وہ کرتے ہو......! حالانکہ ہم کوئی نئی بات نہیں کہتے۔ صرف وہی کہتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے' یعنی سنت نبوی کی پیروی۔

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ:

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کو ہم کیسا سمجھتے ہیں؟ اپنا محسن ہمارا یقین ہے کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ اور ان کے قبل و بعد کے تمام ائمہ کا ہم مسلمانوں پر بہت بڑا احسان ہے' انہوں نے دین کی حفاظت کی اور بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیا' لہٰذا ہم ان کی از حد تعظیم و توقیر کرتے ہیں اور ہمیشہ ان کے احسانات پر شکر گذار رہتے ہیں۔ لیکن اس کے معانی یہ نہیں ہونے چاہئیں کہ ہم ان کے فتاویٰ جات اور اقوال کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال پر ترجیح دینے لگیں۔ خود ائمہ نے بھی ہمیں ایسا کرنے سے منع کیا ہے۔ انہوں نے حکم دیا ہے کہ رسول کا قول سامنے آ جائے تو ہمارے قول کو چھوڑ دو۔ کیوں نہیں' یہ

لوگ سنت کے سب سے زیادہ پابند اور سب سے بڑے داعی تھے۔

ائمہ کی کتب:

کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان ائمہ نے محض اپنی آراء و اقوال کے لئے کتب تصنیف کیں اور مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ہدایت کی۔ بلا شبہ ہر ایک نے ان احادیث کی ایک ایک مسند[1] چھوڑی ہے جو ان تک پہنچتی تھیں اور جن سے وہ مسائل کا استنباط کرتے تھے۔

باقی اور جس قدر کتب ان کی طرف منسوب ہیں ان کی نہیں ہیں، وہ بعد کے لوگوں نے تصنیف کی ہیں تاکہ ان کے اجتہادات مدون کریں اور ان کے فتاویٰ جات پھیلائیں۔ پھر جوں جوں وقت گذرتا گیا، ان کتب کی تعداد بڑھتی گئی، لوگوں نے نئے نئے احکام کا اختراع شروع کر دیا، یہاں تک کہ ہزارہا مجلدات کا ذخیرہ جمع ہو گیا کہ جن کے مولفین، شارحین اور محشین کے ناموں کا شمار بھی مشکل ہے۔

کوئی مضائقہ نہیں، یہ کتب، کتب خانوں میں بطور تاریخی یادگار کے محفوظ رکھی جائیں اور اس میں بھی کوئی حرج نہیں کہ علماء ان سے ورزش ذہن اور توسیع فکر کا فائدہ اٹھائیں اور اختلاف حالات سے پیدا ہو جانے والے مسائل میں ان کے مؤلفین کی آراء سے بصیرت حاصل کریں۔

علماء کے فرائض:

ہر دور میں علماء کا فرض ہے کہ قوم کی سیاسی، اقتصادی، معاشرتی، اخلاقی ضرورتوں پر غور کریں، وسائلِ ترقی معلوم کریں اور امت کے لئے ایسے اصول و قواعد وضع کریں کہ جو اصول دین کے مطابق ہوں۔

شریعت اسلامیہ کی بناء:

اسلامی شریعت دو قسم کے احکام پر مبنی ہے: ایک قسم تو ایسے احکام کی ہے جن میں کبھی تغیر و تبدل نہیں ہوتا، وہ ہمیشہ ایک حالت پر رہتے ہیں، جیسے روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات کہ جن کی

[1] لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نام سے جو مسند مشہور ہے، وہ ان کی نہیں۔ امام صاحب نے کوئی تصنیف نہیں چھوڑی۔ (مترجم)

ایک خاص شکل اللہ تعالیٰ نے مقرر کردی ہے اور اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ اور پھر اس کی کوئی ضرورت بھی نہیں' کیونکہ عبادات اپنی موجودہ ہیئت واحکام کے ساتھ ہی مفید ہیں۔ یہ ہمیں یک جہتی کی طرف لے جاتی ہیں' ہمارے اندر نظام یا ڈسپلن پیدا کرتی ہیں' ہمیں ان تمام اجتماعی ترقیوں کے لئے تیار کرتی ہیں جو ہر زندہ قوم کے لئے ضروری ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ میں جو احکام اول دن سے دے دیئے ہیں' وہی ہمیشہ باقی رہیں گے' زمانہ کتنا ہی بدل جائے مگر ان میں کوئی تبدیلی نہ ہوگی۔

دوسری قسم ان احکام ومسائل کی ہے جو امت کے عام دنیاوی حالات ومعاملات سے تعلق رکھتے ہیں' مثلاً صلح و جنگ' بین الاقوامی تعلقات' تعلیم وتربیت' تجارت' صنعت وحرفت' تعزیرات وغیرہ' ظاہر ہے کہ حالات کبھی ایک حالت پر نہیں رہتے' ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں' اس لئے ضروری ہے کہ ان کے بارہ میں شریعت کے احکام بھی اٹل نہ ہوں۔ چنانچہ شریعت نے یہی کیا' اس نے ان کے لئے عام اصول وقواعد تو وضع کردیئے ہیں' لیکن جزئی وتفصیلی احکام دینے سے احتراز کیا ہے تاکہ امت کے لئے دنیاوی ترقیوں کا راستہ پوری طرح باز رہے۔

اجتہاد کی اہمیت وضرورت:

ایک طرف شریعت نے یہ کیا اور دوسری طرف علماء اور اہل الحل والعقد پر فرض کردیا کہ مختلف حالات میں اپنے فہم واجتہاد سے قوانین بناتے رہیں۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اہل شوریٰ اپنے دور کے حالات کے لئے قوانین وضع کرتے تھے' جن میں ان کلی اصول کی پابندی ملحوظ رہتی تھی جو شریعتِ الٰہیہ نے مقرر کردیئے ہیں۔ یہ اصول اپنے منطوق ومفہوم میں اتنے وسیع و ہمہ گیر ہیں کہ ان تمام گوناگوں حالات کو محیط ہو جاتے ہیں۔ جو امتداد زمانہ سے برابر بدلتے رہتے ہیں۔

ضروریات حاضرہ:

اس لیے ہمارے دور کے علماء کا بھی فرض ہے کہ امت کی باگیں اپنے ہاتھ میں لیں' شریعت کے کلی اصول کے ماتحت حسب ضرورت نئے نئے قوانین بنائیں۔ یہ نہ ہو کہ ہر نئی بات کے

سامنے پتھر کی طرح سخت ہو جائیں' قوم پر ترقی کا راستہ بند کرنے لگیں' تکفیر و تفسیق کے فتوے جیبوں میں لئے پھریں اور ہر مخالف کو ملحد و زندیق کے نام سے پکارنے لگیں۔

انتباہ:

نیز علماء ایسے بھی نہ ہو جائیں کہ ہر مغربی چیز کے دلدادہ بن جائیں' اور یورپ کی تقلید میں مبادی شریعت اور خصوصیات امت کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں کی بربادی کا باعث بنیں بلکہ ان کا راستہ درمیانی اور متعدل راستہ ہو' نہ افراط ہو نہ تفریط' ایک طرف امت کا رشتہ شریعت سے جوڑے رہیں' تو دوسری طرف زندگی کے تمام شعبوں میں ان کی رہنمائی و قیادت کریں۔

کتب فقہ کی اہمیت:

اس صورت میں کتب فقہ علماء کے لئے مفید ہو سکتی ہیں۔ وہ انہیں دیکھیں اور معلوم کریں کہ دوسرے ادوار میں علماء نے کس طرح قانون بنائے؟ نئے حالات میں کیا حکم دیئے؟ اگر ان کے قوانین و فتاویٰ میں اس دور کے علماء کو کوئی بات پسند آ جائے اور سمجھیں کہ آج بھی امت کے لئے مفید ہو گی' تو فوراً لے لیں' یا قطع و برید کر کے مناسب حال بنا لیں' ورنہ چھوڑ دیں۔

لعنت تقلید:

یہ تو کسی حال میں بھی درست نہیں کہ ہم ان کتب کو مقدس مان کر ان کی پرستش شروع کر دیں' ان کی سطر سطر کو وحی سمجھیں اور اختلاف کرنے کو ناقابل معافی گناہ سمجھیں۔

لیکن افسوس کہ ہمارے دور کے علماء نے امت کی رہنمائی کا فرض بالکل پس پشت ڈال دیا ہے' خود پر عجز اور نا اہلی کی مہر لگا لی ہے' تقلید کو شیوہ بنا لیا ہے' تن آسانی کے دلدادہ ہو رہے ہیں' اسی لئے محنت کرنے کے بجائے ان کتب کو قبلہ حاجات قرار دے چکے ہیں' ان کی غلامی و اسیری کچھ ایسی بھا گئی ہے کہ آزادی کا نام تک نہیں لیتے' افسوس ہمارے علماء خود پست ہو گئے ہیں' امت کی پستی کا باعث بنے ہوئے ہیں اور اپنی تنگ دلی و تنگ نظری سے خود مذہب کو پست کر رہے ہیں۔

خروج عن الملۃ:

پھر ستم یہ ہے کہ تمام مسلمانوں پر ان کتب کی اتباع اور ان کے مصنفین کی تقلید ضروری ٹھہراتے ہیں، اگر کوئی روگردانی کرے اور کہے میرے لئے کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کفایت کرتی ہے تو اس پر زندیقیت وخروج عن الملۃ کا فتویٰ لگا دیتے ہیں، حالانکہ ائمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم نے اسے نہ کبھی پسند کیا، نہ اس پر عمل کیا اور نہ ہی کسی کو ایسا کرنے کا حکم ہی دیا۔

ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک:

ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا مسلک تو یہ تھا کہ دین کے اندر اس وقت تک کوئی بات قبول نہ کرو جب تک اللہ تعالیٰ وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے لئے دلیل نہ پالو، انہی میں سے ایک جلیل القدر امام رحمہ اللہ کا قول ہے:❶

اذا وجد تم قولی بخلاف قول رسول اللہ فاضربوا قولی عرض الحائط۔

''اگر میرے کسی قول کو قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف پاؤ، تو میرے قول کو پھینک دو۔''

ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کا قول ہے:

کل کلام یؤخذ منہ و یرد علیہ الا کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

''ہر ایک کا قول مانا اور رد کیا جا سکتا ہے۔ بجز قول رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے۔''❷

ایک امام نے ایک شخص کو دیکھا کہ ان کی گفتگو لکھ رہا ہے تو منع کیا اور کہا:

اتکتب عنی رأیا فتجعلہ دینا للناس وربما ارجع عنہ غدا۔

''میرے خیالات لکھ رہے ہو تا کہ لوگوں کے لئے شریعت بنا دو، حالانکہ بہت ممکن ہے کہ کل میں ہی انہیں بدل دوں۔''

یہ ہیں ائمہ رحمۃ اللہ علیہم کے اقوال:

---

❶ حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے۔ (مترجم)

❷ کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب کہتا ہے تو وحی سے کہتا ہے، جو غلطی سے مبرا ہے۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ:

شریعت کا دارومدار صرف اللہ تعالیٰ پر ہے' وہی حاکم مطلق ہے' اسی نے ہدایت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ پس رسول ﷺ زمین پر اس کا نائب ہے' اور رسول ﷺ ہی امام اعظم ہے' کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ دین کا معاملہ براہ راست خود رسول ﷺ کے ساتھ نہ کرے' اختلاف کی صورت میں اسی کی طرف رجوع نہ کرے اور اس کے فیصلہ پر بے چوں وچرا سر تسلیم خم نہ کرے۔

ا......اللہ کریم کا ارشاد حقانی ہے:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ (النسآء: ٦٥)

''قسم ہے تیرے رب کی یہ ایمان نہیں لائے یہاں تک کہ اپنے جھگڑوں میں تمہیں حکم بنا دیں' پھر اپنے دلوں میں تمہارے لئے فیصلہ پر کوئی تنگی نہ پائیں اور جھک جائیں پوری طرح۔''

۲......اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ (الانعام: ۵۷)

''حکومت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہے۔''

۳......ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗ اِلَى اللّٰهِ﴾ (الشوریٰ: ۱۰)

''جس چیز میں بھی تم باہم مختلف ہو' اس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی سے لو۔''

۴......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ﴾ (الفتح: ۱۰)

''جو لوگ اے رسول (ﷺ) تم سے بیعت کرتے ہیں وہ خود اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں۔''

۵......اللہ کریم نے فرمایا:

﴿مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔''

۶......رؤوف رحیم کا فرمان ہے:

﴿وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًاo ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ عَلِیْمًاo﴾ (النسآء: ۶۹ - ۷۰)

''جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کی وہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنا انعام کیا' یعنی انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کے ساتھ' کیا ہی اچھا ہے ان کا ساتھ' یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا جاننا کفایت کرتا ہے۔''

۷......اللہ احکم الحاکمین نے فرمایا:

﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْاo﴾ (ال عمران: ۱۰۳)

''سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور باہم پھوٹ نہ ڈالو۔''

۸......خالق کائنات نے فرمایا:

﴿وَمَنْ یَّعْتَصِمْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ھُدِیَ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍo﴾ (ال عمرن: ۱۰۱)

''جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو مضبوط پکڑا' تو وہ سیدھے راستہ کی ہدایت دیا گیا۔''

۹......مالک الملک کا اعلان ہے:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًاo﴾ (النسآء: ۵۹)

''اگر کسی بات میں تم باہم جھگڑ پڑو تو اس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو' اگر تم اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو' یہ تمہارے حق میں ہر طرح بہتر ہے۔''

۱۰......مالک ارض وسماء نے فرمایا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ﴾ (الحجرات: ۱)

''مسلمانو! اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے آگے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ بنایا کرو' ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو' اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔''

۱۱......ارشاد ربانی ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَمْرًا اَنْ یَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ وَمَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیْنًا﴾ (الاحزاب: ۳۶)

''کسی مسلمان مرد اور عورت کو شایاں نہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کوئی بات ٹھہرا دیں (یعنی کسی بات کا فیصلہ کر دیں یا حکم دیدیں) تو اس میں اپنی مرضی کو دخل دے' جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو البتہ وہ کھلی ہوئی گمراہی میں پڑ گیا۔''

۱۲......پروردگار عالم نے فرمایا:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اَنْ یَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ﴾ (النور: ۵۱-۵۲)

''مومنوں کی شان تو یہ ہے کہ جب ان کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے کہ ان کے مابین فیصلہ کرے' تو وہ کہتے ہیں کہ ہم بسر وچشم حاضر ہیں' یہی لوگ فلاح پائیں گے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرے اور پرہیز گار رہو تو ایسے ہی لوگ مراد کو پہنچیں گے۔''

۱۳......مختار کل کا واضح اعلان ہے:

﴿قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ (النور: ۵۴)

''اے محمد (ﷺ)! کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو' اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم روگردانی کرو تو رسول پر اس کی اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری' اور اگر تم اس کی اطاعت کرو گے' تو ہدایت پاؤ گے' رسول کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی ہے۔''

۱۴......خیر الراحمین نے فرمایا:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ٥ قُلْ أَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ٥﴾ (ال عمران: ۳۰- ۳۱)

''اے رسول (ﷺ)! کہہ دو اگر تم لوگ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو' اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا' تمہارے گناہ معاف کر دے گا' اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کی اطاعت کرو اگر روگردانی کرو گے تو یاد رکھو اللہ تعالیٰ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔''

سنت نبوی ﷺ کا عملی پیکر:

کہا جائے گا کہ دین کا قرآن وسنت سے اخذ کرنا عوام کی طاقت سے باہر ہے' یہ سچ ہے لیکن ہم نے کب کہا کہ وہ اجتہاد کریں اور قرآن وحدیث سے احکام مستنبط کرنے بیٹھ جائیں۔ ہمارا خطاب عوام سے نہیں ہے' ہم تو صرف علماء سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ دین کو اس کے اصلی سرچشمہ سے لے کر عوام کو بتائیں' یہاں اجتہاد واستنباط کا سوال ہی نہیں۔ سنت نبوی بالکل صاف ہے' اس میں کسی اجتہاد کی ضرورت ہی نہیں' ہاں! ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ علماء پہلے اس کے خود متبع بنیں' پھر عوام کے سامنے آئیں اور بتائیں کہ دین یہ ہے' فلاں بات نبی ﷺ نے یوں کی اور فلاں اس طرح کہی' نبی ﷺ نے نماز اس طرح پڑھی' پھر خود لوگوں کو نماز پڑھ کے دکھائی۔ نبی ﷺ نے وضو اس طرح کیا' اور خود وضو کر کے لوگوں کو دکھائیں۔ نبی ﷺ نے جو باتیں عمر بھر کیں' خود بھی ہمیشہ کریں اور جو کبھی کیں اور کبھی ترک کر دیں' تو خود بھی اسی طرح کریں۔ ظاہر ہے کہ نبی ﷺ نے یہ سب ہماری ہدایت کے لئے کیا تھا' ہم بھی ویسا ہی کریں' اور ویسا ہی عوام کو

بتائیں تا کہ امت صحیح طور پر ہدایت یاب ہو عمل میں برکت پائے اور جو کچھ کرے وہ علم وبصیرت کے ساتھ کرے۔

۱۵......اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۝﴾ (بنی اسرائیل: ۳۶)

''اس چیز کے پیچھے مت چل جس کا تجھے علم نہیں' کیونکہ ہر ایک کان' آنکھ اور دل کے فعل پر مواخذہ ہوگا۔''

مذہبی مدارس کو دعوت:

آخر میں، میں اس کتاب کی جانب سب کو دعوت دیتا ہوں' جس میں اسوۂ حسنہ نبوی بوجہ احسن بیان کیا گیا ہے۔

میری دعوت مذہبی مدارس کو ہے کہ اسے نصاب میں داخل کریں۔

میری دعوت واعظین ومبلغین کو ہے کہ اس سے وعظ وارشاد میں کام لیں۔

میں تمام مسلمانوں کو دعوت دیتا ہوں کہ اسے خود پڑھیں اور جہاں تک ممکن ہو' اس کی اشاعت کریں' تا کہ دین کا معاملہ آسان ہو جائے' مشکلات راستہ سے ہٹ جائیں' اور عام مسلمانوں کو کتب فقہ اور ان کے معتقدین سے قطعی طور پر نجات مل جائے۔

۱۶......ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝﴾ (النور: ۵۴)

لیکن اگر روگردانی کرو تو رسول پر اس کی اپنی ذمہ داری ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری اگر اس کی اطاعت کرو گے' تو ہدایت پاؤ گے اور رسول کے ذمہ تو بس پیغام کا پہنچانا ہی کام ہے۔''

محمد ابوزید

❁❁❁❁

مقدمہ

از......امام ابن قیم رحمہ اللہ

رب یسر واعن یا کریم' وصلی اللہ علی سیدنا محمد الامین' وعلی الہ الاکرمین۔ الحمد للہ رب العلمین والعاقبۃ للمتقین' ولا عدوان الا علی الظالمین۔

قیامت کے دن سوال و جواب:

قیامت کے دن بندے سے دو سوال ہوں گے' کس کی عبادت کرتے تھے؟ رسول پر ایمان لائے تھے؟ پہلے سوال کا جواب "لا الہ الا اللہ" ہوگا' بشرطیکہ اس کی معرفت ہو' اس پر ایمان ہو' اور اس کے مطابق عمل بھی ہو۔ دوسرے سوال کا جواب "اشھد ان محمدا رسول اللہ" ہوگا' بشرطیکہ معرفت' ایمان' اطاعت اور فرمانبرداری کی شہادت بھی ساتھ ہو۔

محمد ﷺ کا مشن:

محمد بن عبداللہ (ﷺ) اللہ تعالیٰ کے بندے' رسول' وحی کے حامل' مخلوقات میں بزرگ ترین' اللہ تعالیٰ اور بندوں کے مابین سفیر ہیں۔ آپ ﷺ دین قیم' صراط مستقیم کے ساتھ مبعوث کیے گئے۔ عالمین کے لئے رحمت' متقین کے لئے امام اور تمام مخلوق پر حجت بنائے گئے ہیں۔ رسولوں کے خاتمہ پر تشریف لائے' سب سے زیادہ روشن چراغ ہدایت ہاتھ میں لائے' اور انسانوں کو سیدھے راستہ کی طرف پھیر دیا' اللہ تعالیٰ نے تمام بندوں پر آپ ﷺ کی اطاعت' توقیر' تعظیم اور محبت واجب کر دی' جنت کی تمام راہیں بند کر کے صرف ایک اپنے رسول ﷺ کی راہ کھلی رہنے دی کہ جس پر چل کر آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے' پھر آپ ﷺ کا شرح صدر کیا' تمام اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے اور ان پر ذلت وخواری کی مہر لگا دی جو آپ ﷺ کی مخالفت کریں۔

چنانچہ مسند امام احمد رحمہ اللہ کی حدیث ہے:

عن ابی منیب الجرشی عن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعثت بالسیف بین یدی الساعۃ حتی یعبد اللہ وحدہ لاشریك لہ وجعل رزقی تحت ظل رمحی وجعل الذلۃ والصغار علی من خالف امری ومن تشبہ بقوم فھو منھم۔

''ابومنیب الجرشی سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: قیامت کے روبرو مجھے تلوار دے کر بھیجا گیا تاکہ صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ' کی پرستش کی جائے' میرا رزق میرے نیزے کے سائے تلے کیا گیا' ذلت وخواری ان پر نازل کر دی گئی جو میری مخالفت کریں' جو کسی قوم کے راہ ورسم اختیار کرے' گویا وہ اسی میں سے ہے۔''

مؤمنین کی جزا:

جس طرح ذلت مخالفین کے حصہ میں آئی' اسی طرح عظمت وبرتری مومنین کے حصہ میں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ۝﴾ (آلعمران:۱۳۹)

''نہ ہمت ہارو' نہ آزردہ خاطر ہو' تمہارا ہی بول بالا ہے' اگر تم مومن ہو۔''

دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ﴾ (المنافقون: ۸)

''اللہ تعالیٰ کے لئے غلبہ ہے' اس کے رسول کے لئے اور مومنین کے لئے۔''

ایک اور مقام پر رب العزت نے فرمایا:

﴿فَلَا تَهِنُوا وَتَدْعُوا إِلَى السَّلْمِ وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ﴾ (محمد:۳۵)

''بزدل بن کر صلح کی طرف نہ بلاؤ' تم ہی غالب رہو گے' اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے۔''

ایک اور جگہ ارشاد ربانی ہے:

﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۝﴾ (الانفال: ٦٤)

''اے نبی (ﷺ)! اللہ تعالیٰ تیرے لئے اور تیرے پیرو مومنین کیلئے کفایت کرتا ہے۔''

مومن کی شان:

رسول اللہ نے قسم اٹھا کر فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک وہ مجھے اپنی ذات' اپنی اولاد' اپنے والدین اور دنیا بھر سے زیادہ محبوب نہ بنالے' نیز پروردگار عالم نے قسم کے ساتھ کہا کہ وہ شخص مومن نہیں جو رسول (ﷺ) کو اپنے تمام اختلافات میں حکم نہ قرار دے' پھر اس کے فیصلہ پر راضی نہ ہو جائے' ایسا راضی ہونا کہ دل میں ذرا بھی تنگی باقی نہ ہو اور اس کے حکم کے آگے گردن نہ جھکا دے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦)

''کسی مسلمان مرد اور عورت کو یہ زیب نہیں دیتا کہ جب اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول کسی بات کا فیصلہ کر دیں تو وہ اس میں اپنی مرضی کو دخل دیں۔''

مومن کے لئے شاہراہ عمل:

پس مومن کے لئے حکم نبوی کے بعد حق نہیں رہتا کہ اپنی مرضی کو دخل دے' کیونکہ حکم نبوی اٹل ہے' کسی کے لئے جائز نہیں کہ اس کے علاوہ کسی اور شخص کے حکم کی پیروی کرے' الا یہ کہ وہ شخص وہی حکم دے جو نبی ﷺ نے دیا ہے۔ اس صورت میں اس کی حیثیت ایک مبلغ و مخبر کی ہوگی' حاکم کی نہیں۔ یہاں جو شخص براہ راست حکم دے اور اپنے دل سے شریعت میں اصول و قواعد وضع کرے' امت پر اس کا اتباع واجب نہیں' یہاں تک کہ اس کے احکام اور اصول و قواعد حکم نبوی کے مطابق ثابت ہو جائیں۔ اگر مطابق ہوں تو قبول کر لئے جائیں اور مخالف ہوں تو رد کر دیئے جائیں' اگر مخالفت یا موافقت صاف صاف معلوم نہ ہو سکے تو معلق چھوڑ دیئے جائیں' نہ مانے جائیں' نہ رد کئے جائیں۔

اقسام مخلوقات:

اللہ تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے پھر اپنی مخلوقات میں سے جسے چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَرَبُّكَ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ وَيَخْتَارُ﴾ (القصص: ٦٨)

''تیرا رب ہی جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جو چاہتا ہے منتخب کرتا ہے۔''

طیب وخبیث کی پہچان:

مخلوق دو قسم کی ہے: طیب اور خبیث۔ اللہ تعالیٰ کی نظر انتخاب ہمیشہ طیب ہی پر پڑتی ہے اور یہیں سے انسان کی سعادت وشقاوت بھی پہچانی جاتی ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں سعید اور اس کی نظر میں طیب ہے' دنیا میں اس کا میلان طبع ہمیشہ طیبات ہی کی طرف ہوگا' اعمال دیکھو گے تو نظر آئے گا کہ وہ اللہ واحد کی پرستش کرتا ہے' کسی کو اس کے ساتھ شریک نہیں کرتا' اس کی مرضی کو اپنی ہوا وہوس پر مقدم رکھتا ہے' اس کی مخلوق کے ساتھ حتی المقدور نیکی کرتا ہے' سب کے ساتھ اس کا برتاؤ وہی ہے جو ان سے اپنے لئے چاہتا ہے۔ یہی حال اخلاق میں بھی ہوگا' اعلیٰ ترین اخلاق سے اس کا نفس آراستہ ہوگا' حلم' رحم' صبر' صدق' محبت' شجاعت' عفت' سخاوت' انسانیت' وقار' رواداری' قلب کی سلامتی' مومنین کے ساتھ فروتنی' دشمنان الٰہی پر نخوت وسختی' غرضیکہ تمام محاسن اخلاق سے متصف ہوگا' کہ جن کی تحسین پر تمام شرائع ربانی' فطرت وعقل انسانی متفق ہیں۔

اسی طرح اکل وشرب میں اس کی رغبت طیب وحلال ہی کی طرف ہوگی جو جسم وروح دونوں کے لئے مفید ومغذی ہوتا ہے۔

اسی طرح اس کے احباب ہم نشین بھی اچھے ہی لوگ ہوں گے' شریروں کی صحبت اسے پسند نہ آئے گی' غرضیکہ اس کا وجود ہی اس کے طیب وطاہر ہونے کی خبر دے گا' خبث وکثافت کا ایک شمہ بھی اس میں نہ پایا جائے گا۔

قرآنی شہادت:

ایسے ہی لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الَّذِينَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِينَ يَقُولُونَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ (النحل: ٣٢)

''جن کی جانیں فرشتے ایسی حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ طیب وطاہر ہوتے ہیں تو فرشتے ان سے بڑے تپاک سے کہتے ہیں: تم پر سلامتی ہو' جنت میں داخل ہو جاؤ' ان اعمال کے بدلہ جو تم کیا کرتے تھے۔''

اور ایسے ہی لوگوں سے جنت کے نگہبان کہیں گے۔

ارشادِ ربانی ہے:

﴿سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوهَا خٰلِدِينَ﴾ (الزمر: ٧٣)

''سلامتی ہو تم پر! تم پاک ہو' پس جنت میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ۔''

دوسرے مقام پر حکم ربی ہے:

اَلْخَبِيثٰتُ لِلْخَبِيثِينَ وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِينَ وَالطَّيِّبُونَ لِلطَّيِّبٰتِ (النور: ٢٦)

''خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے' طیب عورتیں طیب مردوں کے لئے ہیں اور طیب مرد طیب عورتوں کے لئے۔''

پس طیب الفاظ' طیب اعمال اور طیب عورتیں' اپنے مناسب حال طیب لوگوں کے لئے ہیں' اور خبیث الفاظ' خبیث عورتوں' خبیثوں کے لئے ہیں' طیبین کے ساتھ ان کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔

فریقین کا ٹھکانہ:

اللہ تعالیٰ نے طیب وطیبات کے لئے جنت مخصوص کی ہے' اور خبیث وخبیثات کا ٹھکانہ جہنم کو قرار دیا ہے' یعنی جس طرح مخلوق دو قسم کی ہے اسی طرح ان کے ٹھکانے بھی دو ہیں۔ ایک جنت میں طیب ہی طیب ہوگا' خبیث کا وہاں گزر نہیں۔ دوسرا دوزخ' جو صرف خبیث کا مقام ہے' طیب کا داخلہ اس میں محال ہے۔

دارِ دنیا:

لیکن ان دونوں مقامات کے علاوہ ایک مقام اور بھی ہے' جس میں خبیث وطیب دونوں ہی

رہتے ہیں اور وہ مقام یہی دارِ دنیا ہے جس میں نہ طیبین کی کمی ہے نہ خبیثین کی' دونوں پہلو بہ پہلو نظر آتے ہیں چونکہ دنیا کی کیفیت یہی ہے' اس لئے حکمت الٰہی نے اسے ابتلاء و امتحان کا مقام بنا دیا ہے' یہاں دونوں کسوٹی پر رکھے جاتے ہیں اور عمر بھر پرکھے جاتے ہیں۔

علیحدگی خبیث و طیب:

یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور دونوں اپنے اپنے اعمال نامے لے کر رب العزت کے حضور میں پہنچ جائیں' اس وقت پروردگار عالم طیب کو خبیث سے جدا کر دے گا' طیبین اپنے مقام جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے' جہاں ان کے علاوہ اور کوئی نہ ہوگا' اور وہاں وہ اپنے علاوہ کسی اور کو نہ پائیں گے۔

جزا و سزا کا معیار:

اللہ تعالیٰ نے فریقین کی جزا و سزا خود انہیں کے اعمال میں رکھ دی ہے' طیبین کے اقوال واعمال واخلاق بعینہ ان کے لئے جنت کی لذتیں اور نعمتیں بن جائیں گی اور انہیں میں برکت دے کر اللہ تعالیٰ بہترین اسباب راحت و سرور مہیا کر دے گا۔ اسی طرح خبیثین کے اقوال واعمال اور اخلاق ان کے حق میں کانٹے ہو جائیں گے اور انہیں سے انواع و اقسام کے آلام و مصائب پیدا ہو جائیں گے۔

مظاہرِ رحمت:

اس بڑے آقا کی کیا ہی بڑی حکمت ہے۔ اسی طرح وہ اپنے بندوں کو اپنی کمال ربوبیت' کمال حکمت' علم' عدل اور مظاہر رحمت دکھاتا ہے' تاکہ اس کے دشمنوں کو معلوم ہو جائے کہ خود وہی گمراہ اور مفتری و کذاب تھے' نہ کہ اس کے پاک اور سچے رسول ﷺ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ○ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ○﴾ (النحل: ۳۸-۳۹)

''انہوں نے بڑی بڑی قسمیں اٹھائیں کہ اللہ تعالیٰ اسے پھر نہ اٹھائے گا جو مر چکا ہے' نہیں ضرور اٹھائے گا' یہ اس کا سچا وعدہ ہے لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے' اس لئے اٹھائے گا تاکہ کھول دے وہ چیز جس میں باہم حجت کرتے تھے اور تاکہ کفار جان لیں کہ وہی جھوٹے تھے۔''

فریقین کی شناخت:

غرضیکہ مخلوق میں کچھ طیبین ہیں کچھ خبیثین ہیں' کچھ سعید ہیں کچھ شقی ہیں' دونوں کے لئے علامات اور نشانات ہیں' جن کے ذریعہ وہ شناخت کئے جا سکتے ہیں۔ خبیث وہ ہے جس کے قلب' زبان اور اعضاء جوارح سے طہارت کا فوارہ چھوٹا کرتا ہے' لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک ہی شخص میں طیب و خبیث دونوں مادے پائے جاتے ہیں' ایسی حالت میں انسان اس فریق میں ہو جاتا ہے جس کا مادہ کشمکش کے بعد بالآخر دوسرے مادہ پر غالب آ جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو جس کے ساتھ بہتری منظور ہوتی ہے' موت سے پہلے اسے خبیث مادہ سے پاک کر دیتا ہے' چنانچہ قیامت کے دن وہ صاف ستھرا اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہوتا ہے اور سیدھا جنت میں بھیج دیا جاتا ہے' کیونکہ اس میں کوئی میل تو رہتا ہی نہیں جس کی تطہیر کے لئے اسے جہنم کی بھٹی میں پڑنا پڑے۔

فضلِ الٰہی:

اللہ تعالیٰ کا بندے پر یہ فضل اس توفیق کی شکل میں ہوتا ہے جو اس کی جناب سے نیکی' اطاعت' توبۂ نصوحا اور کفارہ کرنے والی حسنات کے لئے حاصل ہوتی ہے۔

بدنصیب:

لیکن جس بدنصیب کے شاملِ حال فضل الٰہی نہیں ہوتا' تو خبیث مادہ اس میں برابر موجود رہتا اور بڑھتا جاتا ہے' یہاں تک کہ اپنی تمام کثافتوں اور نجاستوں کے ساتھ وہ بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے اور جہنم میں گرا دیا جاتا ہے' کیونکہ اپنے خبیث مادوں کے ساتھ وہ جنت میں جا ہی نہیں سکتا۔ اس کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ دوزخ کی بھٹی میں پڑے اور طہارت حاصل کرے۔ لیکن جونہی تنقیہ و تصفیہ ہو جاتا ہے' تو وہ جہنم سے نکل آتا ہے اور اپنے پروردگار کی مجاورت اور اہل جنت کی

صحبت کا اہل ہو جاتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کی جہنم میں اقامت صرف اتنی ہی مدت کے لئے ہوتی ہے جتنی مدت میں وہ طہارت حاصل کرلیں' ان میں جو خوش نصیب جلد پاک ہو جاتے ہیں' جلد نجات پا جاتے ہیں اور جنہیں دیر لگتی ہے انہیں وہ پرمحن زندگی زیادہ عرصہ تک بھگتنا پڑتی ہے:
﴿جَزَآءً وِّفَاقًا﴾ ''اعمال کا بدلہ ہے۔'' ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ ''تیرا پروردگار بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں۔''

مشرکین کا حشر:

رہا مشرک! تو چونکہ اس کی جبلت خبیث اور اس کی ذات خبیث ہوتی ہے' اس لئے جہنم بھی اس کی نجاست کو زائل نہیں کر سکتی' وہ کتنی ہی مدت رہے' خبیث ہی رہے گا' اگر باہر بھی نکال لیا جائے تو بھی خبیث رہے گا' اس کی مثال کتے کی مانند ہے' جسے لاکھ نہلاؤ' ناپاک ہی رہے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرک پر جنت حرام کی ہے۔

برخلاف اس کے مومن ہے کہ جس پر دوزخ حرام ہے' کیونکہ وہ سراسر طہارت ہی ہے' اس میں خبث کا شائبہ تک نہیں ہوتا کہ جس کے ازالہ کے لئے جہنم میں جانا ضروری ہو۔

فسبحان من بهرت حكمته العقول والالباب۔

اتباع نبوی کی ضرورت:

یہیں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی ﷺ پر ایمان لانا اور آپ ﷺ کی اطاعت کرنا کس قدر ضروری ہے' کیونکہ طیب و خبیث کی پوری پوری شناخت کا ذریعہ بجز آپ ﷺ کے ذریعہ کے اور کوئی نہیں۔ آپ ﷺ ایک میزان حق ہیں' آپ ﷺ ہی کے اقوال و اعمال و اخلاق پر تمام اقوال و اعمال و اخلاق تولے جا سکتے ہیں۔ انسان کی ضروریات میں سب سے بڑی اور سب سے زیادہ ناگزیر ضرورت یہی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ سے بخوبی واقف ہو' تاکہ اس نمونہ پر اپنی زندگی ڈھالے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر سعادت دنیوی و اخروی سے شادکام ہو۔

والسلام

ابن قیم رحمہ اللہ

باب : ١

رسول اللہ ﷺ کی بعثت

1 - فصل

ابتدائی زندگی

ولادت باسعادت:

رسول اکرم ﷺ کی ولادت عام (سال)❶ فیل میں ہوئی۔ واقعہ فیل درحقیقت اس خارق العادت ہستی کے ظہور کا پیش خیمہ تھا جو عنقریب مکہ مکرمہ کی وادی "غیـــر ذی زرع" میں جلوہ گر ہونے والی تھی' ورنہ اصحاب فیل اہل کتاب تھے اور ان کا مذہب مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کے مذہب سے کہیں بہتر تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے بت پرستوں کو اہل کتاب پر ایسی فتح مبین عطا فرمائی کہ جس میں کسی انسانی ہاتھ اور تدبیر کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

اللہ تعالیٰ کی مشیت ہوئی کہ اس واقعہ کے ذریعہ خانہ کعبہ' قریش اور مکہ مکرمہ کی بزرگی مسلّم ہو جائے جس میں عنقریب اس کے نبی ﷺ کا ظہور ہونے والا تھا۔

---

❶ یعنی ۵۷۱ء میں' عربوں کا قاعدہ تھا کہ تاریخ کا حساب بڑے بڑے واقعات سے کرتے تھے' واقعہ فیل بھی ایک نہایت اہم واقعہ تھا' اس لئے اس سے تاریخوں کا حساب کرنے لگے۔ واقعہ فیل کی اصلیت یہ ہے کہ یمن کے عیسائیوں نے حبشی سردار "ابرہہ بن الاشرم" کی سرکردگی میں خانہ کعبہ کو گرانے کے لئے مکہ پر فوج کشی کی' مگر کامیاب نہ ہوئے' اور عذاب الٰہی میں پڑ کر برباد ہوئے۔ سورۂ فیل میں یہی واقعہ مذکور ہے۔ امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے عکرمہ رحمہ اللہ کی روایت سے یہ تفسیر ماثور درج کی ہے کہ چڑیاں اصحاب فیل پر کنکریاں گراتی تھیں' جس پر کنکری گرتی تھی وہ چیچک کے مرض میں مبتلا ہو جاتا تھا۔ عرب میں سب سے پہلے چیچک کا ظہور اسی واقعہ سے ہوا۔ (ابوزید)

(مترجم کتاب اتنا اضافہ اور کرتا ہے) کہ ٹھیک اسی زمانہ میں طور سینا اور علاقہ سویز میں چیچک کی بیماری پھیلی ہوئی تھی' بہت ممکن ہے کوئی بڑی آندھی اس علاقہ سے چڑیوں کو اڑا کر لے گئی ہو جو اپنے ساتھ چیچک کے جراثیم ان کنکریوں میں لے گئی ہوں' تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان ظالموں کو برباد کریں۔

نسب نامہ نبی اکرم ﷺ:

آپ ﷺ کا حسب نسب اعلیٰ واشرف‘ آپ کی قوم اشرف‘ آپ کا قبیلہ اشرف‘ اور آپ کا خاندان اشرف‘ آپ محمد (ﷺ) بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن النضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہیں۔ یہاں تک سلسلہ نسب متفق علیہ اور یقینی طور پر معلوم ہے۔ عدنان کا اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہونا بھی یقینی ہے‘ اسی طرح اسماعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر بھی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور علماء امت رحمہم اللہ کا اتفاق ہے۔

آپ ﷺ مختون ومسرور پیدا ہوئے:

ختنہ کے بارہ میں تین اقوال مروی ہیں:

(۱) آپ ﷺ پیدائشی مختون ومسرور (ناف کٹی ہوئی) تھے۔ لیکن اس باب میں جو حدیث سب سے زیادہ مشہور ہے‘ وہ بھی غیر صحیح ہے‘ ابن جوزی رحمہ اللہ نے اسے موضوعات میں شمار کیا ہے‘ باقی اور جتنی احادیث ہیں‘ ان کی صحت بھی ثابت نہیں‘ پھر اس میں کوئی خاص امتیاز بھی نہیں کیونکہ بہت سے آدمی مختون پیدا ہوتے ہیں۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ ختنہ اس دن ہوا جب حلیمہ دائی کے ہاں ملائکہ نے شق صدر کیا۔

(۳) تیسرا قول یہ ہے کہ ولادت سے ساتویں دن آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب نے ختنہ کیا اس تقریب پر دعوت بھی کی‘ اور ''محمد'' (ﷺ) نام رکھا۔

ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس بارہ میں ایک حدیث بہ سند غریب روایت کی گئی ہے‘ اس مسئلہ پر دو فاضلوں کمال الدین‘ ابن طلحہ اور کمال الدین ابن الندیم میں مناظرہ ہوا‘ اول الذکر نے ایک کتاب تصنیف کر ڈالی اور ہر طرح کی احادیث بے لگام روایت کر گئے کہ آپ مختون پیدا ہوئے تھے‘ مگر آخر الذکر نے تردید کر دی اور ثابت کیا کہ عرب کے دستور کے مطابق ختنہ ہوا تھا چونکہ یہ رواج عام تھا‘ اس لئے ثبوت کے لئے سند کی ضرورت نہیں‘ مدعی کو دلیل پیش کرنی چاہیے۔

رضاعی مائیں:

آپ ﷺ کو متعدد عورتوں نے دودھ پلایا:

ثوبیہ کنیز ابولہب نے چند دن دودھ پلایا' اس دودھ میں آپ ﷺ کے شریک عبداللہ بن عبدالاشد مخزومی' مسروح بن ثوبیہ اور آپ ﷺ کے چچا سید الشہداء سیدنا حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ تھے۔ ثوبیہ کے اسلام میں اختلاف ہے۔

ثوبیہ کے بعد حلیمہ سعدیہ نے دودھ پلایا' جس میں آپ ﷺ کے شریک سیدنا عبداللہ بن حلیمہ رضی اللہ عنہ' آپ ﷺ کے چچا زاد بھائی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھے' یہ اسلام سے پہلے آپ ﷺ کے سخت دشمن تھے' یہاں تک کہ فتح مکہ کے بعد اسلام لائے۔

نیز سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی انا نے بھی آپ ﷺ کو دودھ پلایا جو قبیلہ سعد بن بکر سے تھیں' یہ اس وقت جبکہ آپ حلیمہ سعدیہ کے ہاں تھے اسی طرح سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ آپ کے دو طرف سے رضاعی بھائی ہوئے، حلیمہ اور ان کے شوہر کے اسلام میں بھی اختلاف ہے۔

کھلائیاں:

آپ کی کھلائیوں میں سے بعض کے نام یہ ہیں: خود آپ ﷺ کی والدہ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔ پھر ثوبیہ' حلیمہ' شیما آپ کی رضاعی بہن وفدِ ہوازن کے ہمراہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے اپنی چادر ان کے لئے بچھادی تھی' فاضلۃ الجلیلہ' ام ایمن' برکۃ الحبشیہ جو آپ ﷺ کو والد سے ورثہ میں ملی تھیں' ان کی شادی آپ ﷺ نے اپنے محبوب صحابی سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کردی تھی' انہی کے بطن سے سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ جب نبی ﷺ کا وصال ہوا تو سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے گھر گئے' وہ بیٹھی رو رہی تھیں' تسکین دینے لگے کہ ''اے ام ایمن! جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے' وہ رسول ﷺ کے لئے اس دنیا سے بہتر ہے۔'' کہنے لگیں ''میں بھی جانتی ہوں میں اس غم میں رو رہی ہوں کہ اب آسمان کی خبریں آنا بند ہوگئیں۔'' یہ سن کر شیخین رضی اللہ عنہما پر بھی رقت طاری ہوگئی۔

بچپن اور شباب:

نبی ﷺ کی پیدائش سے پہلے ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ چکا تھا' آپ ابھی سات برس کے بھی نہ ہوئے تھے کہ ماں کی مامتا سے بھی محروم ہو گئے' والدہ کی وفات مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے مابین مقام ''ابواء'' ❶ میں اس وقت ہوئی جب آپ مدینہ میں اپنے بھائی کے گھر سے واپس آ رہی تھیں، والدہ کی وفات کے بعد آپ کو دادا عبدالمطلب نے گود میں اٹھالیا' لیکن ابھی ایک سال بھی گذرنے نہ پایا تھا کہ انہوں نے بھی سفر آخرت اختیار کیا' آخر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی پرورش شروع کر دی۔

بارہ سال کی عمر میں شفیق چچا کے ہمراہ ملک شام تشریف لے گئے' اسی سفر میں بحیرۂ راہب کی دور بین نظریں پڑیں اور اس نے ابوطالب کو مشورہ دیا کہ وہ آپ (ﷺ) کو شام میں نہ پھیرائیں (لے جائیں) کیونکہ یہودیوں کی جانب سے خطرہ ہے' چنانچہ انہوں نے اپنے بعض غلاموں کے ساتھ آپ (ﷺ) کو مدینہ منورہ پہنچا دیا۔

آپ ﷺ نے پچیس برس کی عمر میں ایک تجارتی کاروان لے کر شام کا سفر کیا' شہر بصریٰ تک گئے' واپسی میں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد سے شادی ہوئی اور ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا پہلی خاتون ہیں جنہیں آپ ﷺ کی زوجیت کا فخر حاصل ہوا' اور امہات المومنین میں سب سے پہلے اپنے اللہ تعالیٰ سے جا ملیں۔ جب تک یہ غمخوار خاتون زندہ رہیں تو اس وقت تک آپ ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی' ان کے لئے یہ شرف کیا کم ہے کہ خود رب العزت نے جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے انہیں سلام کہلا بھیجا تھا۔

---

❶ لیکن جہلاء نے مکہ مکرمہ کے قبرستان ''معلیٰ'' میں ایک قبر بنا رکھی ہے' جسے ''قبر سیدہ آمنہ'' کہتے ہیں' ہر پنج شنبہ کو جوق در جوق زیارت کو جاتے ہیں جہاں حجاج کو بھی زیارت کرائی جاتی اور انہیں خوب لوٹا جاتا ہے۔

2- فصل

نبوت کی زندگی

خلوت پسندی:

سال پر سال گذرتے چلے گئے' یہاں تک کہ ایک وقت آیا جب آپ ﷺ تنہائی پسند ہوگئے' حراء کا سنسان غار مونس وہمدم ہوگیا' اس میں مسلسل کئی کئی رات اور دن' آپ تدبر و تفکر و عبادت باری تعالیٰ میں منہمک رہنے لگے' بتوں سے آپ کو نفرت اور آبائی دین سے بیزاری تھی' کسی چیز سے اتنے بیزار نہ تھے جتنے کہ ان دو چیزوں سے تھے۔

اولین وحی:

وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا' روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی اس کے بعد اصلی نبوت سے سرفراز ہوئے' غار حراء میں گوشہ نشین تھے کہ فرشتہ نمودار ہوا اور سب سے پہلی وحی پہنچائی ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ﴾ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا و جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے اور یہ صحیح ہے' سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلی وحی "یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" الخ تھی۔ ❶

---

❶ لیکن بعض کا قول ہے کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ ہم ان تمام اقوال کو اس طرح جمع کر سکتے ہیں کہ اولیت یا اضافی قرار دیں' اس صورت میں سورۂ فاتحہ اولین وحی ہوگی جو اس لئے نازل ہوئی کہ آپ وحی سے مانوس اور اس کے سننے کے لئے تیار ہوں' اس کی تائید آپ کے اس جواب سے بھی ہوتی ہے جو ورقہ بن نوفل کو دیا تھا "میں نے یہ سب ایسے شخص سے سنا ہے جسے میں نے دیکھا نہیں۔" "اقـــراء" سے اصل وحی کا آغاز ہوا جب کہ جناب جبرائیل علیہ السلام نے اپنے سینہ سے لگایا کہ تحمل وحی کے لئے استعداد مکمل ہو جائے "یَاۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ" اس معنی میں پہلی وحی ہوگی کہ انقطاع وحی کے طویل وقفہ کے بعد سب سے پہلے وہ نازل ہوئی' یا یہ کہ تبلیغ کے لئے وہ سب سے پہلی وحی ہے۔ (ابوزید)

نبوت:

جب چالیسواں سال ختم ہوا' تو غار حراء سے آفتاب نبوت طلوع ہوا' تاجِ رسالت سرِ مبارک پر رکھا گیا' اور تمام مخلوق کے لئے نبی بنا کر مبعوث کیے گئے' سب متفق ہیں کہ بعثت دوشنبہ کے دن ہوئی' مہینہ کی تعیین میں اختلاف ہے' مگر رجحان اسی جانب ہے کہ ۸ ربیع الاول ۵۱ عام الفیل میں رسالت سے سرفراز ہوئے' بعض اسے رمضان میں بتاتے ہیں اور آیت:

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ﴾ (البقرہ: ۱۸۵)

''ماہِ رمضان جس میں قرآن نازل کیا گیا۔'' سے استدلال کرتے ہیں۔

اقسامِ وحی:

وحی الٰہی کئی صورتوں سے آتی تھی:

(۱) رؤیائے صادقہ۔ وحی کا آغاز اسی سے ہوا' خواب دکھائی دیتے اور جو کچھ دیکھتے بال بال ٹھیک نکلتا۔

(۲) فرشتہ بغیر نظر آئے قلب میں القا کرتا' جیسا کہ خود فرمایا:

((ان روح القدس نفث فی روعی انه لن تموت نفس حتی تستکمل رزقها' فاتقوا الله واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق علی ان تطلبوه بمعصیة الله' فان ما عند الله لا ینال الا بطاعته))

''روح القدس نے میرے اندر ڈالا ہے کہ کوئی مر نہیں سکتا جب تک اپنی روزی پوری پوری نہ پالے' پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو' طلب مال ٹھیک طریقہ سے کرو' رزق کی تاخیر تمہیں اس کام پر آمادہ نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی معصیت کے راستہ سے اسے حاصل کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس جو ہے، وہ صرف اس کی فرمانبرداری ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔''

(۳) فرشتہ انسان کی صورت میں نمودار ہوتا اور وحی پہنچاتا' اس حالت میں کبھی کبھی صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اسے دیکھتے تھے۔

(۴) وحی گھنٹی کی آواز کی طرح آتی' یہ وحی آپ ﷺ پر بہت سخت ہوتی' حتیٰ کہ کڑاکے کی سردی میں بھی پیشانی عرق عرق (پسینہ پسینہ) ہو جاتی تھی' اگر اونٹ پر ہوتے تو وحی کے بوجھ سے اونٹ بیٹھ جاتا تھا۔ ایک مرتبہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے زانو پر زانو رکھے بیٹھے تھے کہ اسی قسم کی وحی آ گئی' سیدنا زید رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مجھ پر اس قدر بوجھ پڑا کہ قریب تھا' میری ران ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔

(۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتا اور اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا اور عمر بھر میں صرف دو دفعہ ایسا موقع ہوا' جیسا کہ سورۂ النجم میں مذکور ہے۔

(۶) وہ وحی جو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے اوپر شب معراج میں کی' جس میں نماز وغیرہ فرض ہوئی۔

(۷) وہ خطاب جو اللہ تعالیٰ نے بلا واسطہ فرشتہ براہ راست کیا' جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ کے ساتھ ہوا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے لئے یہ فضیلت قرآن سے ثابت ہے اور رسول اکرم ﷺ کے لئے حدیث معراج ہے۔

(۸) بعض مفسرین نے وحی کی ایک اور آٹھویں قسم بھی قرار دی ہے' یعنی بلا حجاب اللہ تعالیٰ کا روبرو (آمنے سامنے، بلا واسطہ، بالمشافہ) کلام کرنا۔ لیکن یہ مذہب ان لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ یہ مسئلہ سلف و خلف دونوں میں مختلف فیہ رہا ہے اگرچہ جمہور صحابہ بلکہ تمام کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا [1] کے مسلک سے متفق ہیں' چنانچہ عثمان بن سعید دارمی رحمہ اللہ نے اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع نقل کیا ہے۔

---

[1] بخاری ومسلم وترمذی ونسائی نے مسروق رحمہ اللہ سے روایت کی کہ انہوں نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا "اے ام المومنین! کیا محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟" تو ام المومنین نے فرمایا: "سبحان اللہ! تیرے اس سوال سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے' تین باتیں کیونکر ممکن ہیں؟ جو کوئی تجھ سے ان کا ذکر کرے جھوٹا ہے:

(۱) جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا' وہ جھوٹا ہے۔ (پھر ام المومنین رضی اللہ عنہا نے یہ آیت پڑھی)

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ﴾ (الانعام: ۱۰۴)

"نگاہیں اسے دیکھ نہیں سکتیں' وہ سب کو دیکھتا ہے وہ تو نہایت لطیف اور سب کچھ جانتا ہے۔"

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ ⇦⇦⇦

ترتیبِ دعوت:

دعوت کی بنیاد نبوت سے پڑی' آغاز گھر سے کیا' سب سے پہلے اپنے اہل بیت کو دعوت حق پہنچائی' پھر قوم کو' پھر عربوں کو کہ جن میں کوئی نبی مبعوث نہ ہوا تھا' پھر قیامت تک ان تمام قوموں کے لیئے اسے چھوڑ گئے جن کے کانوں تک وہ پہنچے۔ ابتدا میں تین سال تک خفیہ خفیہ دعوت دیتے رہے اور جب یہ آیت:

﴿فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ۝﴾ (الحجر: ٩٤)

''پروردگار کے حکم کا اعلان کرو اور مشرکوں کی پرواہ نہ کرو۔''

نازل ہوئی تو علی الاعلان حق کی طرف پکارنے لگے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کی عداوت بڑھی اور آپ ﷺ پر اور مسلمانوں پر مصائب کی بارش شروع ہوگئی' یہاں تک کہ ہجرت کی اجازت دی گئی۔

ابتلا و امتحان کا دور:

جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور کفار کو خطرہ پیدا ہوا تو انہوں نے تکلیف پہنچانا اور اہل اللہ کو

⇦⇦⇦ رَسُولًا فَيُوحِيَ بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ إِنَّهُ عَلِيٌّ حَكِيمٌ۝﴾ (الشوری: ٥١)

''کسی انسان کو شایان نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ اس سے باتیں کرے' مگر ہاں اس طرح کہ وحی ہو یا فرشتہ بھیجے جو اس کے حکم سے وحی کرے' اللہ تعالیٰ بہت بڑا اور حکمت والا ہے۔''

(۲) اور جو کوئی کہے کہ محمد کل (غیب) کی بات جانتے تھے' جھوٹا ہے۔ (پھر ام المومنین نے یہ آیت پڑھی)

﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ۝﴾ (لقمان: ٣٤)

''کوئی نہیں جانتا کہ کل اس پر کیا گذرے گی؟ کوئی نہیں جانتا کہ کس سرزمین میں مرے گا؟ اللہ تعالیٰ بڑے علم والا ہے۔''

اور جو کوئی کہے کہ محمد ﷺ نے وحی میں سے کوئی چیز چھپا ڈالی' تو وہ جھوٹا ہے۔ (پھر ام المومنین نے یہ آیت پڑھی)

﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدۃ: ٦٧)

''اے رسول! جو کچھ تیرے رب نے تجھ پر نازل کیا ہے پہنچا دے' اگر تو نے ایسا نہ کیا تو سمجھا جائے گا تو نے اس کا پیغام ہی نہیں پہنچایا' اللہ تعالیٰ تجھے لوگوں کے شر سے بچائے گا' بیشک اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ہدایت نہیں دے گا۔'' (ابوزید)

ابتلا و امتحان میں ڈالنا شروع کیا‘ جب مصیبت حد سے تجاوز کر گئی تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حبش کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی اور فرمایا: ’’وہاں ایک ایسا بادشاہ ہے جس کے پاس لوگوں پر ظلم نہیں ہونے پاتا۔‘‘ چنانچہ بارہ مردوں اور چار عورتوں نے ہجرت کی‘ جن میں سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا بنت رسول اللہ اور ان کے شوہر سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ یہ لوگ حبش میں نہایت آرام سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ ایک جھوٹی خبر مشہور ہوگئی کہ قریش نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ سن کر ان لوگوں نے مکہ مکرمہ کا رخ کیا‘ قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ مسلمان ہونے کے بجائے قریش نے اور بھی زیادہ عداوت پر کمر باندھ رکھی ہے۔ اس پر بعض لوگ پھر حبش واپس گئے اور بعض مکہ مکرمہ چلے آئے‘ جہاں قریش نے انہیں بری طرح ستایا‘ ان میں ایک سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

ایذا رسانی قریش:

قریش کی ایذا رسانی روز بروز بڑھتی جاتی تھی‘ یہاں تک کہ مسلمانوں کے لئے اپنی جان بچانا مشکل ہوگیا تھا‘ آخر رسول اکرم ﷺ نے پھر ہجرت کا حکم دیا۔ اس مرتبہ ۸۳ مرد اور ۷ عورتیں حبش روانہ ہوئیں اور نجاشی کی پناہ میں بڑی آسودگی سے رہنے لگیں۔ اہل مکہ نے سنا تو وہ سخت برہم ہوئے اور عمرو بن عاص کی سرکردگی میں ایک سفارت نجاشی کے دربار میں بھیجی تاکہ ان مومنین صادقین کے خلاف اسے اکسائیں‘ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کی کوئی تدبیر نہ چلنے دی اور سفارت ناکام لوٹ آئی۔ اس ذلت سے انہیں اور بھی زیادہ اشتعال ہوا‘ اب وہ ہر طرح کی تکالیف پہنچانے لگے‘ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ مجبور ہوئے کہ اہل وعیال سمیت ایک پہاڑی گھاٹی ’’شعب ابی طالب‘‘ میں جا کر پناہ لیں‘ چنانچہ آپ اس گھاٹی میں تین سال تک محصور رہے۔ (بعض کے مطابق دو سال) اور کوئی ایسی تکلیف نہ تھی جو آپ ﷺ نے اور اہل بیت نے برداشت نہ کی ہو۔ محاصرہ اٹھنے کے وقت سن مبارک ۴۹ برس کا تھا۔ (اور ایک قول کے مطابق ۴۸ سال کا تھا)۔

اہل طائف کی سنگدلی:

اس واقعہ کے چند ہی ماہ بعد آپ ﷺ کے مہربان چچا ابو طالب کا انتقال ہوا‘ پھر اس کے کچھ

ہی دنوں کے بعد ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات واقع ہوئی۔ ان دو واقعات کے بعد کفار کے حوصلے اور بھی بڑھ گئے اور انہوں نے دل کھول کر آپ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ آخر تنگ آ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ طائف تشریف لے گئے' جہاں چند دن قیام رہا اور پیغام حق سنایا مگر ایک متنفس (آدمی) نے بھی لبیک نہ کہا اور یہ لوگ اہل مکہ سے زیادہ سنگدل ثابت ہوئے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ رہے تھے تو طائف والوں نے راستہ میں دونوں طرف دو صفیں اوباشوں' لڑکوں' جوانوں کی کھڑی کر رکھی تھیں جو پتھر مارتی تھیں' آپ کے پاؤں اس قدر زخمی ہو گئے تھے کہ خون کی تلیاں چلنے لگی تھیں! راستہ میں عداس نصرانی سے ملاقات ہوئی' اور وہ مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی سفر میں مقام ''نخلہ'' پر نصیبین کے سات جنوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنا اور اسی سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پروردگار سے بصد زاری مناجات کی کہ:

((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُو ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيلَتِيْ))

''الٰہی! میں تجھ ہی سے اپنی بے کسی و بے چارگی کا شکوہ کرتا ہوں۔''

مکہ مکرمہ میں داخلہ سیدنا مطعم بن عدی رضی اللہ عنہ کی حمایت میں ہوا' اس کے بعد معراج ہوئی' پہلے مسجد اقصیٰ پہنچے' پھر ملاء اعلیٰ کی طرف صعود ہوا' جہاں رب العزت سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا' اور نمازیں فرض ہوئیں۔ معراج عمر بھر میں صرف ایک مرتبہ ہوئی۔ بعض کا خیال ہے کہ معراج حالت خواب میں ہوئی تھی۔ (تفصیل کے لیے بڑی کتب دیکھیں)

دین حق کی ترقی:

طائف سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر مکہ میں مقیم رہے' ہر طرف سے مصائب و آلام کا سامنا تھا' آپ کچھ سہتے تھے' مگر دعوت حق سے مونہہ نہ موڑتے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ ہر موسم حج میں قبائل کے پاس فرداً فرداً جاتے' دعوت دیتے اور فرماتے ''کون ہے جو میری حمایت کرے اور جنت لے' تاکہ میں اللہ تعالیٰ کا پیغام مخلوق تک پہنچا سکوں؟'' مگر کوئی شنوانہ ہوتا (سننے والا نہ ہوتا) لیکن جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اپنا دین غالب کرے' اپنا وعدہ پورا کرے' اپنے نبی کی مدد کرے' اپنا بول بالا کرے اور اپنے دشمنوں سے انتقام لے' تو اس کے لئے ایک غیر متوقع

سامان مہیا کر دیا۔ ایک حج میں آپ ﷺ انصار کے پڑاؤ پر تشریف لے گئے' وہ چھ آدمی تھے (بعض کے نزدیک آٹھ) عقبہ منیٰ کے پاس بیٹھے سر منڈا رہے تھے' سرورِ عالم ﷺ بھی قریب بیٹھ گئے۔ دعوتِ حق پہنچائی اور قرآن سنایا۔ ان کے دل نرم ہو گئے۔ وہ لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے اور مدینہ لوٹ گئے' یہاں وہ خاموش نہیں بیٹھے بلکہ تبلیغ و دعوت شروع کی' جس میں اللہ تعالیٰ نے بڑی کامیابی عطا فرمائی' انصار کا ایک گھر بھی باقی نہ رہا جس میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا چرچا موجود نہ ہو۔ مدینہ میں سب سے پہلی مسجد جس میں قرآن کی تلاوت ہوئی' وہ مسجد بنی زریق ہے۔

دوسرے سال موسم حج میں بارہ انصاری مکہ آئے جن میں پانچ اولین مسلمانوں میں سے تھے' انہوں نے عقبہ کے پاس رسول اللہ ﷺ سے عورتوں [1] کی بیعت کی اور واپس گئے۔ تیسرے سال ان کے ۷۳ مرد اور دو عورتیں آئیں' اور اس بات پر بیعت کی کہ رسول اللہ ﷺ کی اسی طرح حفاظت و حمایت کریں گے جس طرح اپنے اہل و عیال کی اور خود اپنی کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے انہیں میں سے بارہ نقیب مقرر کیے تھے۔

اس واقعہ کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم کو ہجرت مدینہ منورہ کی اجازت دی گئی اور وہ جوق در جوق خفیہ روانہ ہونے لگے' انصار نے بڑی آؤ بھگت کی اور مدینہ منورہ میں ہر طرف اسلام پھیل گیا۔

---

[1] عورتوں کی بیعت سے مقصود عورتوں کے شرائط پر بیعت ہے جو سورۂ ممتحنہ کی اس آیت میں بیان کی گئی ہیں:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الممتحنہ: ۱۲)

''اے نبی! (ﷺ) جب مومن عورتیں تیرے پاس اس بات پر بیعت کرنے آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گی' چوری نہیں کریں گی' زنا نہیں کریں گی' اپنی اولاد قتل نہیں کریں گی' کسی پر بہتان نہیں لگائیں گی اور نیک کام میں تیری نافرمانی نہیں کریں گی' تو ان سے بیعت لے لے اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کر کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی غفور رحیم ہے۔''

آج کل کے مسلمان غور کریں کہ کیا وہ عورتوں کے اسلام پر بھی ہیں؟ مجاہدین فی سبیل اللہ کا ایمان تو بہت دور رہا؟ (مترجم)

رسول اکرم ﷺ کی ہجرت:

دین حق کی اس قدر ترقی اور اہل مکہ کی اس قدر سختیوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے خود اپنے نبی کو بھی ہجرت کی اجازت دی' چنانچہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ سے روز دوشنبہ ماہ ربیع الاول (بعض کا قول ہے کہ ماہ صفر) کو چلے' سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان کے غلام سیدنا عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ اور رہبر عبداللہ بن الاارقیط ہمرکاب تھے۔ سفر جاری کرنے سے پہلے آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین دن تک غار حراء میں رہے' کیونکہ مشرکین تعاقب میں تھے' پھر ساحل کے راستہ سے روانہ ہوئے یہاں تک کہ مدینہ منورہ کے قریب پہنچ گئے' ۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کا دن تھا' حوالی مدینہ قبا نامی گاؤں میں ٹھہرے' خاندان عمرو بن عوف کو مہمان نوازی کی سعادت میسر آئی' ان کے ہاں ۱۴ دن قیام رہا اور مسجد قبا کی بنیاد ڈالی۔

جمعہ کے دن شہر مدینہ کا قصد کیا' نماز کا وقت بنی سالم میں ہو گیا' اترے' سب مسلمانوں کو جمع کیا' جن کی تعداد وہاں ایک سو تھی' پھر اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر آگے بڑھے' لوگ ہر طرف سے دوڑ دوڑ کر آتے اور اونٹنی کی مہار پکڑ کر مہمانی پیش کرتے' جواب ملتا ''چھوڑ دو' اسے حکم مل چکا ہے۔'' چنانچہ وہ چلتے چلتے اس مقام پر بیٹھ گئی' جہاں اب مسجد نبوی ہے۔ یہ زمین بنی نجار کے دو لڑکوں سہل وسہیل کے جانوروں کا اصطبل تھی۔ آپ ﷺ اتر پڑے اور سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے مکان میں فروکش ہوئے۔ پھر اپنی مسجد تعمیر کی' کھجور کی ڈالیوں اور کچی اینٹوں کی عمارت تھی' خود سرور عالم ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم دیواریں اٹھاتے تھے۔ مسجد کے بعد اپنا حجرہ تعمیر فرمایا' پھر قرب وجوار میں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے حجرے' جن میں آپ ﷺ سے قریب تر حجرہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا تھا۔ سات ماہ بعد سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے ہاں سے اٹھ کر آپ ﷺ اپنے گھر تشریف لے گئے۔

رسول اللہ ﷺ کی ہجرت کی خبر حبش پہنچی تو ۳۳ مہاجر مدینہ منورہ کو چلے' جن میں سے سات تو اہل مکہ کے ہاتھوں میں پکڑ کر قید ہو گئے' باقی خدمت نبوی میں پہنچ گئے۔

ہجرت کے وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک ۵۳ برس کی تھی۔

3- فصل

عام زندگی

آپ ﷺ کی اولاد:

سب سے بڑے بیٹے قاسم' پھر زینب' پھر رقیہ' پھر ام کلثوم' پھر فاطمہ' پھر عبداللہ (رضی اللہ عنہم) یہ تمام کے تمام ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے تھے' کسی اور بیوی سے اولاد نہ ہوئی' البتہ آپ ﷺ کی کنیز سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے مدینہ منورہ میں ۷ ہجری میں ابراہیم رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' لیکن بہ حالت شیر خواری ہی میں فوت ہوگئے۔ آپ ﷺ کی تمام اولاد آپ کی حیات ہی میں فوت ہوئی سوائے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جو آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد تک زندہ رہیں اور ایسے باپ کا غم دیکھنے پر مجبور ہوئیں۔

آپ ﷺ کے چچا اور پھوپھیاں:

آپ ﷺ کے چچا یہ ہیں: سید الشہداء حمزہ رضی اللہ عنہ بن عبدالمطلب' عباس رضی اللہ عنہ' ابوطالب' ابولہب' زبیر' عبدالکعبہ' مقوم' ضرار' قثم' مغیرہ' عیداق' بعض نے ''عوام'' کا بھی اضافہ کیا ہے۔ ان میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ و سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور کوئی بھی مسلمان نہ ہوا۔

آپ ﷺ کی پھوپھیاں یہ ہیں: صفیہ رضی اللہ عنہا (سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ کی والدہ) عاتکہ' برۃ' اروی' امیمۃ' ام حکیم البیضاء' سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام محقق ہے' عاتکہ کے اسلام میں اختلاف ہے' بعض نے اروی کے مسلمان ہونے کی بھی تصدیق کی ہے۔

امہات المومنین رضی اللہ عنہن:

(۱) سب سے پہلی ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا بنت خویلد القرشیہ ہیں' یہ نبوت سے پہلے آپ کی زوجیت میں آئیں' اس وقت ان کی عمر ۴۰ سال تھی' مگر ان کی زندگی بھر میں نبی ﷺ نے دوسری شادی نہیں کی' وہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں جنہوں نے باوجود عورت ہونے کے نبوت کے

بارگراں اٹھانے میں رسول اللہ ﷺ کی مدد کی' آپ ﷺ کے ساتھ مصائب برداشت کئے' اور جان ومال اس راہ میں خرچ کیا ہجرت سے تین سال قبل انتقال کیا۔

(۲) ام المومنین سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بنت زمعہ القرشیہ سے شادی کی' انہوں نے خود ہی بعد میں اپنی باری کا دن ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا۔

(۳) ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بنت سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عقد کیا۔ ۱ ہجری میں ان کی رخصتی ہوئی اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں صرف یہی ایک دوشیزہ تھیں۔ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اپنی تمام ہم عصروں میں رسول اللہ ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھیں' سب سے زیادہ ذی علم تھیں' بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم آپ سے فتوے لیتے تھے' آپ کی یہ فضیلت کیا کم ہے کہ آپ کی طہارت وبرأت پر خود قرآن نے شہادت دی ہے۔

(۴) ام المومنین سیدہ حفصہ بنت عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہما) سے شادی کی' ابوداود رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں طلاق دے دی تھی مگر پھر رجوع کر لیا تھا۔

(۵) ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت خزیمہ بن حارث القیسیہ ہیں' جو شادی سے دو ماہ بعد ہی فوت ہو گئیں۔

(۶) ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش (قبیلہ بنی اسد) سے شادی کی' یہ آپ ﷺ کی پھوپھی بہن یعنی امیمہ کی بیٹی تھیں' انہیں کے متعلق قرآن مجید میں آیت نازل ہوئی کہ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا۔ ❶ وہ اس پر فخر کیا کرتیں اور دوسری بیویوں سے کہتیں

---

❶ پوری آیت سورۂ احزاب میں اس طرح موجود ہے:

﴿فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَیْلَا یَكُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا﴾ (الاحزاب: ۳۷)

''جب زید اس سے سیر ہو گیا' ہم نے تجھ سے اس کی شادی کر دی تاکہ مومنین پر اپنے مونہہ بولے لڑکوں کی عورتوں سے شادی کرنے میں کوئی تنگی باقی نہ رہے جب کہ وہ ان سے سیر ہو جائیں بیشک اللہ تعالیٰ کے احکام ہو جانے والے ہیں۔''

عرب میں دستور تھا کہ اپنے مونہہ بولے لڑکوں یا لے پالکوں کی بیویوں سے کسی حال میں بھی نے ⇦⇦⇦

''تمہیں تمہارے ماں باپ نے بیاہا ہے' مگر میرا رشتہ خود اللہ تعالیٰ نے سات آسمانوں پر جوڑا ہے۔'' اوائل خلافتِ عمر رضی اللہ عنہ میں انتقال کیا۔

(۸) ام المومنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا بنت حارث سے شادی کی جو بنی مصطلق کے قیدیوں میں سے تھیں جو اپنا فدیہ دینے میں مدد لینے کے لئے حاضر ہوئیں' آپ نے فدیہ ادا کر دیا اور عقد کر لیا۔

(۹) ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا بنت ابی سفیان صخر بن حرب ہیں' جو عبداللہ بن جحش کی زوجیت میں تھیں' دونوں نے حبشہ ہجرت کی' شوہر نے مرتد ہو کر عیسائیت قبول کر لی' مگر وہ اسلام پر ثابت قدم رہیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو نجاشی کو ان کی شادی کے لئے لکھا' نجاشی نے خود ہی مہر ادا کیا اور شادی کر دی۔ یہ واقعہ ۷ ہجری کا ہے۔

(۱۰) ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا بنت حیی بن اخطب سے شادی ہوئی' یہ جنگ میں خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں کنیز ہو کر آئی تھیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزاد کر دیا اور اسی آزادی کو مہر قرار دے کر عقد کر لیا' جس کے بعد یہ سنت پوری امت کے لئے قائم ہو گئی کہ انسان کنیز کو آزاد کر کے اس کی آزادی کو مہر قرار دے کر اس سے شادی کر لے۔

(۱۱) ام المومنین سیدہ میمونہ رضی اللہ عنہا بنت حارث الہلالیہ سے شادی کی' یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری شادی تھی۔

⇐⇐ طلاق دے دی تو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے شادی کر لی' تاکہ یہ جاہلانہ رسم باطل ہو جائے' اسی طرح دوسری ازواج سے عقد کرنے میں بھی کوئی نہ کوئی مصلحت تھی' جیسا کہ کتب سیر میں بالتفصیل مذکور ہے' دشمنان اسلام ہمیشہ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی کثرت پر اعتراض کرتے اور اسے دوسرے جذبات پر محمول کرتے ہیں' حالانکہ اگر اس طرح کی کوئی بات ہوتی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بہتر سے بہتر عورتیں مل سکتی تھیں' آپ دوشیزاؤں کو چھوڑ کر بوڑھی عورتوں سے کیوں شادی کرتے! سوائے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اور کوئی بھی بیوی دوشیزہ نہ تھی' اور اکثر پچاس سال سے زیادہ عمر کی تھیں' پھر اگر ایسی بات ہوتی تو ہمیشہ نئے نئے بیاہ کرتے رہتے اور یہ آیت نازل نہ ہوتی کہ:

﴿لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْ بَعْدُ وَلَآ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيْبًا﴾ (الاعراف: ۵۲)

''اے نبی! تیرے واسطے اب اس کے بعد نئی عورتیں جائز نہیں' نہ موجودہ عورتوں سے بدلنا جائز ہے اگرچہ ان کا حسن تجھے لبھائے' صرف تیری کنیزیں اس سے مستثنیٰ ہیں' اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب دیکھتا ہے۔''

(ابوزید ومترجم)

آپ ﷺ کے غلام اور کنیزیں:

آپ ﷺ کے غلاموں میں سے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ کے محبوب ہیں، جنہیں آپ ﷺ نے آزاد کر دیا تھا اور اپنی کنیز سیدہ ام ایمن رضی اللہ عنہا سے شادی کر دی تھی، جن سے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ نیز یہ لوگ بھی آپ کے غلام ہیں: اسلم ابو رافع، ثوبان، ابو کبشہ سلیم، شقران صالح، رباح نوبی، یسار نوبی، مدعم، کرکرہ نوبی، انجشہ الحادی، سفینہ بن فروخ، (ان کا اصلی نام مہران تھا) رسول اکرم ﷺ نے "سفینہ" نام رکھا۔ کیونکہ سفر میں یہ اسباب اٹھا کر چلتے تھے) ابومشروح، انیسہ، افلح، عبیدہ، طہمان، حنین، سندر، فضالہ" کنیزوں میں سلمی ام رافع، میمونہ بنت سعد خضیرہ، رضوی، ریشحہ، ریحانہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

آپ ﷺ کے خدّام:

سیدنا انس بن مالک، عبداللہ بن مسعود (نعل و مسواک بردار) سیدنا عقبہ بن عامر الجہنی (آپ کا خچر سفر میں چلاتے تھے) سیدنا اسلع بن شریک (اونٹ کے محافظ) سیدنا ابوذر غفاری، سیدنا ایمن عبیدہ، سیدنا بلال بن رباح الموذن، سیدنا سعد رضی اللہ عنہم (یہ دونوں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے غلام تھے)۔

آپ ﷺ کا لباس:

آپ ﷺ کے سر پر عمامہ کبھی ٹوپی کے ساتھ ہوتا، کبھی بغیر ٹوپی کے، اور کبھی کبھی صرف ٹوپی پہنتے، عمامہ کا شملہ عموماً شانوں کے درمیان پشت پر رہتا جیسا کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا عامر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث روایت کی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو منبر پر اس حال میں دیکھا کہ سیاہ عمامہ آپ کے سر پر تھا اور اس کا شملہ پشت پر پڑا تھا۔ لیکن سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث (مسلم) میں شملہ کا ذکر نہیں ہے، صرف اس قدر ہے کہ رسول اکرم ﷺ مکہ مکرمہ میں سیاہ عمامہ باندھے داخل ہوئے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شملہ ہمیشہ نہیں چھوڑتے تھے۔

جسم مبارک پر کرتا ہوتا تھا جو نہایت پسند خاطر تھا، اس کی آستین صرف ہاتھ کے گٹوں تک ہوتی تھیں، تنگ آستینوں اور دامنوں کا جبہ، قبا، تہبند، چادر اور بعض دوسرے قسم کے لباس بھی

استعمال فرمائے ہیں۔

حلہ سرخ بھی پہنا ہے' حلہ دو کپڑوں سے مرکب ہوتا ہے: تہبند اور چادر۔ سرخ سے یہ مطلب نہیں کہ لال رنگ کا ہوتا تھا' بلکہ حلہ یمانی نام ہی ایسے کپڑے کا تھا جو سرخ و سیاہ دھاگوں کو ملا کر بنا جاتا تھا' اس کا رنگ اگرچہ سرخ نہ ہوتا تھا لیکن کہلاتا سرخ ہی تھا' خالص سرخ رنگ کا کپڑا پہننے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے حتیٰ کہ گھوڑے پر سرخ رنگ کا زین رکھنے سے بھی روکا ہے۔ (بخاری)

ابوداؤد رحمہ اللہ نے سیدنا عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے انہیں اصفر (زرد رنگ) سے ہلکا رنگا ہوا کپڑا پہنے دیکھا تو فرمایا: ''یہ تو نے کیسا کپڑا پہنا ہوا ہے؟'' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں' میں سمجھ گیا کہ آپ ﷺ نے ناپسند فرمایا ہے' چنانچہ میں فوراً گھر آیا' تنور جل رہا تھا' میں نے کپڑا اس میں جھونک دیا' پھر جب دوسرے دن حاضر ہوا تو آپ فرمانے لگے کہ اے ''عبداللہ! کپڑے کی کیا خبر ہے؟'' میں نے واقعہ بیان کیا' تو آپ فرمانے لگے کہ تم نے وہ کپڑا'' اپنی بیوی کو کیوں نہ دے دیا؟ کیونکہ عورتوں کے لئے اس کے پہننے میں کوئی حرج نہیں۔''

سیاہ رنگ کا کپڑا بھی پہنا ہے اور فروہ [1] بھی کہ جس کے کناروں پر ریشمی گوٹ لگی تھی پہنا ہے جیسا کہ امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ خف (چرمی موزے) اور جوتا پہنا ہے۔ صحیح مسلم میں سیدہ اسماء بنت سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک طیالسی خسروانی (کپڑے کی ایک قسم ہے) جبہ نکالا جو دیباج کی طرح نرم تھا' اور جس میں ریشمی گوٹ لگی ہوئی تھی' پھر فرمایا ''یہ رسول اللہ ﷺ کا جبہ ہے' جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا۔ ام المومنین کے انتقال پر میں نے ان سے لے لیا' رسول اکرم ﷺ اسے پہنا کرتے تھے۔''

آپ ﷺ کا کرتہ سوت کا ہوتا' طول میں کم اور آستینیں تنگ اور چھوٹی ہوتی تھیں' یہ لمبی چوڑی تھیلیوں کی طرح کشادہ آستینیں نہ تو کبھی رسول اللہ ﷺ کے لباس میں ہوئیں نہ کسی صحابی رضی اللہ عنہ کے۔ ان کا استعمال قطعاً خلاف سنت ہے بلکہ جواز میں بھی شبہ ہے' کیونکہ وہ منجملہ اس لباس کے ہیں جن سے غرور پیدا ہوتا ہے۔

---

[1] یعنی پوستین۔

سفید رنگ کا کپڑا نبی ﷺ کو بہت مرغوب تھا' چنانچہ فرمایا ہے "سفید کپڑا سب سے بہتر کپڑا ہے' خود پہنو اور مُردوں کو اس میں کفناؤ۔"

لباس کے بارہ میں آپ ﷺ کی سنت یہ تھی کہ جس قسم کا کپڑا میسر آ جاتا' پہن لیتے' کسی خاص صفت پر اصرار نہ تھا' چنانچہ اونی' سوتی' کتانی' ہر قسم کے کپڑے پہنتے' الا یہ کہ کوئی خاص عذر مانع ہوتا تو اجتناب کرتے۔ مثلاً ایک مرتبہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کے لیے اونی جبہ تیار کیا' آپ نے پہن لیا' لیکن جب پسینہ نکلا اور اون میں بدبو پیدا ہوئی تو آپ نے اسے فوراً اتار دیا۔

آپ ﷺ اچھے سے اچھا کپڑا بھی استعمال کرتے اور معمولی سے معمولی بھی' حتیٰ کہ پیوند تک لگا لیتے۔ ابوداؤد میں سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے جسم مبارک پر بہتر لباس دیکھا ہے۔

پس جو لوگ زہد و عبادت کے خیال سے اچھے کپڑے اور اچھے کھانے کو منع کرتے ہیں' یا جو لوگ موٹے جھوٹے کھانے اور کپڑے کو غرور سے ناپسند کرتے ہیں' تو یہ دونوں کے دونوں سنت نبوی سے منحرف ہیں کیونکہ سنت نبوی میں ہر بات اعتدال پر مبنی ہے' افراط و تفریط کا وہاں گذر نہیں' اسی بنا پر علماء سلف نے حد سے زیادہ قیمتی اور حد سے زیادہ معمولی کپڑے کے استعمال کو ناپسند کیا ہے' کیونکہ دونوں لباس شہرت میں داخل ہیں۔

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی دنیا میں لباس شہرت [1] اختیار کرے گا' تو آخرت میں اللہ تعالیٰ اسے ذلت و خواری کا لباس پہنائے گا جس کے شعلوں میں وہ دوزخ کے اندر (جلے) بھینکے گا۔" صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کسی نے غرور سے اپنے لباس کے دامن دراز کیے' قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کی طرف

---

[1] "لباس شہرت" سے ہر وہ لباس مراد ہے جو نظروں کو متوجہ کرنے والا' دلوں پر اثر ڈالنے والا اور صاحب لباس کے لئے عظمت و بزرگی قائم کرنے والا ہو' عام اس سے کہ دنیا داروں کا لباس ہو یا مذہبی پیشواؤں کا' اس وقت جو خاص لباس صوفیاء اور پرانے مولویوں میں رائج ہے وہ بھی لباس شہرت میں داخل ہے' کیونکہ اس میں وہ تمام باتیں پائی جاتی ہیں جو لباس شہرت میں ہوتی ہیں۔ (مترجم)

نہ دیکھے گا۔"

اس بارہ میں کوئی خاص اصول نہیں بنایا جا سکتا' مختلف حالات میں مختلف لباس مناسب ہوتا ہے' چنانچہ شہرت و تکبر کے خیال سے ادنیٰ درجہ کا لباس بھی مذموم ہوتا ہے اور اعلیٰ سے اعلیٰ لباس بھی حمد و شکر کی نیت سے محمود ہو جاتا ہے۔

لیکن اس باب میں ہم صحیح مسلم کی حدیث کو اصل قرار دے سکتے ہیں جس میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "جس کسی کے قلب میں ایک ذرہ بھی غرور کا ہوگا' تو وہ بہشت میں داخل نہ ہوگا' اور جس کے دل میں ایک ذرہ بھی ایمان کا ہوگا وہ جہنم میں نہ جائے گا۔" اس پر ایک شخص نے عرض کیا: لیکن اے اللہ کے رسول! میری خواہش ہمیشہ یہی ہوتی ہے کہ میرا کپڑا اچھا ہو اور جوتا اچھا ہو' کیا یہ بھی غرور ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: نہیں! اللہ تعالیٰ جمیل ہے' جمال کو پسند کرتا ہے! غرور' حق کا ٹھکرانا اور مخلوق کی تحقیر ہے۔"

اکل و شرب:

اکل و شرب میں سنت نبوی یہ تھی کہ جو کھانا موجود ہوتا' اسی پر اکتفا کرتے' نہ موجود کو رد کرتے اور نہ ہی غیر موجود کے لئے اہتمام فرماتے۔ طیبات میں سے جو کچھ بھی پیش کر دیا جاتا' تناول فرما لیتے' الا یہ کہ طبیعت کراہت کرتی تو ہاتھ اٹھا لیتے' مگر نہ تو اس کی مذمت کرتے اور نہ ہی اسے حرام قرار دیتے۔ آپ ﷺ نے کبھی کسی کھانے کی مذمت نہیں کی' جو مرغوب ہوا کھا لیا' ورنہ خاموشی کے ساتھ چھوڑ دیا' جیسا کہ گوہ کے معاملہ میں ہوا کہ اسے کبھی نہ کھایا تھا اس لئے تناول سے اجتناب کیا' لیکن امت پر حرام نہ کیا' بلکہ خود آپ ﷺ کے دستر خوان پر لوگوں نے اسے کھایا اور آپ ﷺ دیکھتے رہے۔ [1]

بارہا ایسا ہوا کہ گھر میں بالکل کھانا نہ رہا' مگر آپ ﷺ نے نہ تو کسی سے مانگا' نہ شکایت کی بلکہ صبر و شکر کئے رہے' بسا اوقات بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر تک باندھ لئے ہیں اور تین تین دن بغیر غذا کے بھوکے رہے ہیں مگر اف تک نہیں کی۔ سفر میں کھانا عموماً زمین پر رکھا جاتا۔ اللہ تعالیٰ کے اس وسیع فرش سے دستر خوان کا کام لیتے تھے۔

---

[1] یہ واقعہ سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہے۔

پانی ہمیشہ بیٹھ کر پیتے لیکن کھڑے کھڑے پینا بھی ثابت ہے' چنانچہ ایک مرتبہ چاہ زمزم پر تشریف لائے' لوگ پانی پی رہے تھے' آپ ﷺ نے بھی پانی طلب فرمایا: ڈول بڑھا دیا گیا اور آپ ﷺ نے بے تکلفی سے کھڑے کھڑے ہی پی لیا۔ ایک سانس میں پانی پینے یا برتن کے اندر سانس لینے سے منع کیا ہے' فرمایا: ''پانی پیو' تو چوس کر پیو۔'' اور فرمایا: ''پانی پیتے ہوئے برتن میں سانس مت لو' بلکہ برتن ہٹا کر سانس لے لو۔''

صحیح مسلم میں ہے کہ جب آپ ﷺ پانی پیتے تو پیالہ مونہہ سے ہٹا کر تین مرتبہ سانس لیتے اور فرماتے: ''اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور مفید ہے۔'' ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ایک سانس میں پانی نہ پیو' بلکہ دو اور تین دفعہ کر کے پیو! بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع کرو اور جب پی چکو تو اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرو۔'' کھانے میں بھی نبی ﷺ کا یہی دستور تھا کہ بِسْمِ اللّٰهِ سے شروع کرتے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر ختم کرتے۔ نبی ﷺ پانی پی چکتے اور برتن میں کچھ رہ جاتا تو دائیں طرف والے کو دے دیتے اگرچہ بائیں طرف پر زیادہ سن رسیدہ لوگ موجود ہوتے۔

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ برتاؤ:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے حدیث صحیح میں روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''تمہاری اس دنیا میں سے میرے لئے عورتیں اور خوشبو پسندیدہ بنا دی گئی ہیں' لیکن نماز میں میری دلی مسرت ہے۔'' تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ شب باشی' رہن سہن اور نان نفقہ میں برابر کا سلوک کرتے' رہی محبت میں کمی بیشی' تو وہ انسان کے بس کی چیز نہیں' اسی لئے اکثر فرمایا کرتے: ''الٰہی جو کچھ میرے اختیار میں ہے اس میں میں برابر کا سلوک کرتا ہوں' لیکن جو میرے بس میں نہیں اس پر مجھے ملامت نہ فرمانا!'' آپ ﷺ نے طلاق بھی دی ہے' رجوع بھی کیا ہے' اور ایک مہینہ کے لئے ایلاء ❶ بھی کیا ہے لیکن ظہار ❷ کبھی نہیں کیا۔

تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ساتھ نہایت ہی اچھا برتاؤ تھا اور ہمیشہ خوش خلقی سے پیش آتے' ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کم عمر تھیں' اس لئے انصاری لڑکیاں کھیلنے کے لئے بلا دیتے'

❶، ❷ ان دونوں لفظوں کے معنی آگے بیان ہوں گے۔

اگر وہ کسی ایسی بات کے لئے ضد کرتیں جو نامناسب نہ ہوتی تو فوراً پوری کر دیتے' محبت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ پانی پیتیں تو برتن میں ٹھیک اسی جگہ پر لب مبارک لگا کر باقی پانی خود نوش فرما لیتے جہاں ان کے لب لگے ہوتے! اکثر ان کی گود میں ٹیک لگاتے' اگر وہ ایام سے ہوتی تو بھی ان کے زانو پر سر رکھ کے لیٹے رہتے اور قرآن پڑھتے' روزہ کی حالت میں انہیں پیار بھی کرتے۔

ایک مرتبہ مسجد میں حبشی تماشہ کر رہے تھے' آپ ﷺ نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اس طرح دکھایا کہ وہ آپ ﷺ کے شانوں پر جھکی کھڑی تھیں۔ دو دفعہ سفر میں مذاقاً ان سے دوڑ بھی کی ہے اور ایک دفعہ گھر سے نکلتے ہوئے دروازہ میں ان سے کشمکش بھی ہوئی ہے۔

قاعدہ تھا کہ سفر میں جانے لگتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں قرعہ ڈالتے' جس کا نام نکل آتا' اسی کو ہمراہ لے جاتے۔ حاضرین سے کبھی کبھی فرمایا کرتے ''سب سے اچھا آدمی وہی ہے جو اپنے اہل کے ساتھ اچھا ہو' اور میں اپنے اہل کے ساتھ تم سب سے زیادہ اچھا ہوں۔'' دوسری ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی موجودگی میں کبھی کسی ایک کی طرف ہاتھ بھی بڑھاتے۔ عموماً نماز عصر کے بعد تمام بیویوں کے ہاں ان کے حجرہ میں جاتے اور حالات معلوم کرتے۔ جب رات ہو جاتی تو اس بیوی کے گھر تشریف لے جاتے جس کی باری ہوتی' اس بارہ میں کسی کو کسی پر کوئی ترجیح نہ تھی' خود ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنے جانے اور رہنے سہنے میں ہم میں سے آپ ﷺ کسی کو کسی پر ترجیح نہ دیتے۔

نو بیویوں میں سے آٹھ کی باری ہوتی تھی' کیونکہ ام المومنین سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کبرسنی کی وجہ سے اپنی باری ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دی تھی' اس لئے ان کے ہاں دو رات رہتے تھے اور باقی سب کے ہاں ایک ایک رات۔ اول اور آخر شب جب چاہتے مقاربت کرتے' اگر اول شب ہوتی تو کبھی غسل کر کے سوتے اور کبھی صرف وضو پر اکتفا کرتے' کبھی ایک غسل سے تمام ازواج کے ہاں جاتے اور کبھی ہر ایک کے ہاں الگ الگ غسل کرتے۔ جب کبھی سفر سے رات کو لوٹتے تو اس رات ازواج کے گھر نہ جاتے' اور دوسروں کو بھی ایسا کرنے سے منع فرماتے۔ [1]

[1] یہ اس لئے تاکہ عورت کو اپنی تیاری کا موقع مل جائے' رات کو اچانک شوہر کے پہنچ جانے سے عورت کو کلفت ہوتی ہے۔ (مترجم)

سواری:

آپ ﷺ کی سواری میں گھوڑے، اونٹ، خچر اور گدھے رہے ہیں، کبھی زین کے ساتھ سوار ہوتے تو کبھی ننگی پیٹھ پر، اکثر تنہا بیٹھتے، لیکن کبھی آگے یا پیچھے کسی اور کو بھی شریک کر لیتے، عموماً مردوں کو بٹھاتے، کبھی کبھی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کو لے لیتے، سواری زیادہ تر گھوڑے اور اونٹ کی تھی، خچر کا وجود عرب میں کم تھا، اسی لئے جب ایک خچر بطور تحفہ کے آیا اور لوگوں نے عرض کی کہ کیوں نہ گھوڑے اور گدھے سے نسل لی جائے، تو جواب میں فرمایا کہ "یہ فعل جاہلوں کا ہے۔"

ہتھیار اور گھر گرستی:

آپ ﷺ کے پاس نو تلواریں تھیں، جن میں سب سے زیادہ مشہور "ذوالفقار" تھی، یہ نہایت محبوب تھی، ہمیشہ ساتھ رہتی تھی، اس پر جا بجا چاندی چڑھی ہوئی تھی، سات زرہیں تھیں، چند ڈھالیں تھیں، جن میں ایک کا نام "فتق" اور دوسری کا "زلوق" تھا۔ پانچ نیزے تھے۔ تین لوہے کی چھڑیاں (حربے) تھیں، جن میں سے کوئی ایک اکثر ساتھ رہتی تھی، کبھی اسے خود ہاتھ میں لے کر نکلتے اور عید کے مواقع پر کوئی دوسرا لے کر آگے آگے چلتا اور کبھی بطور سترہ کے سامنے نصب کر کے نماز پڑھتے۔ دو خود تھے، ایک کا نام "موشح" رکھا تھا اور دوسرے کا "مسبوغ"، تین جبے تھے، جنہیں جنگ کے موقعوں پر زیب تن فرماتے، کہا گیا ہے کہ ان میں سے ایک جبہ مہین سبز کپڑے کا تھا۔ متعدد زرد، سیاہ، اور سفید جھنڈے تھے۔ ایک چھوٹا سا خیمہ بھی تھا، جس کا نام "کن" تھا۔ ایک خمیدہ جریب تھی جسے لے کر چلتے، اس پر سہارا دے کر اونٹ پر سوار ہوتے اور اونٹ پر سامنے لٹکا دیتے تھے۔ دو پیالے تھے، ایک میں چاندی کی زنجیر لگی ہوئی تھی، دوسرا شیشہ کا تھا۔ ایک تیل دانی تھی، ایک تھیلی تھی جس میں آئینہ، کنگھا، قینچی اور مسواک رہتی تھی۔ بستر چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے۔ چارپائی کے پائے لکڑی کے تھے۔ ایک بہت بڑا کونڈا تھا، جس کا نام "غراء" تھا، اس میں چار کنڈے لگے ہوئے تھے اور چار آدمی مل کر اٹھاتے تھے۔ ایک فرش تھا، ایک لکڑی کا برتن تھا جو چارپائی کے نیچے رکھ دیا جاتا تھا اور آپ ﷺ اس میں رات کو پیشاب کرتے تھے۔

ان چیزوں کے علاوہ آپ ﷺ کی ملکیت میں سو بکریاں تھیں، جن کی تعداد اس سے زیادہ بڑھنے نہ دیتے، جب کوئی زیادہ بچہ پیدا ہوتا' ایک بکری ذبح کر ڈالتے' جنگ بدر میں آپ ﷺ کو مال غنیمت میں ابوجہل کا یمنی اونٹ حاصل ہوا تھا' جس کی ناک میں چاندی کی گھنڈی لٹکی ہوئی تھی' حدیبیہ کے موقع پر اسی کو قربانی کے لئے مکہ بھیجا تھا تاکہ مشرکین جلیں۔

صفائی:

ہر کام میں یہی پسند تھا کہ داہنی طرف سے شروع ہو' جوتا پہننا' کنگھی کرنا' غسل کرنا' دینا لینا' سب کچھ دائیں طرف سے شروع ہوتا تھا۔ اسی طرح دایاں ہاتھ کھانے پینے اور دوسرے کاموں کے لئے تھا' بایاں صرف استنجا اور کثافتوں کے دور کرنے کے لئے تھا۔

حجامت:

حجامت کے بارہ میں سنت یہ تھی کہ یا تو پورا سر منڈا دیا جائے یا بالکل نہ مونڈا[1] جائے۔ آپ ﷺ مونچھ[2] ترشواتے تھے' ترمذی کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: ''جو مونچھ نہیں کٹاتا وہ ہم میں سے نہیں۔'' صحیح مسلم میں ہے: ''مونچھیں ترشواؤ' ڈاڑھیاں[3] بڑھاؤ' اس طرح مجوسیوں کی مخالفت کرو' صحیحین میں ہے کہ ''مشرکین کی مخالفت کرو' ڈاڑھیاں بڑھاؤ' اور مونچھیں کم کرو۔''

---

[1] آپ ﷺ نے عمر بھر صرف ایک مرتبہ سر منڈایا ہے اور وہ بھی حج کے موقع پر ورنہ آپ کے سر پر ہمیشہ بال رہتے تھے اور جب کاندھوں تک دراز ہو جاتے تو ترشوا کر کانوں کی لو تک کر دیتے تھے۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ سنت سر پر بال رکھنا ہے' نہ منڈانا جیسا کہ جاہلوں میں مشہور ہو گیا ہے۔ علاوہ اس کے ذوق بھی یہی چاہتا ہے کہ سر پر بال ہوں' سر منڈا سر نہایت برا معلوم ہوتا ہے' انبیاء ﷺ کا طریقہ سب سے زیادہ صحیح ہوتا ہے' اسی لئے ان کے طریقوں میں کوئی ایسی چیز نہیں جسے ذوق سلیم ناپسند کرے۔ (مترجم)

[2] بہت سے لوگ مونچھیں بالکل منڈا دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اتباع سنت کر رہے ہیں' حالانکہ سنت میں کہیں بھی مونچھ منڈانا نہیں' بلکہ بعض ائمہ رحمہم اللہ نے تو ایسے لوگوں کی تعزیر کا حکم دیا ہے' کیونکہ وہ مونچھیں صاف کر کے اپنے چہروں کو بگاڑتے اور اللہ تعالیٰ کی صنعت کو بدنما بناتے ہیں اور واقعہ میں درست بھی ہے' کیونکہ لمبی ڈاڑھی کے ساتھ منڈی ہوئی مونچھیں چہرہ کو اس قدر ہیبت بنا دیتی ہیں کہ بمشکل انسان اپنی نفرت چھپا سکتا ہے۔ (مترجم)

[3] ڈاڑھی کی درازی کے متعلق سنت میں کوئی تحدید نہیں ''ایک مشت اور انگل'' کی ناپ جو مشہور ہو گئی ہے' سنت میں اس کا کہیں ذکر نہیں' درحقیقت یہ چیز بھی انسان کے ذوق سے تعلق رکھتی ہے اور کسی تحدیدی حکم کی محتاج نہیں' کیونکہ ہر انسان اگر ذوق سلیم رکھتا ہے تو جانتا ہے کہ کتنی بڑی ڈاڑھی اس کے چہرہ اور قد کے لئے ⇦⇦⇦⇦

خوشبو:

رسول اکرم ﷺ کو خوشبو بہت پسند تھی اور آپ اس کا استعمال بکثرت کرتے تھے' حتیٰ کہ بقول ایک جماعت علماء کے خوشبو کی کثرت استعمال سے آپ ﷺ کے بال سرخ ہو گئے تھے اور شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہندی کا خضاب کیا گیا ہے۔

سیدنا جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے فرق مبارک میں سفید بال تھے؟ جواب دیا صرف چند بال مانگ پر سفید ہو گئے تھے مگر جب تیل لگا لیتے تو وہ چکنائی میں چھپ جاتے تھے۔

بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ کبھی خوشبو واپس نہ کرتے۔ مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی کو پھول پیش کیا جائے' تو اسے چاہیے کہ وہ رد نہ کرے کیونکہ وہ اٹھانے میں ہلکا اور سونگھنے میں خوشگوار ہے۔''

گھروں کی صفائی:

بزار نے مسند میں روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ طیب ہے' طیب کو پسند کرتا ہے' صاف ہے' صفائی کو پسند کرتا ہے' سخی ہے سخاوت کو پسند کرتا ہے' اپنے گھروں اور صحنوں کو صاف ستھرا رکھو اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو گھروں میں ہی کوڑا کرکٹ کے ڈھیر رکھتے ہیں۔''

حدیث میں ہے کہ ''ہر مسلمان پر اللہ تعالیٰ کا یہ حق ہے کہ ہر ساتویں دن ضرور غسل کرے' اور خوشبو میسر ہو تو استعمال کرے۔''

⇦⇦⇦ مناسب ہوگی' تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کی ڈاڑھیاں برابر تھیں اور نہ کوئی خاص ناپ تھی جس سے ڈاڑھیاں ناپی جاتی ہوں' لہٰذا اس معاملہ میں زیادہ اصرار نہیں کرنا چاہیے اور لوگوں کو ان کے ذوق پر چھوڑ دینا چاہیے۔ اسی سلسلہ میں ایک اور بات بھی قابل ذکر ہے' بہت سے لوگ خط بنواتے ہیں' یعنی رخسار' ہونٹ اور گلے کے بال منڈاتے ہیں جو بلاشک ''ڈاڑھی'' کے اندر داخل ہیں' یہ طریقہ بھی مسنون نہیں' معلوم نہیں یہ رسم کیونکر پھیل گئی؟ حالانکہ اس سے بھی چہرہ بدنما ہو جاتا ہے' اسی طرح گدی پر کے بال منڈانے سے بھی بدنمائی پیدا ہوتی ہے' مسلمان کے لئے زیبا نہیں کہ اپنی صورت بگاڑے' اللہ تعالیٰ جو خود جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔'' ہرگز بدوضعی اور بدہیئتی سے خوش نہیں ہوتا۔ (مترجم)

مسواک:

آپ ﷺ کو مسواک بھی بہت مرغوب تھی' روزہ سے ہوں یا بغیر روزہ کے جب بیدار ہوتے' یا وضو کرتے' یا نماز کے لئے کھڑے ہوتے یا گھر میں جانے لگتے تو مسواک ضرور کرتے۔

صحیحین میں ہے کہ: ''اگر مجھے امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز پر مسواک کرنے کا حکم دیتا۔'' بخاری میں (تعلیقاً) ہے ''مسواک مونہہ کی صفائی اور پروردگار کی خوشنودی ہے۔''

مسواک کے بارہ میں بکثرت احادیث وارد ہوئی ہیں' قطع نظر اس کے اس میں بے شمار فوائد بھی ہیں' وہ مونہہ کو صاف کرتی ہے' مسوڑھے مضبوط کرتی ہے' دانتوں کے خلا اور سوراخوں کو دور کرتی ہے' قرأۃ قرآن اور ذکر الٰہی کی ترغیب دیتی ہے۔

مسواک ہر حال میں مستحسن ہے خصوصاً وضو اور نماز کے وقت تو ضروری قرار دی گئی ہے' مونہہ کی بدبو کا زائل کرنا ہر وقت اور ہر شخص کے لئے ضروری ہے' عام اس سے کہ روزہ سے ہو یا بغیر روزہ کے' روزہ دار کے لئے تو مسواک اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ خالی معدہ کی وجہ سے اس کے مونہہ میں بو زیادہ ہو جاتی ہے اور خود رسول اکرم ﷺ کا بھی اس پر عمل تھا۔

روزہ اور مسواک:

چنانچہ سنن میں سیدنا عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو روزہ کی حالت میں بے شمار مرتبہ مسواک کرتے دیکھا ہے۔ البتہ بخاری رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ روزہ دار کو دن کے اول اور آخر حصہ میں مسواک نہ کرنا چاہیے۔

لیکن تمام امت کا اجماع ہے کہ روزہ دار جب چاہے کلی کر سکتا ہے' حالانکہ کلی مسواک سے زیادہ دہن (مونہہ کے اندرونی حصہ) کو تری پہنچاتی ہے' بدبو سے روزہ دار کا ثواب نہیں بڑھتا' اللہ تعالیٰ کو کیا پڑی ہے کہ لوگ بدبودار مونہہ لے کر اس کی عبادت کریں؟

بلاشبہ حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو روزہ دار کے مونہہ کی بو بھلی معلوم ہوتی ہے' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ قصداً مونہہ میں بو باقی رکھی جائے' یہ تو صرف روزہ کی ترغیب کے لئے فرمایا گیا ہے اور یہ قیامت کے دن ہوگا نہ کہ دنیا میں۔ قیامت میں روزہ دار کے مونہہ کی بو اسی طرح مشک سے بہتر ہوگی جس طرح اس دن مجاہد کے زخموں کا خون رنگ میں تو خون کی طرح لال ہوگا' مگر

اپنی بو میں مشک کی طرح ہوگا‘ حالانکہ سب کا اس پر اتفاق ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں مجاہد کو اپنے جسم سے خون ضرور دور کرنا چاہیے‘ یہی حال روزہ دار کے دہن کی بو کا بھی ہے۔ پھر مسواک سے روزہ کی اصلی بو دور بھی نہیں ہوسکتی‘ جب تک معدہ خالی ہے بو ضرور باقی رہے گی‘ بلکہ اس سے مقصود صرف یہ ہے کہ دانتوں اور مسوڑھوں کی کثافت دور ہو جائے اور مونہہ سے بو نہ اڑے۔ علاوہ ازیں یہ بھی ملحوظ رہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہ تمام باتیں امت کو بتادی ہیں جن سے روزہ مکروہ ہوتا ہے‘ مگر مسواک کا ان میں کہیں ذکر نہیں‘ حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ لوگ مسواک کرتے ہیں اور کریں گے اور خود آپ ﷺ بہت زیادہ وسیع الفاظ میں اس کے استعمال کی ترغیب دلایا کرتے تھے لیکن آپ ﷺ نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ روزہ میں مسواک اس وقت نہیں‘ اس وقت کرو۔ ❶

قضائے حاجت:

جب قضائے حاجت کے لئے جاتے تو فرماتے:

---

❶ اس بیان سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو صفائی کا کتنا خیال تھا‘ اب مسلمان سوچیں کہ ان کی حالت کیا ہے؟ کہا جاسکتا ہے کہ بحیثیت مجموعی موجودہ دور میں مسلمان شاید دنیا کی کثیف ترین قوم ہیں۔ عوام سے زیادہ علماء کرام کو صفائی کی جانب توجہ کرنا چاہیے۔ طہارت کے معنی صرف یہ نہیں کہ انسان صحیح طور پر استنجا کر لیا کرے یا غسل جنابت میں دو لوٹے اوپر انڈیل لے بلکہ طہارت سے مقصود جسم اور لباس کی میل کچیل اور بو سے پاکی ہے‘ جس کی وجہ سے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم میں بہت کمی ہے مسلمانوں کی مجلس اور مساجد میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ لوگ اس حالت کے ساتھ جمع ہوتے ہیں کہ ان کے کپڑوں سے سخت تعفن آتی ہے‘ اکثر مسلمان جمعہ سے پہلے غسل ہی نہیں کرتے اور نہ کپڑے بدلتے ہیں‘ اگرچہ کتنے ہی میلے ہو جائیں۔ اسی کثافت کا نتیجہ ہے کہ ہمارا دل و دماغ بھی کثیف اور سست ہو گیا ہے اور اگلی سی نشاط و ہمت باقی نہیں‘ مسواک کا بیان پڑھ چکے ہو‘ مگر ہماری حالت کیا ہے؟ بہت سے لوگ بالکل دانت صاف ہی نہیں کرتے‘ بہت سے اوپر اوپر مسواک کر لیتے ہیں‘ مونہہ کے اندر صفائی کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مونہہ سے سخت تعفن آتی ہے اور ساتھ بیٹھنے والا پریشان ہو جاتا ہے۔ خصوصاً مساجد میں جبکہ صف بندی ہوتی ہے اور لوگ بے پروائی سے جمائیاں لیتے ہوتے ہیں تو اس قدر بو پھیلتی ہے کہ سانس لینا دشوار ہو جاتا ہے۔ جب ہمارے مونہہ اور جسم کی یہ حالت ہے تو مکانوں کی صفائی کا سوال ہی فضول ہے‘ کتنے مسلمانوں کے مکان ان یہودیوں کے سے نہیں‘ جن کے مثل ہونے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے۔ (مترجم)

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخُبَائِثِ الرِّجْسِ النَّجِسِ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ))

''الٰہی! مجھے اپنی پناہ میں رکھ خبث سے خبائث سے' نجس شیطان رجیم سے۔''

جب فارغ ہو کر لوٹتے تو فرماتے: غُفْرَانَکَ ''تیری مغفرت مطلوب ہے۔''

کبھی پانی سے استنجا کرتے' کبھی پتھر (مٹی کے ڈھیلے) سے اور کبھی دونوں سے' جب سفر میں ہوتے تو قضائے حاجت کے لئے دور چلے جاتے' یہاں تک کہ نظروں سے اوجھل ہو جاتے' کبھی کوئی آڑ سامنے رکھ لیتے' کبھی جھاڑیوں اور درختوں کی آڑ میں بیٹھتے' اگر سخت زمین پر پیشاب کرنا ہوتا تو چھینٹیں اڑنے کے خوف سے پہلے کسی لکڑی سے کرید کر زمین نرم کر لیتے۔

نبی ﷺ عموماً بیٹھ کر پیشاب کرتے' لیکن امام مسلم رحمہ اللہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے کھڑے بھی پیشاب کیا ہے' مگر یہ صرف ایک مرتبہ کا واقعہ ہے جب کہ ایک گڑھے کی طرف سے گذرے اور جگہ کے بے موقع ہونے کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیشاب کرنے پر مجبور ہوئے۔ نبی ﷺ بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد بھی قرآن پڑھتے تھے۔

استنجا ہمیشہ بائیں ہاتھ سے کرتے تھے اور ان باتوں میں سے کوئی بات بھی نہ کرتے تھے جو عموماً شکی لوگ کیا کرتے ہیں۔[1] پیشاب کرتے ہوئے سلام کا جواب نہیں دیتے تھے۔

صحیح مسلم میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قصہ مذکور ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے

---

[1] اس بارہ میں متداول کتب فقہ میں بڑی بڑی مباحث لکھی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی شرائط بیان کی گئی ہیں جن کے بغیر بقول ان کے استنجا درست نہیں ہوتا' پھر ان لوگوں نے جو خود کو پرہیز گار کہتے ہیں عجیب عجیب طریقے اس کے لئے اختیار کر رکھے ہیں جنہیں کبھی ''احتیاط'' کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اور کبھی لازمہ طہارت قرار دیتے ہیں' اور جو ان کی پیروی نہ کرے' اسے غیر متقی یا مذہب سے بے پرواہ سمجھتے ہیں' حالانکہ سنت نبوی میں ان کے ان توہمات کا کہیں پتہ نہیں' پھر سب سے زیادہ عجیب بات ہیئت استنجا میں ہے جو ڈھیلا کرنے والوں نے ضروری قرار دے رکھی ہے یہ لوگ ڈھیلا لے کر دیر تک ٹہلتے ہیں' کھنکھارتے ہیں' ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھ کے آگے جھکتے ہیں اور اپنے شرمناک منظر کے ساتھ بلا کسی حیا کے راستوں' بازاروں اور مساجد میں دیکھے جاتے ہیں حالانکہ ان کا یہ طریقہ سخت شرمناک اور مذموم ہے' جلد سے جلد اس کا ازالہ ہونا چاہیے کیونکہ اس سے دوسروں کو استہزاء بالدین کا موقع ملتا ہے۔ (مترجم)

تھے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ ادھر سے گذرے انہوں نے سلام کیا' آپ ﷺ نے انہیں جواب تو دے دیا مگر فراغت کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے صرف اس خیال سے جواب دے دیا ہے کہ تمہیں یہ خیال نہ گذرے کہ تمہارے سلام کا جواب میں نے نہیں دیا' لیکن آئندہ سے خیال رکھو کہ جب میں اس حالت میں ہوں تو سلام نہ کہنا' کیونکہ میں جواب نہیں دوں گا۔

استنجا کے بعد زمین پر ہاتھ مارتے تھے اور جب قضائے حاجت کے لئے بیٹھتے تو اس وقت تک کپڑا نہ اٹھاتے جب تک کہ زمین سے بالکل قریب نہ ہو جاتے۔

چلنا' بیٹھنا اور ٹیک لگانا:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے زیادہ تیز رفتار [1] میں نے کسی کو نہیں دیکھا' جب چلتے تو معلوم ہوتا کہ زمین سامنے سے تہہ ہوتی چلی جا رہی ہے' ہم دوڑتے دوڑتے خستہ ہو جاتے تھے' مگر آپ ﷺ کو کچھ معلوم نہ ہوتا تھا۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اکرم ﷺ جب چلتے تو اس طرح چلتے گویا ڈھلوان والی پہاڑی پر سے اتر رہے ہیں۔

دستور تھا کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ ہوتے تو انہیں آگے کرتے اور خود پیچھے چلتے اور فرماتے: ''مجھے ملائکہ کے لئے اپنے پیچھے رہنے دو۔'' آپ جوتا پہن کے بھی چلتے اور برہنہ پاؤں بھی بعض غزوات میں چلے جا رہے تھے کہ انگشت مبارک میں زخم آ گیا اور خون بہنے لگا' اس پر یہ شعر زبان مبارک پر رواں ہوا۔

هَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِيْتِ
وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ!

---

[1] ہمارے ہاں بہت سے لوگ خراماں خراماں چلنے کو علامات زہد و اتقا قرار دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا رسول ﷺ اور صدر اول کے مسلمان ہمیشہ چاق چوبند رہتے اور سپاہیانہ زندگی بسر کرتے تھے کوئی چیز بھی ان کے خیال میں مانع زہد نہ تھی' لیکن آج ان سے زیادہ پرہیزگار بن گئے ہیں اور اس زندگی کو دنیا داروں کی زندگی قرار دیتے ہیں' سچ ہے جب پستی آتی ہے تو کسی چیز کو بھی عام اس سے کہ دنیا ہو یا دین' بچنے نہیں دیتی' آج مسلمانوں کا دین بھی اتنا ہی پست ہو رہا ہے' جتنی ان کی دنیا! الٰہی رحم کر! (مترجم)

''تو کیا ہے؟ صرف ایک انگلی ہی تو ہے جو زخمی ہوگئی ہے' اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں تجھے یہ سعادت نصیب ہوئی ہے۔''

سفر میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کا موخرۃ الجیش خود ہوتے' کمزوروں کو سہارا دیتے' پیدل چلنے والوں کو اپنے ساتھ سوار کر لیتے اور ان کے حق میں دعا فرماتے۔

نشست میں بھی کچھ اہتمام نہ تھا کبھی فرش پر بیٹھتے' کبھی چٹائی پر اور کبھی خالی زمین ہی پر بیٹھ جاتے۔ جب سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ انہیں اپنے گھر لے گئے' کنیز نے وہ گدا لا کر ڈال دیا جس پر آپ اکثر بیٹھا کرتے تھے' مگر اس پر تنہا بیٹھنا گوارا نہ کیا' اسے اپنے اور عدی کے درمیان میں رکھ کر خود زمین پر رونق افروز ہو گئے۔

سیدنا عدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر بہت اثر ہوا اور میں جان گیا کہ ''یہاں بادشاہی نہیں ہے۔''

نبی ﷺ کا لیٹنے میں بھی کوئی خاص اہتمام نہ تھا کبھی ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ لیا کرتے تھے۔ تکیہ سے ٹیک بھی لگاتے تھے' کبھی دائیں سمت اور کبھی بائیں سمت' اگر ضرورت پڑتی تو کمزوری کے باعث کبھی کسی صحابی رضی اللہ عنہ پر بھی ٹیک لگا لیتے تھے۔

گفتگو' خاموشی' ہنسی' رونا:

آپ ﷺ از حد فصیح اور شیریں بیان تھے' ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں' تمہاری طرح بڑبڑاتے نہ تھے' ٹھہر ٹھہر کر بولتے اور ایک ایک فقرہ اس طرح الگ الگ کر کے کہتے کہ مخاطب پوری طرح گفتگو یاد کر لیتا۔ اکثر جملہ کو تین مرتبہ دہراتے تاکہ خوب ذہن نشین ہو جائے۔

آپ ﷺ ہمیشہ خاموش رہتے' بلا ضرورت کبھی نہ بولتے' جب بولتے تو مونہہ بھر کر بولتے' کٹے پھٹے الفاظ نہیں بلکہ صاف صاف اور پورے پورے الفاظ بولتے تھے۔ زبان پر ہمیشہ جوامع الکلم جاری ہوتے تھے' جچے تلے الفاظ ہوتے تھے' اور مطلب سے ایک لفظ بھی کم یا زیادہ نہ ہوتا تھا۔

اگر کوئی بات ناگوار ہوتی تو چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور مخاطب سمجھ جاتا کہ یہ بات بری معلوم ہوئی ہے۔ بد خلقی' سخت کلامی' فحش گوئی اور شور وغل کا وہاں گذر نہ تھا۔

ہنسی بس یہاں تک تھی کہ لبوں پر مسکراہٹ ظاہر ہو جاتی' اگر بہت زیادہ ہنستے تو دانت نظر آنے لگتے' وہاں قہقہے نہ تھے' آپ ﷺ کو بھی انہی باتوں سے ہنسی آتی تھی جن سے سب ہنستے تھے۔

اسی طرح رونا بھی تھا' دھاڑیں مارنا' یا ہچکیوں سے رونا نہ ہوتا تھا' صرف آنکھوں سے آنسو ڈبڈبا آتے تھے' اگر بہت ہوا تو آنکھیں اشکبار ہو جاتیں اور گریہ کی آواز سینہ سے نکلتی معلوم ہوتی۔ آپ ﷺ کا رونا کبھی میت کے لئے ہوتا' کبھی اپنی امت کے لئے کبھی خشیت الٰہی سے کبھی قرآن سننے سے جس میں شوق' محبت' خوف اور خشیت کی آمیزش ہوتی۔

جب آپ ﷺ کے فرزند ابراہیم رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آنکھیں آبدیدہ ہو گئیں اور زبان سے صرف اس قدر فرمایا:

((تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ إِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا إِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ))

''آنکھ روتی ہے' قلب رنجیدہ ہے لیکن ہم وہ کہیں گے جس سے پروردگار راضی ہو' اے ابراہیم! تیرے لئے ہم غمزدہ ہیں۔''

اسی طرح نبی ﷺ اپنی صاحبزادی سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کو حالت نزع میں دیکھ کر روئے۔

ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سورۂ نساء کی تلاوت شروع کی اور جب اس آیت:

﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا۝﴾

(النسآء: ٤١)

''پھر کیا حال ہوگا جب ہم ہر ایک امت میں سے ایک احوال کہنے والا بلا دیں گے اور تجھ کو ان لوگوں پر احوال کہنے والا بلا لیں گے۔''

پر پہنچے تو آپ ﷺ پر رقت طاری ہو گئی۔ ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا۔ تو آپ ﷺ نے صلوٰۃ الکسوف پڑھی اور نماز میں بہت روئے۔ رات کی نمازوں میں اکثر یہ کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی اور آپ ﷺ رو دیا کرتے تھے۔

مرغوبات ومکروہات:

سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس بندہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت حاصل ہوئی، قطع نظر اس سے کہ اہل وعیال میں ہو یا مال ومتاع میں، اور اس نے کہا ''مَاشَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ'' تو اس پر موت کے علاوہ کوئی مصیبت نہ آئے گی، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

((وَلَوْ لَا اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَا شَاءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ))(الکھف: ۳۹)

''جب تو اپنے باغ میں داخل ہوا تھا کیوں نہ کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مشیت ہے اور اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے ہاں کوئی طاقت نہیں۔''

حدیث میں ہے کہ اچھے خواب، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور برے خواب شیطان کی طرف سے، پس جو کوئی برا خواب دیکھے تو اسے چاہیے کہ بائیں جانب تھوک دے، شیطان سے پناہ مانگے اور کسی سے بیان نہ کرے، لیکن اگر اچھا خواب دیکھے تو چاہیے کہ خوش ہو اور جس سے چاہے بیان کرے۔

فصل -4

عملی زندگی

گھر میں کس طرح داخل ہوتے تھے:

نبی ﷺ گھر میں اس طرح داخل ہوتے کہ گھر والوں کو پیشتر سے اطلاع ہو جاتی' اچانک نہ گھس جاتے کہ لوگ بے خبری کے عالم میں ہوں اور جب اندر پہنچتے تو سلام کرتے' کبھی فرماتے ''تمہارے پاس کچھ کھانے کو ہے؟'' اور کبھی خاموش رہتے یہاں تک کہ ماحضر پیش کر دیا جاتا۔

ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے فرمایا: جب گھر میں جاؤ تو سلام کہو تا کہ اللہ تعالیٰ کی برکت تم پر اور تمہارے اہل وعیال پر نازل ہو۔'' آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''جب آدمی اپنے گھر آتا ہے اور اندر داخل ہوتے اور کھانے پر بیٹھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے اب میرے لئے یہاں رہنا اور کھانا نہیں' لیکن اگر وہ شخص اللہ تعالیٰ کو یاد نہیں کرتا تو شیطان کہتا ہے لو میرے لئے شب باشی کا سامان ہو گیا' پھر اگر کھانے پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا تو شیطان کہتا ہے اب مجھے کھانا بھی مل گیا۔'' (مسلم)

گھر میں آنے کے لئے اجازت چاہنا:

نبی ﷺ جب کسی کے ہاں تشریف لے جاتے تو سیدھے دروازہ کے سامنے نہ آ جاتے' بلکہ دائیں یا بائیں پہلو سے آتے اور فرماتے ''السلام علیکم'' حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی کے گھر جاؤ تو اندر جانے کے لئے تین مرتبہ اجازت طلب کرو' اگر اجازت مل جائے تو داخل ہو جاؤ ورنہ واپس چلے آؤ۔''

ایک مرتبہ ایک شخص آپ ﷺ کے حجرہ میں سوراخ سے جھانک رہا تھا' آپ ﷺ اٹھے اور اس کی آنکھ پھوڑ ڈالنے کا ارادہ کر لیا' پھر فرمایا: ''اگر کوئی بغیر اجازت تمہیں جھانکے اور تم کنکری مار کے اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو تو یہ کوئی الزام کی بات نہیں۔'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی کسی

کے گھر میں بغیر اجازت جھانکے اور صاحب خانہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو نہ دیت ہے نہ قصاص۔" ایک شخص حاضر ہوا اور اس نے اندر آنا چاہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا: واپس جاؤ اور "کہو السلام علیکم، کیا میں آؤں؟" ❶

خطبہ:

آپ ﷺ نے زمین پر کھڑے ہو کر بھی خطبہ دیا ہے، منبر پر بھی اور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھ کر بھی۔ آپ ﷺ جب خطبہ دیتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں، آواز بلند ہو جاتی، غیظ وغضب از حد بڑھ جاتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا کسی فوج کو للکار رہے ہیں۔

خطبہ اس طرح شروع فرماتے تھے:

اما بعد! ((فَإِنَّ خَيْرَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ وَ خَيْرَ الْهَدْيِ هَدْيُ مُحَمَّدٍ (ﷺ) وَشَرَّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا وَكُلَّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ))

"سب سے بہترین گفتگو کتاب اللہ ہے، سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے، سب سے بری چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"

ہر خطبہ حمد وثنا سے شروع کرتے تھے۔ بہت سے فقہاء کا یہ کہنا کہ خطبہ استسقا حمد کے بجائے استغفار سے، اور خطبہ عید تکبیر سے شروع کرنا چاہیے، یہ بلا دلیل دعویٰ ہے کیونکہ سنت نبوی میں اس کا کہیں ثبوت نہیں ملتا بلکہ نبی ﷺ کا عمل اس کے سراسر خلاف ہے۔

آپ ﷺ ہمیشہ کھڑے ہو کر خطبہ دیتے تھے۔

مراسیل عطاء میں ہے کہ جب منبر پر کھڑے ہو جاتے تو لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے: "اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ" شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سیدنا ابوبکر وسیدنا عمر رضی اللہ عنہما کی سنت بھی یہی تھی۔ بسا اوقات خطبہ صرف قرآن سے مرکب ہوتا تھا، صحیح مسلم میں سیدہ ام ہشام بنت حارثہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ سورۂ قاف میں نے رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے سن سن کے یاد کی ہے کیونکہ آپ ﷺ ہر جمعہ میں اسے منبر پر بطور خطبہ کے پڑھا کرتے تھے۔

❶ یہ اسلامی ادب تو مسلمانوں سے تقریباً مفقود ہو گیا ہے، لوگ دوسروں سے ملنے آتے ہیں اور اگر دروازہ پر دربان موجود نہ ہو تو بلا تکلف اندر چلے آتے ہیں، اجازت لینے کی ضرورت نہیں سمجھتے، گویا یہ ان کا اپنا گھر ہے۔ مترجم

ابوداود رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ خطبہ میں جب شہادت پر پہنچتے تو اس طرح فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهُ وَنَسْتَعِينُهُ وَنَسْتَغْفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُورِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَا هَادِيَ لَهُ وَنَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُولُهُ اَرْسَلَهُ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ يَّعْصِهِمَا فَاِنَّهُ لَا يَضُرُّ اِلَّا نَفْسَهُ وَلَا يَضُرُّ اللّٰهَ شَيْئًا))

''حمد اللہ تعالیٰ کے لئے ہے۔ہم اسی سے اعانت ومغفرت چاہتے' اور اپنے نفسوں کے شر سے اسی سے پناہ مانگتے ہیں' جسے اللہ تعالیٰ ہدایت یاب کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے ادھر سے ہدایت نہ ملے اسے ہدایت دینے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ ایک اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ محض اس کا ایک بندہ اور رسول ہے جسے اس نے قرب قیامت پر بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے' جس نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی' تو ہدایت پائی اور جوان دونوں کا نافرمان ہوا وہ خود اپنے تئیں نقصان پہنچائے گا' اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہ ہوگا۔''

خطبہ کا موضوع' اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا' اس کے اوصاف وکمالات کا بیان' اصولِ اسلام کی تعلیم' حالاتِ جنت دوزخ کی تشریح' تقوائے الٰہی کی ہدایت اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی وخوشنودی کے اسباب کی تفصیل ہوتا تھا اور ہر موقعہ پر خطبہ کے مطالب ایسے ہوتے جو مخاطبین کی حالت وضرورت کے مناسب ہوتے۔ [1]

آپ ﷺ نے کوئی خطبہ نہیں دیا جس میں شہادت کے دونوں کلموں کا اعادہ اور اپنے خاص

[1] ہندوستان میں خطبہ جمعہ محض رسماً ہوتا ہے۔اس سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا۔خطیب اسے قرآن کی طرح قرأۃ کے ساتھ اور گا گا کے پڑھ جاتا ہے اور سامعین بیٹھے اونگھا کرتے ہیں' ایسے خطبہ سے کیا نتیجہ نکل سکتا ہے؟ پھر خود یہ مطبوعہ خطبات اعلیٰ مطالب سے خالی ہیں اور بجز رکیک قافیہ بندی کے ان میں کچھ نہیں۔کاش عربی خطبہ کے ساتھ یہ مستقل طور پر خطیب اردو میں تقریر کرے اور وہ باتیں بتائے جن سے قوم کی حالت سدھرے! (مترجم)

نام (محمد ﷺ) کا ذکر نہ کیا ہو۔ خطبہ کبھی طویل ہوتا تھا' کبھی مختصر' عید کے مواقع پر عورتوں کے لئے علیحدہ خطبہ دیتے' جس میں انہیں صدقہ کی ترغیب دلاتے۔ خطبہ دیتے وقت کبھی عصا پر ٹیک لگا لیتے اور کبھی کمان پر۔

نام:

الفاظ معانی کے قالب ہیں' اسم اور مسمیٰ میں ضرور کوئی معنوی مناسبت ہوتی ہے اسی لئے آپ ﷺ ہمیشہ اچھے نام پسند فرماتے اور برے نام رکھنے سے روکتے تھے۔ حدیث میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ نام: عبداللہ اور عبدالرحمٰن ہیں' سب سے زیادہ درست نام: حارث (ماہر یا کاشتکار) اور ہمام (شجاع' سخی) ہیں' سب سے مکروہ نام: حرب (جنگ) اور مرہ (تلخ) ہیں۔'' نیز آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنے غلام کا نام یسار (نرمی' کشادگی) رباح (نفع) نجیح (کامیاب) نہ رکھو' کیونکہ کبھی اس کا نام لے کر پکارو گے کہ فلاں وہاں ہے؟ اگر وہ نہ ہوا تو جواب ملے گا نہیں؟

اسی طرح آپ ﷺ نے عاصیہ (نافرمان) کا نام یہ فرما کر بدل دیا کہ ''تو عاصیہ نہیں جمیلہ ہے۔'' اس بارہ میں اس قدر خیال تھا کہ آپ نے حکم دے دیا تھا کہ آپ ﷺ کے پاس ڈاک لانے والے اچھی صورت اور اچھے نام [1] کے لوگ ہوں۔ آپ ﷺ کا دستور تھا کہ لوگوں کی کنیت رکھ دیا کرتے تھے قطع نظر اس سے کہ وہ صاحب اولاد ہوں یا نہ ہوں' چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی کنیت ''ابوالحسن'' اور سیدنا صہیب رضی اللہ عنہ کی ابویحییٰ'' مقرر کر دی تھی۔

سلام:

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے افضل اور سب سے بہتر اسلام یہ ہے کہ آدمی مسکینوں کو کھانا کھلائے اور ہر کس و ناکس کو سلام کہے۔'' صحیح بخاری میں ہے نبی ﷺ نے

[1] ہندوستان میں مسلمانوں نے عربی یا عربی ساخت کے نام ضروری قرار دے کر اپنے آپ کو مضحکہ بنالیا ہے۔ بکثرت نام بے معنی ہوتے ہیں' جیسے تاج الدین' شمس الدین' محمد دین' دین محمد' طلا محمد وغیرہ۔ بہت سے نامہذب ہوتے ہیں' مثلاً طب علی' سڑک محمد' قرب محمد وغیرہ۔ پھر چند سو نام ہیں جو الٹ پلٹ کر رکھے جاتے ہیں۔ اس معاملہ میں بھی اصلاح کی ضرورت ہے۔ (مترجم)

فرمایا: ''تین باتیں جس کسی میں جمع ہو گئیں ایمان جمع ہو گیا: اپنے نفس کے ساتھ انصاف کرنا' سب کو سلام کہنا' تنگی میں اللہ تعالیٰ کے نام پر خرچ کرنا۔''

ایک مرتبہ آپ ﷺ لڑکوں کے ایک گروہ کی طرف سے گذرے تو انہیں سلام کرنے میں پیش قدمی کی۔ (مسلم) اسی طرح ایک دن آپ ﷺ کا عورتوں کی طرف گزر ہوا تو انہیں اشارہ سے سلام کیا۔ (ترمذی)

صحیح بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''چھوٹا بڑے کو سلام کہے' راستہ میں چلنے والا بیٹھے ہوئے کو اور سوار پیدل کو' چھوٹی جماعت بڑی جماعت کو سلام کہے۔''

آپ ﷺ کی سنت تھی کہ جب مجلس میں آتے تو سلام کرتے اور جب جاتے تو سلام کہتے۔ حدیث میں ہے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جب تم مجلس میں آؤ تو سلام کہو' جانے لگو تو سلام کہو' یاد رکھو کہ پہلا سلام دوسرے سلام سے فضیلت میں زیادہ نہیں۔ اور فرمایا کہ ''اگر کوئی سلام سے پہلے کچھ پوچھے تو جواب مت دو۔''

آپ ﷺ کا سلام ''اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ'' تھا۔ اور سلام کا جواب ''وَعَلَيْكَ السَّلَامُ۔''[1]

ہمیشہ زبان سے جواب دیتے' ہاتھ یا انگلی کے اشارہ یا سر کی حرکت سے کبھی جواب نہ دیتے' البتہ نماز کی حالت میں اشارہ سے جواب دے دیتے تھے جیسا کہ سیدنا انس اور سیدنا جابر رضی اللہ عنہما وغیرہ کی روایتوں سے ثابت ہے۔ ایک مرتبہ ایسی مجلس کی طرف گزر ہوا جس میں مسلمان اور مشرک دونوں ملے جلے بیٹھے تھے' آپ ﷺ نے ان سب کو سلام کہا۔

جب کوئی دوسرے کا سلام آ کر پہنچاتا تو سلام کہنے والے اور پہنچانے والے دونوں کو جواب دیتے تھے۔

اگر کوئی بڑی خطا کرتا تو اس سے صاحب سلامت بند کر دیتے تھے یہاں تک کہ توبہ کر لے جیسا کہ سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے ساتھ ہوا اور جیسا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سے دو مہینہ ترک کلام کر دیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کو اپنا

---

[1] یہ ایک کے لئے ہے ورنہ جماعت کے لئے وَعَلَيْكُمُ السَّلَامُ کہنا۔

اونٹ دے دیں مگر انہوں نے جواب سختی سے دیا' کہنے لگیں "ہاں میں اس یہودیہ کو اپنا اونٹ ضرور دے دوں گی۔" (ابوداؤد)

چھینک:

ابوداؤد میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم چھینک لیتے تو مونہہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ لیتے جس سے یا تو آواز بالکل دب جاتی یا بہت کم ہو جاتی۔ حدیث میں ہے کہ فرمایا: "اونچی جمائی اور بلند چھینک شیطان کی طرف سے ہے' اللہ تعالیٰ ان دونوں کو ناپسند فرماتا ہے۔" ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ ایک شخص نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چھینک لی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قاعدہ کے مطابق "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" کہا' ذرا دیر بعد پھر دوبارہ اس نے چھینک لی' تو آپ نے "یَرْحَمُكَ اللّٰهُ" نہ کہا' بلکہ فرمایا کہ "اسے زکام ہے۔"

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ تعالیٰ چھینک کو دوست رکھتا ہے اور جمائی سے نفرت کرتا ہے' جب چھینک آئے تو "اَلْحَمْدُ لِلّٰہ" کہا کرو' دوسرے کو چھینکتے اور یہ کہتے سنو تو یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہو۔ لیکن جمائی شیطان کی طرف سے ہے لہٰذا حتی الوسع روکو کیونکہ جب انسان مونہہ پھاڑ کر جمائی لیتا ہے تو شیطان اس پر ہنستا ہے۔" (بخاری) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "جب چھینک آئے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہو' اور سننے والا یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہے اور تم اس کے جواب میں یَهْدِیْكُمُ اللّٰهُ وَیُصْلِحُ بَالَكُمْ۔ کہو۔" (بخاری)

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "مسلمان کے مسلمان پر چھ حق ہیں: جب باہم ملو تو سلام کہو' دعوت قبول کرو' جب کوئی دعوت دے تو نصیحت چاہے تو نیک نصیحت کرو' چھینک لے کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے تو تم یَرْحَمُكَ اللّٰهُ کہو' بیمار ہو جائے تو عیادت کرو اور مر جائے تو اس کے جنازہ میں ساتھ جاؤ۔"

خواب اور بیداری:

کبھی بستر پر سوتے' کبھی چٹائی پر' کبھی چارپائی پر' کبھی زمین پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کے اندر کھجور کے ریشے بھرے ہوتے تھے۔ جب آپ سونے کے لئے بستر پر جاتے' تو فرماتے:

((بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ اَحْيَا وَ اَمُوْتُ))

''الٰہی! تیرے ہی نام پر میرا جینا اور میرا مرنا ہے۔''

دائیں کروٹ پر لیٹتے' دایاں ہاتھ رخسار کے نیچے رکھتے' پھر فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ قِنِی عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ))

''الٰہی! جس دن بندے جلائے جائیں' اس دن مجھے اپنے عذاب سے بچالینا۔''

جب بیدار ہوتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ))

''اللہ تعالیٰ کا شکر ہے جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف پھر لوٹ کر جانا ہے۔''

اس کے بعد مسواک کرتے:

نبی ﷺ کا دستور تھا کہ اول رات ہی میں سو جاتے اور پچھلے پہر سے اٹھ بیٹھتے' لیکن اگر مسلمانوں کے کچھ کام رات ہی میں کرنے کے ہوتے تو دیر سے سوتے۔

آپ ﷺ کی آنکھیں سوتی تھیں مگر قلب ہمیشہ بیدار رہتا تھا' اسی لئے جب سو جاتے تو کوئی نہ اٹھاتا یہاں تک کہ آپ خود اٹھ جاتے۔

❁❁❁❁

5- فصل

حکومت کی زندگی

آپ ﷺ کے محرر:

سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر' سیدنا عثمان' سیدنا علی' سیدنا زبیر' سیدنا عامر بن فہیرہ' سیدنا عمرو بن عاص' سیدنا ابی بن کعب' سیدنا عبداللہ بن ارقم' سیدنا ثابت بن قیس' سیدنا حنظلہ بن ربیع' سیدنا مغیرہ بن شعبہ' سیدنا عبداللہ بن رواحہ' سیدنا خالد بن ولید' سیدنا خالد بن سعید بن عاص' سیدنا معاویہ بن ابی سفیان' سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہم (خاص طور پر سیدنا زید رضی اللہ عنہ ہی کتابت کرتے تھے)۔

آپ ﷺ کی شرعی تحریریں:

صدقات کے بارہ میں آپ ﷺ کی ایک تحریر سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی جسے انہوں نے سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو بحرین بھیجتے وقت نقل کر کے دیا تھا۔ آپ ﷺ نے ایک تحریر اہل یمن کو بھیجی تھی جسے ابن حزم' حاکم اور نسائی وغیرہ نے روایت کیا ہے' یہ ایک عظیم الشان تحریر ہے جس میں بہت سے مسائل آ گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے ایک تحریر قبیلہ زہیر کو روانہ کی تھی اور زکوٰۃ کے بارہ میں آپ ﷺ کی تحریر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔

خطوط اور قاصد:

نبی ﷺ نے حدیبیہ سے واپس آ کر بادشاہوں کے نام خطوط لکھے اور قاصدوں کے ہاتھ روانہ کیے۔ شاہ روم کا خط جب لکھا جا چکا تو لوگوں نے عرض کیا کہ بادشاہ بغیر مہر کے خط قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے مہر تیار کروائی۔ مہر میں تین سطریں کندہ تھیں: سب سے نیچے "محمد" کی سطر تھی' اس کے اوپر "رسول" کی اور سب سے اوپر "اللہ" کی۔ خطوط پر مہر لگا دی گئی' اور ماہ محرم ۷ ہجری میں ایک ہی دن چھ قاصد' چھ بادشاہوں کی طرف روانہ ہوئے۔

(۱) سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ، شاہ حبش نجاشی [1] کے دربار میں گئے جس کا نام ''اصحمہ'' (جس کا ترجمہ عربی میں ''عطیہ'' یعنی بخشش ہے) تھا اور وہ انجیل کا جید عالم تھا' اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط کی از حد تعظیم کی اور مشرف بہ اسلام ہوا۔ اسی لئے اس کے انتقال کے دن رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں اس کی نماز جنازہ پڑھی اور مغفرت کی دعا مانگی۔ ایک گروہ کا خیال ہے جس میں ابن سعد و واقدی وغیرہ شامل ہیں' لیکن یہ خیال صحیح نہیں' کیونکہ جس نجاشی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی وہ' وہ نہ تھا جسے خط بھیجا تھا' جیسا کہ امام مسلم نے اپنی ''صحیح'' میں روایت کیا ہے کہ: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر' کسریٰ اور نجاشی کو خطوط لکھے' لیکن یہ نجاشی وہ نہیں ہے جس کے جنازہ کی نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی۔ محمد ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے اس بارہ میں صحیح ہے کہ جس نجاشی کے دربار میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد گیا تھا وہ اسلام نہیں لایا۔

(۲) سیدنا دحیہ بن خلیفہ الکلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کے دربار میں گئے' جس کا نام ہرقل تھا اور باوجود اسلام سے قریب ہو جانے کے وہ اس سعادت سے محروم رہا۔ ابو حاتم و ابن حبان نے اپنی صحیح میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے یہ قصہ اس طرح روایت کیا ہے کہ: ''جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیصر روم کو خط بھیجنے لگے تو حاضرین سے فرمایا: ''کون ہے جو میرا یہ خط قیصر کے پاس لے جائے اور معاوضہ میں جنت لے؟'' ایک شخص نے سوال کیا ''اگرچہ وہ منظور نہ کرے؟'' فرمایا: ''اگرچہ وہ منظور نہ کرے۔'' چنانچہ سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ خط لے کر روانہ ہو گئے۔ قیصر بیت المقدس کی زیارت کے لئے آ رہا تھا' راستہ میں ملاقات ہو گئی' انہوں نے خط' فرش پر سامنے پھینک دیا اور خود ایک جانب ہو گئے۔ قیصر نے پکار کر کہا: ''خط کون لایا ہے؟ سامنے آئے' میں پناہ دیتا ہوں۔'' سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ سامنے آ گئے اور کہا: ''میں لایا ہوں۔'' قیصر نے کہا: جب میں قیام کروں تو حاضر ہونا۔'' روایت ہے کہ پھر سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ پہنچے' قیصر نے محل کے پھاٹک بند کروا دیئے اور حکم دیا کہ منادی کر دو: قیصر نے عیسائیت سے مونہہ موڑ کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی قبول کر لی ہے۔'' یہ سنتے ہی لوگ ہتھیار اٹھا کر دوڑ پڑے اور محل کا محاصرہ کر لیا۔ قیصر نے سیدنا دحیہ رضی اللہ عنہ سے کہا: ''تم نے دیکھا!

[1] حبش کے بادشاہوں کا لقب ''نجاشی'' ہوتا تھا' جیسے شاہان روم کا ''قیصر'' (مترجم)

مجھے اپنی بادشاہی کا خوف ہے۔'' پھر اعلان کروایا کہ ''لوگو! قیصر تم سے راضی ہوگیا۔'' ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لکھا کہ: ''میں مسلمان ہوں۔'' نیز بطور نذر کچھ دینار بھیجے۔ یہ تمام ماجرا سن کر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کا دشمن جھوٹا ہے' یہ ہرگز مسلمان نہیں' بلکہ یہ اپنی عیسائیت پر جما ہوا ہے۔'' اور دینار تقسیم کر دیئے۔

(۳) سیدنا عبداللہ بن حذافہ السہمی رضی اللہ عنہ' کسریٰ کے دربار میں گئے جس کا نام ابرویز (پرویز) ابن ہرمز بن انوشرواں تھا۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کا نامہ گرامی چاک کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا' اور جب نبی ﷺ کو اس کی اس حرکت کی خبر پہنچی تو آپ نے صرف اس قدر فرمایا: ''الٰہی! اس کی سلطنت بھی ٹکڑے ٹکڑے کر ڈال۔'' چنانچہ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ اس کی اور اس کی قوم کی پوری سلطنت پارہ پارہ ہوکر معدوم ہوگئی۔

(۴) سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ' مقوقس شاہ مصر کے دربار میں گئے' اس کا نام جریج ابن مینا تھا' یہ اسکندریہ کا نواب اور مصر کے قبطیوں کا سردار تھا۔ اس نے بڑے تپاک سے قاصد کا خیر مقدم کیا' فطرت کا نور چمکا مگر معاً گل ہوگیا' وہ اسلام لاتے لاتے رہ گیا' لیکن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بہت سے تحائف بھیجے' جن میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا اور ان کی دو بہنیں ''سیرین'' وقیسرین'' بھی تھیں' سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو آپ نے اپنی خدمت کے لئے قبول فرمایا اور سیرین' سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کو دے دی۔ ان کے بادشاہ نے ایک اور کنیز' سو مثقال سونا' بیس مصری چادریں' ایک بھورا خچر (دلدل) ایک بھورا گدھا (عفیر) ایک خواجہ سرا (مابور) کہ جسے سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کا چچا زاد بھائی بتایا گیا ہے' ایک گھوڑا (لزاز) ایک کانچ کا پیالہ اور بہت سا شہد بھیجا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ سب دیکھ کر فرمایا: ''خبیث نے سلطنت کو ترجیح دی' حالانکہ وہ رہنے والی نہیں۔''

(۵) سیدنا شجاع بن وہب الاسدی رضی اللہ عنہ کو شاہ بلقاء حارث بن ابی شمر الغسانی کے ہاں روانہ کیا۔

(۶) سیدنا سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ کو رئیس یمامہ ہوذہ بن علی الحنفی کے ہاں بھیجا' آخر الذکر نے قاصد کا پرتپاک خیر مقدم کیا مگر اسلام قبول نہ کیا' اسی کے کہنے سے سلیط ایک دوسرے سردار ثمامہ

بن اثال الحنفی سے ملنے گئے اور وہ انہیں کے اثر سے بعد میں اسلام لے آیا۔

یہ وہ چھ قاصد ہیں جنہیں رسول اکرم ﷺ نے ایک ہی دن چھ مختلف بادشاہوں اور سرداروں کے پاس بھیجا۔

اس کے بعد ماہ ذوالقعدہ ۸ ہجری میں آپ نے چند اور قاصد دوسرے بادشاہوں کی طرف روانہ فرمائے' سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو جیفر وعبد ابن جلندی کے ہاں عمان بھیجا' دونوں کے دونوں مسلمان ہوگئے' وہ آخر تک ثابت قدم رہے اور صدقہ وقضاء کے انتظامات میں سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ کو ہر طرح کے اختیارات دے دیئے' چنانچہ سیدنا عمرو رضی اللہ عنہ ان کے ہاں برابر مقیم رہے یہاں تک کہ نبی ﷺ کی وفات کی خبر پہنچی۔

فتح مکہ سے پہلے سیدنا علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ کو شاہ بحرین منذر بن ساوی کے دربار میں بھیجا جو فوراً اسلام لایا اور برابر قائم رہا۔

سیدنا مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو حارث بن عبد کلال حمیری کے پاس یمن بھیجا جس نے کہا میں غور کر کے کچھ فیصلہ کروں گا۔

سیدنا ابوموسیٰ اشعری اور سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جنگ تبوک کے بعد تبلیغ واشاعت کے لئے یمن بھیجا' جہاں کے باشندوں کے دل اللہ تعالیٰ نے اسلام کے لئے کھول دیئے اور سب کے سب بلا کسی جبر واکراہ اور جنگ کے جوق در جوق مسلمان ہوگئے۔ یہ معلوم کر کے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو ان کی طرف روانہ فرمایا اور خود بھی حجۃ الوداع میں بہت سے اہل یمن سے ملے۔

سیدنا جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کو ذوالکلاع حمیری اور ذوعمر کے پاس دعوت اسلام دے کر روانہ کیا' دونوں کے دونوں مشرف بہ اسلام ہوئے اور آخر تک ثابت قدم رہے۔

سیدنا عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر مسیلمہ کذاب کے پاس بھیجا' پھر دوسرا خط سیدنا سائب بن عوام رضی اللہ عنہ (سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کے بھائی) کے ہاتھ بھیجا' مگر وہ مسلمان نہ ہوا۔

فروہ بن عمرو الجذامی (جو عمان پر رومیوں کی طرف سے گورنر تھا) کے پاس بھی ایک قاصد روانہ فرمایا: جس نے فوراً اسلام قبول کرلیا اور بہت سے تحائف بارگاہ نبوت میں بھیجے۔

مؤذن:

آپ ﷺ کے مؤذن چار تھے۔ دو مدینہ منورہ میں رہتے تھے' ایک قبا میں اور ایک مکہ مکرمہ میں۔ مدینہ منورہ میں سیدنا بلال بن رباح حبشی رضی اللہ عنہ' جو اسلام میں سب سے پہلے مؤذن ہیں' اور سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم القرشی رضی اللہ عنہ (نابینا) قبا میں سیدنا سعد القراط رضی اللہ عنہ (سیدنا عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے غلام) اور مکہ مکرمہ میں سیدنا اوس بن مغیرہ جمحی رضی اللہ عنہ جو کہ ابو محذورہ کی کنیت سے مشہور تھے۔

عُمَّال:

آپ ﷺ نے متعدد عمال (گورنروں) سے کام لیا ہے: باذان بن ساسان' کسریٰ کی طرف سے یمن کے گورنر تھے' اسلام لے آئے تو آپ ﷺ نے ان کو ان کے عہدہ پر برقرار رکھا۔ سیدنا باذان رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان ہیں جو گورنر بنائے گئے اور سب سے پہلے عجمی سردار ہیں جو مسلمان ہوئے۔ ان کے انتقال پر رسول اللہ ﷺ نے ان کے لڑکے کو صنعاء کا حاکم مقرر کیا اور جب وہ شہید ہو گئے تو سیدنا خالد بن سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا:

سیدنا مہاجر بن ابی امیہ مخزومی رضی اللہ عنہ کو "کندہ" اور صدف" کا حاکم مقرر کیا' مگر ان کے روانہ ہونے سے پہلے ہی نبی ﷺ کی وفات ہو گئی' اس لئے روانگی ملتوی ہو گئی اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حکم سے یہ مرتدین کے قتال پر مامور ہوئے۔

سیدنا زیاد بن امیہ انصاری رضی اللہ عنہ کو "حضر موت" کا۔ سیدنا ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو زبید' عدنان' زمع اور ساحل کا۔ سیدنا ابوسفیان صخر بن حرب رضی اللہ عنہ کو نجران کا' ان کے بیٹے سیدنا یزید رضی اللہ عنہ کو تیماء کا' سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ اور موسم حج کا حاکم مقرر کیا حالانکہ اس وقت ان کی عمر کل بیس سال کی تھی۔ پھر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو یمن کے خمس کی تحصیل اور منصب قضا پر مقرر کیا۔ سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو عمان اور اس کے حوالی کی حکومت سپرد کی۔ ان کے علاوہ بکثرت آدمیوں کو صدقہ و زکوٰۃ وصول کرنے پر متعین کیا' ہر قبیلہ میں ایک ایک شخص اس کام کے لئے ہوتا تھا۔ ۹ ہجری کے موسم حج کا والی سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بنایا' پھر فوراً سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سورۂ "براۃ" سنانے کے لئے مکہ مکرمہ بھیجا۔

محافظ:

متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے متعین تھے۔ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں پہرہ دیا جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے تھے۔ سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے جنگ احد میں حفاظت کی، سیدنا زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے جنگ خندق میں، سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظوں کے سردار تھے لیکن جب یہ آیت: ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ (المائدہ:١٤) "اللہ تعالیٰ لوگوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔" نازل ہوئی۔

حُدی خوان:

سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حُدی خوان (اونٹ کے سامنے گانے والے) سیدنا عبداللہ بن رواحہ، سیدنا انجشہ، عامر بن اکوع اور ان کے چچا سیدنا مسلم بن اکوع رضی اللہ عنہم تھے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سیدنا انجشہ رضی اللہ عنہ نامی خوش آواز حدی خوان تھا۔ ایک مرتبہ اس نے گانا شروع کیا تو اونٹ تیزی سے چلنے لگے، عورتیں بھی ساتھ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "انجشہ! آہستہ آہستہ کہیں شیشے ٹوٹ نہ جائیں" یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شیشوں سے عورتوں کو مراد لیا ہے۔

شعراء:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شعراء میں سیدنا کعب بن مالک، سیدنا عبداللہ بن رواحہ، سیدنا حسان بن ثابت اور سیدنا خطیب ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہم ہیں۔

6- فصل

معاملات واخلاق

کاروبار:

آپ ﷺ نے تجارت کی ہے' خرید وفروخت کی ہے' ٹھیکہ لیا ہے' نبوت سے پہلے گلہ بانی کی مزدوری کی ہے اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال تجارت لے کر شام کا سفر کیا ہے۔ لوگوں کے ساتھ شراکتی کام بھی کیا ہے' چنانچہ ایک مرتبہ آپ ﷺ کا ایک پرانا شریک حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا۔ ''آپ ﷺ نے مجھے نہیں پہچانا؟'' فرمایا: ''کیوں نہیں تم تو میرے شریک اور بہت اچھے شریک تھے' تم نے نہ تو کبھی حق مارا اور نہ تکرار و حجت کی۔''

وکالت:

آپ ﷺ دوسروں کے وکیل بھی بنے ہیں اور دوسروں کو اپنا وکیل بھی بنایا ہے' ہدیہ لیا ہے' دیا ہے اور ہدیہ لانے والے کو انعام بھی دیا ہے۔

ہبہ:

ہبہ قبول کیا ہے اور دوسروں سے اپنے لئے ہبہ کروایا بھی ہے' چنانچہ سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے حصہ میں ایک مرتبہ ایک کنیز آئی' آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ مجھے ہبہ کر دو؟'' انہوں نے فوراً منظور کر لیا تو آپ ﷺ نے وہ کنیز مکہ بھیج دی اور چند مسلمان قیدیوں کو اس کے بدلہ میں رہا کرا لیا۔

قرض:

آپ ﷺ قرض بھی لیتے تھے' کبھی رہن رکھ کے اور کبھی بغیر رہن کے' ضروریات زندگی بھی عاریۃً لیتے تھے اور کبھی ادھار خریدتے تھے۔ آپ ﷺ کا اعلان عام تھا کہ ''میں تمام مسلمانوں کے قرض کا ضامن ہوں' جو مسلمان قرضہ چھوڑ کر مرے اس کی ادائیگی میرے ذمہ ہے۔''

وقف:

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنی ایک زمین وقف کی اور مسلمانوں کے لئے اس کی آمدنی صدقہ کر دی تھی۔

سفارش:

آپ ﷺ نے دوسروں کی سفارش کی ہے اور اپنے لئے سفارش چاہی بھی ہے' چنانچہ ''سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا'' سے اس کے شوہر کے بارہ میں سفارش کی کہ اس کی زوجیت میں رہنا منظور کر لے' مگر جب اس نے انکار کر دیا تو اس پر آپ ذرہ برابر بھی ناراض نہیں ہوئے۔

قسم کھانا:

آپ ﷺ قسم بھی اٹھاتے تھے' کبھی اس میں کوئی شرط لگا دیتے' کبھی بغیر شرط کے رکھتے' کبھی اسے توڑ کر کفارہ ادا کرتے اور کبھی اسے آخر تک پورا کرتے۔ [1]

مذاق:

آپ ﷺ مذاق بھی کرتے تھے' لیکن اس میں بھی حق کے علاوہ اور کچھ نہ کہتے۔ توریہ بھی کرتے مگر اس میں بھی حق وصدق ملحوظ رہتا' چنانچہ جنگ کے مواقع پر اکثر ایسا ہوتا کہ جس سمت میں جانے والے ہوتے اس کے مخالف سمت کے حالات' راستہ اور منزلیں دریافت فرماتے تاکہ دشمن کو اصلی ارادہ کے متعلق غلط فہمی ہو جائے۔

عامیانہ کاروبار:

آپ ﷺ مشورہ بھی دیتے اور قبول بھی کرتے۔ بیماروں کی عیادت کرتے' جنازوں میں شرکت کرتے۔ دعوت [2] قبول کرتے' بیواؤں' مسکینوں اور لاچاروں کی ضروریات پوری کرنے

---

[1] یہ سب اس لئے کہ امت کے لئے اسوۂ نمونہ ہوں۔ (مترجم)

[2] دعوت کے معاملہ میں آج کل ہمارے مولوی بہت بدنام ہو رہے ہیں اور اس سے اسلام کی تضحیک ہوتی ہے' کیا اچھا ہو کہ کچھ مدت کے لئے علماء دعوت قبول کرنے سے اجتناب کریں' اس سے سنت کی مخالفت نہ ہوگی' کیونکہ اس کے مقابلہ میں ایک بڑا شرعی عذر (یعنی اسلام کی عزت کا پاس) موجود ہے۔ (مترجم)

کے لئے ان کے ساتھ جاتے اور کبھی کسی کی مدد سے دریغ نہ کرتے' شعر بھی سنتے اس پر انعام بھی دیتے' آپ ﷺ نے پیدل دوڑ بھی لگائی ہے' کشتی بھی لڑی ہے' اپنا جوتا اپنے ہاتھ سے گانٹھا ہے' کپڑے اور چرمی ڈول میں پیوند لگائے ہیں۔ اپنی بکری اپنے ہاتھ سے دوہی ہے' کپڑوں سے جوویں نکالی ہیں' اہل وعیال کا اور خود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کیا ہے۔ مسجد کی تعمیر میں صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ اینٹیں ڈھوئی ہیں۔ مہمان بھی ہوئے ہیں اور میزبانی بھی کی ہے۔

طرزِ معاملت:

معاملات میں آپ ﷺ کا طریقہ بہترین تھا' قرض لیتے تو قرض سے زیادہ ادا کرتے اور قرض خواہ کے حق میں یہ دعا فرماتے:

((بَارَكَ اللّٰهُ فِيْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ' اِنَّمَا جَزَاءُ السَّلَفِ' اَلْحَمْدُ وَالْاَدَاءُ))

''اللہ تعالیٰ تیرے مال واولاد میں برکت عطا فرمائے' قرض کا معاوضہ یہ ہے کہ ادا کیا جائے اور شکر گذاری ظاہر کی جائے۔''

ایک مرتبہ ایک انصاری سے کچھ قرضہ لیا' درمیان میں اسے ضرورت ہوئی اور وہ تقاضا کے لئے حاضر ہوا' اس وقت آپ ﷺ کے پاس کچھ بھی موجود نہ تھا' آپ نے فرمایا: ''ابھی تک ہمارے پاس کچھ نہیں آیا۔'' اس نے کچھ کہنا چاہا' آپ نے اسے ٹوک کر فرمایا: ''ٹھہرو کچھ اور نہ کہنا! مجھے بہت اچھا قرضدار پاؤ گے'' چنانچہ بعد میں آپ نے اسے قرض سے دوگنا دے دیا۔

حقدار کا حق:

ایک مرتبہ ایک شخص سے ادھار اونٹ خریدا' وہ قیمت لینے آیا اور سخت کلامی کرنے لگا' صحابہ رضی اللہ عنہم تنبیہ کے لئے اٹھے' آپ نے منع کیا اور فرمایا: ''رہنے دو' حقدار کو کہنے سننے کا حق ہے۔''

ایک مرتبہ کچھ ادھار خریدا' پھر فروخت کیا تو نفع ہوا' نفع کو خاندان عبدالمطلب پر صدقہ کر دیا اور فرمایا: ''آئندہ سے ہم کوئی چیز بھی ادھار نہ خریدیں گے۔ (ابوداود)

ایک مرتبہ قرض خواہ تقاضا کے لئے آیا اور سخت سست بکنے لگا' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اسے مارنے

کے لیے چلے' آپ ﷺ نے روکا اور فرمایا: عمر! (رضی اللہ عنہ) تمہارے لئے یہ زیادہ مناسب تھا کہ مجھے ادا کرنے کی نصیحت کرتے اور اسے صبر کی۔"

ایک یہودی کا قصہ:

ایک یہودی سے کچھ مال خریدا' وہ قیمت لینے آیا' آپ ﷺ نے فرمایا: "ابھی وعدہ کا دن نہیں آیا۔" وہ شوخ چشمی سے بولا: "تم خاندان عبدالمطلب کے لوگ بہت ٹال مٹول کیا کرتے ہو' اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو غصہ آ گیا وہ اسے مارنے کے لیے دوڑ پڑے' آپ ﷺ نے سب کو روک دیا' اور یہودی جتنا سخت ہوتا گیا' آپ ﷺ اتنے ہی نرم ہوتے گئے' یہاں تک کہ وہ لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پکار اٹھا' اس نے کہا اے اللہ کے رسول! نبوت کی تمام باتیں مجھے آپ میں نظر آتی تھیں' صرف آپ کے حلم کا امتحان باقی تھا' اس وقت مجھے وہی کرنا تھا' اب میں سچے دل سے مسلمان ہوتا ہوں۔

باب: ۲

عبادات کا بیان

1- فصل

ضروریات عبادت

وضو:

رسول اکرم ﷺ ہر نماز کے لئے اکثر الگ وضو کرتے تھے' کبھی ایک ہی وضو سے کئی کئی نمازیں بھی پڑھ لیتے' کبھی ایک مد [1] پانی سے وضو کرتے' کبھی دو ثلث سے' امت کو ہمیشہ وضو میں بھی اسراف سے منع کرتے اور فرماتے: ''وضو کا بھی ایک شیطان ہے جس کا نام ''ولہان'' ہے' لہٰذا پانی کے وسوسوں سے بچو۔''

وضو میں کبھی اعضا ایک ایک مرتبہ دھوتے' کبھی دو دو اور کبھی تین تین مرتبہ' پھر کبھی ایسا بھی کرتے کہ کوئی عضو دو مرتبہ دھوتے اور کوئی تین مرتبہ' لیکن سر کا مسح ہمیشہ ایک ہی مرتبہ کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ کبھی سر کے بعض حصہ پر مسح کیا ہو اور بعض کو چھوڑ دیا ہو بلکہ ہمیشہ پورے سر کا مسح کرتے تھے' حتیٰ کہ اگر کبھی عمامہ بندھا ہونے کی وجہ سے اول سر کا مسح کرتے تو باقی سر کا عمامہ ہی پر سے ہاتھ پھیر کر مسح کر لیتے۔

مسح:

اس باب میں سنت یہ تھی کہ کبھی سر پر مسح کرتے کبھی عمامہ پر' کبھی سر کے اگلے حصہ پر اور باقی عمامہ پر۔ ہر وضو میں کلی اور استنشاق (ناک میں پانی لینا) ضرور کرتے' کبھی اس کے خلاف عمل کرنا ثابت نہیں۔ کبھی کلی اور استنشاق ایک ایک چلو سے اس طرح کر لیتے کہ آدھا کلی میں لے

[1] مد تقریباً ایک سیر کا وزن ہوتا ہے۔

لیتے اور آدھا ناک میں جیسا کہ صحیحین میں سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے۔ ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے لیتے تھے اور بائیں ہاتھ سے صاف کرتے تھے۔ سر کے مسح کے ساتھ اندر باہر کانوں کا بھی مسح کر لیتے تھے' کانوں کے لئے علیحدہ پانی لینا ثابت نہیں۔ اگر خف (چرمی موزے) یا جرابیں پہنے نہ ہوتے۔ تو پاؤں دھوتے ورنہ مسح کرتے تھے' سفر وحضر دونوں حالتوں میں مسح کیا ہے اور وفات تک کبھی اسے منسوخ نہیں بتایا۔ مقیم کے لئے مسح کی مدت ایک دن رات قرار دی ہے اور مسافر کے لئے تین دن رات۔

آپ ﷺ نے خف پر بھی مسح کیا ہے' جرابوں پر بھی اور جوتوں [1] پر بھی۔ وضو ہمیشہ مسلسل اور اپنی پوری ترتیب کے ساتھ ہوتا تھا' ایسا کبھی نہیں ہوا کہ خلاف ترتیب ایک عضو پہلے دھولیا ہو اور دوسرا پیچھے۔ ڈاڑھی اور انگلیوں میں خلال پابندی سے نہ کرتے تھے۔

وضو کا طریقہ:

جب وضو کرنے بیٹھتے تو بِسْمِ اللّٰہِ کہتے اور جب ختم کرتے تو کلمہ شہادت پڑھتے' اس کے علاوہ آگے یا پیچھے کچھ کہنا ثابت نہیں۔ کہنیوں سے اوپر ہاتھ اور ٹخنوں سے اوپر پاؤں کا دھونا منقول نہیں۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وضو کے بعد اعضا کا خشک کرنا بھی ثابت نہیں۔ کبھی وضو خود کر لیتے اور کبھی کوئی دوسرا پانی ڈال دیا کرتا تھا جیسا کہ سیدنا مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے ایک سفر میں وضو کروایا تھا۔ (صحیحین)

تیمم:

صرف ایک مرتبہ ہاتھ مار کر چہرہ اور ہتھیلیوں کا تیمم کر لیتے تھے' دو مرتبہ ہاتھ مارنا یا کہنیوں

[1] اس باب میں لوگوں نے طرح طرح کی شرائط بیان کی ہیں: مثلاً یہ کہ موزے اور جرابیں ایسے ہوں' اتنے دبیز ہوں' پھٹے نہ ہوں...... لیکن شریعت میں ان میں سے کوئی بھی شرط موجود نہیں۔ موزے چمڑے کے ہوں یا اون کے یا سوت کے' سب پر مسح کیا جا سکتا ہے' اسی طرح جوتے پر بھی مسح کرنا جائز ہے' اس باب میں اصلی مصلحت' رفع تکلیف ہے' اگر جوتا ایسا ہے کہ پہننے اور اتارنے میں زحمت ہوتی ہے تو اس پر مسح کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے موزوں اور جرابوں پر مسح ہو سکتا ہے' اگرچہ سوتی ہوں' باریک ہوں' جا بجا سے پھٹے ہوں کیونکہ سنت نبوی میں لوگوں کی خود ساختہ شرائط کا کوئی اعتبار نہیں۔ (مترجم)

تک تیمّم کرنا ثابت نہیں' امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جو کوئی تیمّم کہنیوں تک بتا تا ہے' تو وہ دین میں اپنے دل سے اضافہ کرتا ہے۔ تیمّم ہر اس زمین پر کرتے جس پر نماز پڑھ سکتے تھے' عام اس سے کہ مٹی ہو' لونا ہو' ریت ہو' فرمایا: ''جہاں کہیں میری امت کے آدمی کو نماز کا وقت آ جائے تو اس کے پاس اس کی مسجد اور اس کی طہارت کا سامان موجود ہے۔'' ہر نماز کے لئے تیمّم نہ کرتے اور نہ اس کا حکم ہی دیتے' بلکہ تیمّم کو بالکل وضو کا قائم مقام قرار دیا ہے۔

تیمّم' وضو اور غسل جنابت کا قائم مقام ہے اگر پانی میسر نہ ہو یا حالت مرض و سفر ہو' قرآن میں ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ﴾ (النساء: ۴۳)

''مسلمانو! نشہ کی حالت میں نماز کے پاس بھی نہ جاؤ یہاں تک کہ جو کچھ کہتے ہو اسے سمجھنے لگو' اسی طرح جب نہانے کی حاجت ہو تو بھی نماز کے پاس نہ جاؤ یہاں تک کہ غسل کر لو' مگر ہاں سفر کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے' اگر تم بیمار ہو یا سفر پر ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آئے یا عورت کے پاس گیا ہو اور پانی میسر نہ آئے تو پاک مٹی سے تیمّم کرو اس طرح کہ چہرہ اور ہاتھوں کا اس سے مسح کر لو۔''

2- فصل

احکام اذان

ترجیع اور تکرار:

اذان میں ترجیع اور عدم ترجیع' نیز اقامت میں تکرار (کلمات دو دو مرتبہ) اور افراد (ایک ایک مرتبہ) دونوں ثابت ہیں سوائے (اقامت میں) لفظ "قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ" کے جو ہمیشہ مکرر ہی کہا جاتا تھا' نیز اذان میں تکبیر اللہ اکبر کہ جس کا ہمیشہ چار مرتبہ اعادہ کرنا ثابت ہے۔ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عہد نبوی میں اذان کے الفاظ دو دو مرتبہ اور تکبیر کے ایک ایک مرتبہ کہے جاتے تھے سوائے "قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةُ" کے یہ الفاظ مکرر کہتے تھے۔ یہ تمام صورتیں جائز ہیں' کسی میں کوئی کراہت نہیں اگرچہ بعض بعض سے افضل ہیں۔

اذان کے دوران اور اس کے بعد کیا کہا جائے؟

اس کے بارہ میں پانچ طریقے مروی ہیں:

(۱) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ سوائے حَيَّ عَلَى الصَّلٰوة اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاح کے' جن کے بجائے لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰه کہنا چاہیے۔

(۲) یہ کہا جائے۔

((رَضِیْتُ بِاللّٰهِ رَبًّا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَ بِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا))

"میں اللہ تعالیٰ کو رب بنانے' اسلام کو بطور دین قبول کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے سے راضی ہوں۔"

(۳) مؤذن کے الفاظ کا اعادہ کرنے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وہ درود بھیجے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بتایا ہے اور جس سے بہتر کوئی درود نہیں' اگرچہ لوگ کتنی ہی لفاظیاں کریں۔

(۴) درود کے بعد کہے:

((اَللّٰھُمَّ رَبَّ ھٰذِہِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِیْلَةَ وَالْفَضِیْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا نِ الَّذِیْ وَعَدْتَّهٗ))

''اے میرے اللہ! اس دعوت تامہ اور صلاۃ قائمہ کے مربی! محمد ﷺ کو وسیلہ اور فضیلت بخش اور اس مقام محمود میں انہیں اٹھا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''

(۵) درود کے بعد اپنے حق میں دعا کرے اور فضل الٰہی کا ملتمس ہو' اذان اور اقامت کے درمیان دعا مسترد نہیں ہوتی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا' تو ہم کیا دعا مانگا کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''دنیا و آخرت میں عافیت طلب کرو۔''

ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوةَ سن کر اَقَامَهَا اللّٰهُ وَاَدَامَهَا۔ کہے ''یعنی اللہ تعالیٰ اسے قائم و دائم رکھے۔'' لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔

3- فصل

احکام نماز ❶ پنجگانہ

تکبیر ونیت:

جب نماز شروع کرتے تو صرف "اللہ اکبر" کہتے' اس سے پہلے اور کچھ نہ کہتے' حتیٰ کہ نیت کے مروجہ الفاظ مثلاً "نیت کرتا ہوں چار رکعات نماز کی قبلہ رخ ہو کر یا مقتدی اور امام ہو کر' یا فرض نماز کی یا سنت کی' یا قضا کی یا ادا کی۔" زبان سے ادا نہ فرمائے۔ غرضیکہ اس طرح کی کوئی بات نہ

❶ نماز کے فوائد بے شمار ہیں' اس سے لوگوں میں نظم پیدا ہوتا ہے' چستی و چالاکی آتی ہے' پابندی اوقات اور ایفائے عہد کی عادت پڑتی ہے' نماز کی صفوں کا اتحاد دلوں میں اتحاد پیدا کرتا ہے' اور جنگ کی صفوں کو طاقت بخشتا ہے' صرف یہی نہیں بلکہ نمازی اپنے بھائیوں کے ساتھ صف میں کھڑے ہو کر اپنے تئیں ایک بڑی برادری کا فرد' اور طاقتور جسم کا عضو سمجھتا ہے' پھر اس کے ذریعہ جماعت سے انس پیدا ہوتا ہے جو ہر قسم کی ترقیوں اور نیکیوں کی بنیاد ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہی کے ذریعہ بندے اور اللہ تعالیٰ میں محسوس تعلق پیدا ہوتا ہے' بندہ اپنے مولا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے' اس کی آیات تلاوت کرتا ہے' ان میں غور و فکر کرتا ہے' اٹھتا ہے' بیٹھتا ہے اور نماز کے جملہ ارکان اس احساس کے ساتھ ادا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھتا اور میری ہر حرکت کا نگراں ہے' تو اس احساس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کے قلب میں خشیت و محبت الٰہی کی نشو و نما ہوتی ہے اور بتدریج نماز اس کیلئے زندگی کا سب سے زیادہ پسندیدہ مشغلہ اور برائیوں سے بچنے کیلئے ایک مضبوط سپر بن جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ۝﴾ (العنكبوت: ٤٥)

"اور نماز قائم کرو' نماز فواحش اور برائیوں سے روکتی ہے' بیشک اللہ تعالیٰ کا ذکر بڑی چیز ہے اور جو کچھ لوگ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سب جانتا ہے۔"

نماز سے اخلاق درست ہوتے ہیں' جسم پاک ہوتے ہیں' لباس' جگہ اور ماحول کی صفائی رہتی ہے' لوگوں میں ہمت و نشاط پیدا ہوتی ہے' نیکی کی ترغیب' بدی سے نفرت' باہمی اتحاد قلب میں اعلیٰ جذبات اور اعلیٰ خیالات کی نشو و نما غرض کہ بے شمار دینی و دنیاوی فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ۝﴾ (البقرة: ٤٥)

"صبر و صلوٰۃ سے اپنے معاملات میں استعانت حاصل کرو' نماز بڑا بوجھ ہے لیکن ان ⇦ ⇦ ⇦

کہتے کیونکہ یہ تمام الفاظ بدعت ہیں جن میں سے کسی ایک لفظ کو بھی کسی شخص نے روایت نہیں کیا' نہ صحیح اسناد سے نہ ضعیف سے' بلکہ کسی صحابی یا تابعی سے بھی مروی نہیں' حتیٰ کہ ائمہ اربعہ رحمہم اللہ میں سے بھی کسی نے اس کی تحسین نہیں کی۔

⇦⇦⇦ لوگوں کے لیے نہیں جن کے اندر خشیت الٰہی ہے اور جو سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے اور اس کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔''

اس بنا پر اس زندگی میں کوئی شخص بھی نماز سے مستغنی نہیں ہو سکتا' لیکن بعض لوگوں نے نماز چھوڑ دی ہے' کیونکہ وہ اس کے فوائد سے ناواقف اور موجودہ دور کے اکثر نمازیوں کے حالات دیکھ کر مایوس ہو گئے ہیں کہ جن کے نہ تو اخلاق ہی درست ہوئے اور نہ ظاہری و باطنی زندگی ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہوئی۔ مگر اس میں نماز کا کیا قصور؟ یہ لوگ تو ان نمازیوں میں سے ہیں جن کے بارہ میں قرآن کہتا ہے:

﴿فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ٥ الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ٥ الَّذِينَ هُمْ يُرَاءُونَ٥ وَيَمْنَعُونَ الْمَاعُونَ٥﴾ (الماعون: ۴۔۷)

''ان نمازیوں کے لئے ہلاکت ہے جو اپنی نمازوں میں غافل رہتے ہیں اور محض دکھلاوے کی نمازیں پڑھتے ہیں۔'' الخ

یہ لوگ نمازیں کیا پڑھتے ہیں' ٹکریں لگاتے ہیں' نہ نماز کے معنی سمجھتے ہیں نہ اس کے ارکان کا مطلب جانتے ہیں' نہ قرآن میں کبھی غور وفکر کرتے ہیں' صرف اٹھنا بیٹھنا سیکھ لیا ہے' فقہی شروط کی پابندی پیش نظر رہتی ہے' ظواہر سے سروکار رکھتے ہیں' مغز سے ناآشنا ہیں' نتیجہ یہ ہوا ہے کہ نماز انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتی اور فوز وفلاح کی راہیں ان پر نہیں کھلتیں' حالانکہ ان کی نماز اگر حقیقی نماز ہوتی تو دین ودنیا کی برکتوں کا موجب بنتی۔ قرآن میں ہے۔

﴿قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ٥ الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ٥﴾ الخ (المؤمنون: ۱۔۲)

''البتہ فلاح یاب ہوئے وہ مومن جو اپنی نمازیں خشوع سے ادا کرتے ہیں۔''

نماز کے لئے متعدد ومعین اوقات ہونے میں بھی بڑی حکمت ہے' اور وہ یہ کہ لوگ دنیا میں مشغول رہیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بعد آ کر اللہ تعالیٰ کے حضور جھک جائیں تاکہ اعمال دنیا کی وجہ سے جو کثافتیں قلب پر آ گئی ہوں' وہ ذکر الٰہی سے دور ہو جائیں اور قلوب پھر از سر نو تر وتازہ' پاک صاف اور ہر نیکی وخیر کے لئے مستعد ہو جائیں۔ اس بنا پر اوقات کی پابندی کے ساتھ نمازوں کا ادا کرنا ضروری ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے اوقات کا ذکر قرآن میں نہیں' حالانکہ قرآن نے نہ صرف اوقات بتا دیئے بلکہ نماز کے ارکان: قیام' قرأت' تسبیح و تقدیس' رکوع وسجود کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا٥﴾ (النساء: ۱۰۳)

''نماز مومنوں پر وقت کی قید کے ساتھ فرض ہے۔'' ⇦⇦⇦

⇦⇦⇦ دوسرے مقام پر فرمایا:

﴿اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰی غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۷۸)

''آفتاب کے ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک نماز پڑھا کرو نیز فجر کے وقت کا قرآن (نماز) بھی کیونکہ فجر کا قرآن دیکھا جاتا ہے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے)''

ایک مقام پر فرمایا:

﴿وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ﴾ (هود: ۱۱٤)

''دن کے دونوں سروں اور اوائل شب میں نماز پڑھا کرو نیکیاں بدیوں کو دور کر دیتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے والوں کے لئے یہ نصیحت ہے۔''

اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ مِّنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِيْنَ تَضَعُوْنَ ثِيَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ﴾ (النور: ۵۸)

''اے ایمان والو! تمہارے گھر کے لونڈی غلام اور تمہارے گھر کے نابالغ بچے اندر آتے ہوئے تین اوقات میں تم سے اجازت لیا کریں نماز فجر سے پہلے دوپہر کو جب تم کپڑے اتار دیتے ہو اور نماز عشاء کے بعد یہ تین اوقات تمہارے پردہ کے وقت ہیں۔''

باری تعالیٰ نے فرمایا:

﴿فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَ حِيْنَ تُصْبِحُوْنَ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ﴾ (الروم: ۱۷ - ۱۸)

''جب شام ہو اور جب صبح ہو اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرو آسمان و زمین میں صرف وہی تو تعریف کے لائق ہے نیز دوپہر اور تیسرے پہر کو اس کی تقدیس کرو۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ﴾ (العصر: ۱ - ۲)

''عصر کی قسم کہ تمام آدمی گھاٹے میں ہیں۔''

رب کریم نے فرمایا:

﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ﴾ (طه: ۱۳۰) ⇦⇦⇦

طریقہ تکبیر:

آپ ﷺ تکبیر کے لئے اپنے دونوں ہاتھ کاندھوں یا کانوں تک اس طرح اٹھاتے کہ انگلیاں پھیلی رہتیں' پھر دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھ لیتے اور نماز شروع کر دیتے۔

نماز شروع کرنے کی دعائیں:

نماز کا آغاز مختلف دعاؤں سے کرتے تھے' کبھی فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِيْ وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَّ بَيْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ))

''الٰہی! میرے اور میری خطاؤں کے مابین اتنی ہی دوری کر دے جتنی کہ مشرق اور مغرب کے مابین ہے۔'' کبھی کہتے:

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۝﴾ (الانعام: ۷۹)

⇦⇦ ''آفتاب کے نکلنے اور ڈوبنے سے پہلے پروردگار کی تسبیح کرو' نیز رات کے وقت میں اور دن کے لگ بھگ بھی اس کی تسبیح کرو۔''

خالق کائنات کا فرمان ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝﴾ (الحج: ۷۷)

''مسلمانو! رکوع کرو سجدہ کرو' اپنے پروردگار کی پرستش کرو اور نیکی کرو تا کہ فلاح یاب ہو۔''

مالک ارض وسماء کا مطالبہ ہے:

﴿وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ۝﴾ (البقرة: ۴۳)

''نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔''

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَ الصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ۝﴾ (البقرة: ۲۳۸)

''نمازوں کی پابندی کرو' خصوصاً درمیانی نماز کی اور اللہ تعالیٰ کیلئے سکوت وخشوع سے کھڑے ہو۔''

قرآن نے نماز کی پوری تفصیل اس لئے بیان نہیں کی کہ یہ چیز سراسر عمل سے تعلق رکھتی ہے' زبانی سمجھانے سے نہ تو سمجھ میں آ سکتی ہے اور نہ سمجھنا کچھ مفید ہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو زندہ شریعت بنا کر بھیجا تا کہ اپنے عمل سے دنیا کو ہدایت کرے' چنانچہ آپ ﷺ نے عمل کر کے دکھایا کہ اس طرح نماز پڑھنا چاہیے' امت نے اسے یاد کر لیا اور شروع سے اب تک برابر اسی پر عمل پیرا ہے۔ (ابوزید مترجم)

''میں نے اپنا رخ ہر طرف سے پھیر کر اس ذات کی طرف کر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو بنایا ہے' پس میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔''

کبھی کہتے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۝ لَا شَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۝﴾ (الانعام: ۱۶۲۔ ۱۶۳)

''میری دعا' میری عبادت' میری زندگی اور موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے کہ جس کا کوئی شریک نہیں' اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔''

اصحاب سنن کی روایت ہے کہ نماز اس تسبیح سے شروع کرتے تھے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ وَتَبَارَكَ اسْمُكَ وَتَعَالٰى جَدُّكَ وَلَا اِلٰهَ غَيْرُكَ))

''تقدیس ہو الٰہی تیری' شکر ہو تیرے لئے' بڑا ہو گیا نام تیرا اور بلند ہوا مرتبہ تیرا تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلی پر کھڑے ہو کر اسی آخری دعا سے نماز شروع کرتے اور اسے بآواز بلند کہتے (تاکہ لوگوں کو معلوم ہو جائے) اس کے بعد کہتے: أَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پھر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کہتے جو کبھی بآواز بلند ہوتی اور کبھی آہستہ سے۔ پھر سورۂ فاتحہ پڑھتے' ہر آیت پر ٹھہرتے اور آخری حرف کو کھینچ کر پڑھتے۔

آمین:

جب سورۃ فاتحہ ختم ہو جاتی تو اگر نماز ایسی ہوتی جس میں قرأت آواز سے کی جاتی ہے تو ''آمین'' بھی آواز سے کہتے ورنہ آہستہ سے۔ مقتدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین سن کر خود بھی بلند آواز سے اس کا اعادہ کرتے تھے۔

پہلی رکعت میں دو سکتے کرتے تھے' ایک تکبیر اولیٰ کے بعد اور دوسرا سورۂ فاتحہ کے خاتمہ پر' پھر کوئی سورت شروع کرتے جو کبھی طویل ہوتی اور کبھی مختصر' لیکن عموماً متوسط درجہ کی سورتیں پڑھتے

تھے الا یہ کہ سفر ہو یا اور کوئی عذر پیش آ جائے تو مجبوراً چھوٹی سورتیں تلاوت کرتے۔

قرأت:

نماز فجر میں قرأت سب نمازوں سے زیادہ لمبی ہوتی تھی' جمعہ کے دن فجر کی نماز میں اکثر آلم السجدہ اور هَلْ اَتٰی عَلَی الْاِنْسَانِ عیدین اور کبھی جمعہ میں سورۂ ق' اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ' سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ اور الغاشیہ پڑھتے تھے' یہ اس لئے کہ ان سورتوں میں خلق کائنات' خلق آدم' حالات جنت و دوزخ' غرضیکہ متعدد مہتم بالشان مطالب آ گئے ہیں جن کا جمعہ اور عیدین جیسے اجتماع میں دہرانا ہر طرح انسب ہے۔ جمعہ اور عیدین کے علاوہ باقی نمازوں میں معین کر کے سورتیں نہ پڑھتے تھے بلکہ مختلف سورتیں تلاوت کرتے تھے' چنانچہ ابوداؤد میں سیدنا عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ مفصلات میں کوئی چھوٹی بڑی سورت ایسی نہیں جو میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے فرض نمازوں میں نہ سنی ہو۔

طریقہ ادائے نماز:

پہلی رکعت ہمیشہ دوسری رکعت سے بڑی ہوتی تھی' جب قرأۃ ختم ہوتی تو اتنا توقف کرتے کہ دم لے لیں' پھر ہاتھ اٹھا کر تکبیر کہتے اور رکوع میں چلے جاتے' رکوع کی صورت یہ تھی کہ ہاتھوں کے دونوں پنچے گھٹنوں پر اس طرح رکھتے تھے گویا انہیں پکڑے ہیں' دونوں ہاتھوں کو پہلوؤں سے الگ رکھتے تھے' پیٹھ بالکل سیدھی رہتی تھی' سر نہ بہت اٹھا ہوا ہوتا تھا اور نہ بہت جھکا ہوا بلکہ پیٹھ کی سیدھ میں رہتا تھا' رکوع میں:

((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمُ))

''پاک ہے میرا پروردگار عظمت والا۔'' کہتے

اور کبھی اتنا اضافہ اور کر دیتے:

((سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي))

''پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار! اور پاک ہے تو اپنی تحمید و تقدیس کے ساتھ الٰہی! مجھے بخش دے۔''

رکوع و سجود:

رکوع و سجود اتنا دراز ہوتا تھا کہ آدمی دس مرتبہ سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيْمُ کہہ سکے۔ اصحاب سنن کی روایت ہے کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے پیچھے نماز پڑھی تو کہنے لگے ''اس نوجوان کی نماز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے اس قدر مشابہ ہے کہ میں نے اور کسی کی نہیں دیکھی۔'' راوی کہتا ہے کہ اس پر ہم نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے رکوع و سجود کا اندازہ کیا تو معلوم ہوا کہ ان میں سے ہر ایک دس تسبیحات کے برابر ہے۔

قومہ کے ارکان:

جب رکوع ختم ہو جاتا تو سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہتے ہوئے سر اٹھاتے' نیز رفع یدین کرتے' رکوع سے پہلے اور پیچھے رفع یدین کرنا نہایت صحیح اور بکثرت احادیث سے ثابت ہے۔ تقریباً تیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے روایت کیا ہے جن میں عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم بھی داخل ہیں اور اس کے خلاف ایک حدیث بھی ثابت نہیں۔ [1]

رکوع سے اٹھ کر جب پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو کہتے: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ اور کبھی کہتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ اس میں وَلَكَ الْحَمْدُ واؤ کے ساتھ نہ کہتے تھے۔

یہ قیام بھی اتنا ہی دراز ہوتا تھا جتنا رکوع و سجود' اثنائے قیام میں یہ دعا پڑھتے:

((سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ. اَللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ مِلْءَ السَّمٰوَاتِ وَمِلْءَ الْاَرْضِ وَمِلْءَ مَا بَيْنَهُمَا وَمِلْءَ مَا شِئْتَ مِنْ شَيْءٍ بَعْدُ أَهْلَ الثَّنَاءِ وَالْمَجْدِ أَحَقُّ مَا قَالَ الْعَبْدُ. وَكُلُّنَا لَكَ عَبْدٌ. اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

''سن لی اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی تعریف جس نے اس کی تحمید و تقدیس بیان کی' اے

---

[1] رفع یدین ارکان نماز میں سے نہیں' اس کا کرنا نہ کرنا برابر ہے' نماز کی صحت پر اس سے کوئی اثر نہیں پڑتا' لیکن سوال یہ ہے کہ جب وہ اتنی قوت و کثرت سے ثابت ہے تو تمام مسلمان کیوں نہیں کرتے؟ جب اللہ کا رسول پابندی سے رفع یدین کیا کرتا تھا تو ہمارا اس کے خلاف پابندی سے نہ عمل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ (مترجم)

ہمارے پروردگار تیرے ہی لائق ہے تعریف آسمانوں کے برابر' اور زمین کے برابر اور اس چیز کے برابر جو تو زمین وآسمان کی وسعت کے بعد بھی پسند کرے۔ تیرے لئے ہی تعریف و بزرگی شایاں ہے جو ایک بندہ کہہ سکتا ہے اور ہم سب تیرے ہی بندے ہیں۔ الٰہی! تیری عنایات کو کوئی روک نہیں سکتا اور جو چیز تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اور دولت مند کو اس کی دولت تیرے عذاب سے روک نہیں سکتی۔''

نیز یہ دعا بھی ثابت ہے:

((اَللّٰھُمَّ اغْسِلْنِیْ مِنْ خَطَایَایَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّنِیْ مِنَ الذُّنُوْبِ وَالْخَطَایَا کَمَا یُنَقَّی الثَّوْبُ الْاَبْیَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَبَاعِدْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ خَطَایَایَ کَمَا بَاعَدْتَّ بَیْنَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ))

''الٰہی تو میرے گناہوں کو پانی' برف اور اولے سے دھو ڈال اور مجھے میرے گناہوں اور خطاؤں سے اس طرح پاک کر دے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک کیا جاتا ہے اور الٰہی! میرے اور گناہوں کے درمیان اس طرح دوری کر دے جیسے مشرق اور مغرب دور دور ہیں۔''

سجدہ کے آداب:

قومہ کی دعا کے بعد تکبیر کہتے اور سجدہ میں بغیر رفع یدین کئے چلے جاتے' سجدہ کا طریقہ یہ تھا کہ زمین پر پہلے گھٹنے رکھتے تھے' پھر پیشانی اور ناک' یہی طریقہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور اس کے خلاف کوئی روایت موجود نہیں۔

سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سجدہ کرتے دیکھا ہے کہ پہلے گھٹنے ٹیکتے' پھر ہاتھ رکھتے اور جب اٹھنے لگتے تو ہاتھ پہلے اٹھاتے اور گھٹنے اس کے بعد۔''

سجدہ میں پیشانی اور ناک پوری طرح زمین پر رکھ دیتے' ہاتھ پہلوؤں سے الگ رہتے اور پنجے شانوں اور کانوں کی سیدھ میں ہوتے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جب سجدہ کرو تو ہتھیلیاں زمین پر رکھو اور کہنیاں اٹھائے رہو۔'' سجدہ میں پیٹھ سیدھی رہتی' دونوں پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلہ کی طرف ہوتے' ہتھیلیاں اور انگلیاں پھیلا دیتے' انگلیاں نہ باہم ملی ہوتیں نہ بالکل الگ الگ۔ لیکن ابن حبان کی روایت میں ہے کہ رکوع میں انگلیاں کھول دیتے تھے اور سجدہ میں ملائے رہتے تھے۔

سجدہ کی دعا:

سجدہ میں کہتے:

((سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى۔ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ))

''میرا پروردگار سب سے برتر اور پاک ہے پاک ہے تو اے ہمارے پروردگار اپنی تحمید وتقدیس کے ساتھ الٰہی! مجھے بخش دے۔''

اور فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَعُوْذُبِكَ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَأَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ أَنْتَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ))

''الٰہی! بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیرے غصہ سے تیری رضا جوئی کا واسطہ دے کر' اور پناہ مانگتا ہوں تیرے عذاب سے تیری معافی اور درگذر کا واسطہ دے کر' اور میں پناہ مانگتا ہوں تیری شخصیت سے تیری ہی ذات کا واسطہ دے کر' نہیں شمار کر سکتا میں تیری تعریف' تیری ذات ویسی ہی ہے جیسی تو نے اپنی شخصیت کی تعریف کی ہے۔''

اور فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي خَطِيْئَتِي وَجَهْلِيْ وَإِسْرَافِيْ فِيْ أَمْرِيْ وَمَا أَنْتَ أَعْلَمُ بِهٖ مِنِّيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي جِدِّيْ وَهَزْلِيْ وَخَطَائِيْ وَعَمَدِيْ وَكُلُّ ذٰلِكَ عِنْدِيْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِي مَا قَدَّمْتُ وَمَا أَخَّرْتُ وَمَا أَسْرَرْتُ وَمَا أَعْلَنْتُ، أَنْتَ الْمُقَدِّمُ وَأَنْتَ الْمُؤَخِّرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ))

''الٰہی! تو مجھے میری خطا اور نادانی بخش دے اور میری زیادتی میرے کام میں معاف کر دے اور میرا گناہ بھی بخش دے جو تو مجھ سے زیادہ جانتا ہے کہ وہ میرا گناہ ہے۔

الٰہی! میری کوشش' میری ہنسی' میری چوک اور میرا ارادہ اور ہر ایک عیب جو مجھ میں موجود ہے بخش دے۔ الٰہی! میرا وہ گناہ بھی بخش دے جو میں نے پہلے کیا اور پیچھے کیا اور جو میں نے ظاہر کیا اور جو چھپا کر کیا تو ہی میرا معبود ہے' تیرے علاوہ کوئی معبود نہیں۔"

سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت:

سجدہ کی دعا کے متعلق ہدایت فرمائی ہے کہ خوب گڑگڑا کر مانگو۔ جب قیام دراز ہوتا تو رکوع و سجود بھی دراز کرتے اور جب مختصر ہوتا تو اسے بھی اسی مناسبت سے مختصر کر دیتے۔ سجدہ سے تکبیر کہتے ہوئے اٹھتے' پھر بایاں پاؤں بچھا دیتے اور اس پر بیٹھ جاتے' دایاں پاؤں کھڑا رہتا' ہاتھ رانوں پر اس طرح رکھتے کہ کہنیاں بھی رانوں پر رہتیں' پنجے' گھٹنوں پر ہوتے۔

رفع سبابہ:

سجدہ سے اٹھ کر تشہد کے لئے بیٹھتے تو دو انگلیاں مٹھی میں لے لیتے اور حلقہ بنا کر انگشت شہادت اٹھاتے' ہلاتے اور دعا کرتے۔ سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی روایت اسی طرح ہے۔

قعدہ:

دونوں سجدوں کے مابین اتنی دیر بیٹھتے جتنی دیر سجدہ میں لگتی اور اس جلوس میں فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِيْ وَارْحَمْنِيْ وَاجْبُرْنِيْ وَاهْدِنِيْ وَارْزُقْنِيْ))

"الٰہی! میری مغفرت کر' مجھ پر رحم کر' میری مدد کر' مجھے ہدایت بخش اور رزق عطا فرما۔"

پھر کھڑے ہوتے تو پاؤں کے پنجوں اور گھٹنوں پر اس طرح اٹھتے کہ بوجھ رانوں پر رہتا' زمین پر ہاتھ ٹیک کے اٹھنے کی عادت نہ تھی۔

تشہد کے آداب:

جب کھڑے ہوتے تو بلا توقف قراۃ شروع کر دیتے' دوسری رکعت پہلی رکعت سے چھوٹی ہوتی تھی۔ جب التحیات کے لئے بیٹھتے تو بایاں ہاتھ بائیں ران پر اور دایاں دائیں ران پر رکھتے' پھر انگشت شہادت سے اشارہ کرتے' اسے خم دیتے' حرکت دیتے' چھنگلیا اور اس کے بعد کی انگلی مٹھی میں ہوتی' بیچ کی انگلی اور انگوٹھے سے حلقہ بنا لیتے' صرف شہادت کی انگلی باہر نکلی رہتی' اس پر

نظر جما دیتے آہستہ آہستہ ہلاتے اور دعا کرتے۔ بایاں ہاتھ اور اس کی انگلیاں بدستور اپنی حالت پر رہتیں۔ اس موقع پر نشست بالکل ویسی ہوتی جیسی سجدہ کے بعد۔ صحیحین میں ہے کہ "جب نبی ﷺ دوسری رکعت میں بیٹھتے تو بایاں پاؤں بچھاتے اور دایاں کھڑا کرتے' لیکن جب آخری رکعت میں بیٹھتے تو دایاں پاؤں مثل سابق کے کھڑا کر دیتے لیکن' بایاں پاؤں آخری تشہد میں اس کے نیچے سے باہر نکال دیتے اور جسم (مقعد) کو زمین پر رکھ کے بیٹھ جاتے۔

پہلے تشہد کی دعا:

پہلے تشہد کی نشست میں یہ دعا پڑھتے:

((اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوٰتُ وَ الطَّيِّبٰتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِاللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ))

"تمام کی تمام عبادات (زبانی' مالی بدنی) سب اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ اے نبی! سلام ہو تجھ پر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں ہوں ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے تمام نیک بندوں پر سلام ہو' میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔"

اس تشہد کو بہت جلد ختم کر کے تکبیر کہتے اور رفع یدین کرتے ہوئے کھڑے ہو جاتے باقی دونوں رکعتوں میں سورۂ فاتحہ کے علاوہ اور کوئی سورت نہ پڑھتے۔

دوسرا تشہد:

چوتھی رکعت میں بیٹھتے تو التحیات میں کلمہ شہادت کے بعد اپنے اور اپنی آل پر درود بھیجتے' قبر اور دوزخ کے عذاب' موت وحیات اور مسیح دجال کے فتنوں سے پناہ مانگتے' پھر دائیں اور بائیں جانب یہ کہتے ہوئے سلام پھیرتے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ))

"تم پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور برکت نازل ہو۔"

نماز کے عام آداب:

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ نماز میں سر جھکا کر کھڑے ہوتے تھے' آنکھیں بند نہ کرتے تھے' نظر سجدہ گاہ پر رہتی تھی' صرف التحیات میں کلمہ شہادت پڑھتے وقت انگشت شہادت کو دیکھتے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ کی دلی مسرت نماز میں تھی۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کہا کرتے تھے ''اے بلال! نماز کے لئے اذان دے کر ہمیں تسکین دو۔''

اختصار وطوالتِ نماز:

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ طویل نماز کا ارادہ سے نیت باندھتے' مگر درمیان میں کسی بچہ کے رونے کی آواز آجاتی تو نماز مختصر کر دیتے' مبادا صف میں اس کی ماں کو تکلیف ہو رہی ہو۔ کبھی امامہ بنت ابی العاص (اپنی نواسی) کو کاندھے پر اٹھائے اس طرح نماز پڑھتے کہ جب کھڑے ہوتے انہیں اٹھا لیتے' اور جب رکوع وسجود میں جانے لگتے تو اتار کر زمین پر بٹھا دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حسن یا حسین (رضی اللہ عنہما) کھیلتے کھیلتے آجاتے' آپ سجدہ میں ہوتے' وہ پشت مبارک پر سوار ہو جاتے' تو آپ ان کے گرنے کے ڈر سے سجدہ دراز کر دیتے۔

حضورِ قلب کی عجیب مثال:

ایک مرتبہ یہ ہوا کہ ایک سوار کو کوئی خبر لانے کے لئے بھیجا' پھر نماز کے لئے کھڑے ہوئے' مگر برابر اس گھاٹی کی طرف پھر پھر کر دیکھتے رہے جس سے سوار واپس آنے والا تھا۔ لیکن اس سے نہ خشوع وخضوع میں فرق آیا اور نہ جماعت کے کسی رکن میں کوئی خلل پڑا یہ چیز قلب اور توجہ الی اللہ کی عجیب مثال ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا باہر گئی ہوتیں' دروازہ بند ہوتا' آپ ﷺ نماز پڑھتے ہوتے' اس اثنا میں وہ واپس آتیں تو آپ ﷺ چل کر دروازہ کھول دیتے اور نماز کی نیت بدستور بندھی رہتی۔

نماز میں سلام کا جواب:

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ آپ نماز میں ہوتے اور کوئی سلام کہتا تو آپ اشارہ سے جواب دیدیتے۔

صحیح مسلم میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کام پر بھیجا، میں واپس آیا تو آپ نماز میں مشغول تھے، میں نے سلام کہا تو آپ نے اشارہ سے جواب دے دیا۔"

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ہاتھ کے اشارہ سے جواب دیتے تھے۔ بیہقی میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں حبش سے ایسے وقت واپس پہنچا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں تھے، میں نے سلام کہا تو آپ نے سر کے اشارہ سے جواب دیا۔

مزید توضیح:

اکثر ایسا بھی ہوتا کہ رات کو حجرہ میں نماز پڑھتے، ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سامنے سجدہ گاہ پر سوئی ہوتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جانے لگتے تو ان کے پہلو میں انگلی مارتے، وہ پاؤں سمیٹ لیتیں، اور جب کھڑے ہو جاتے تو وہ اپنے پاؤں پھیلا دیتیں۔ کبھی منبر پر نماز شروع کرتے، رکوع بھی اسی پر کرتے، صرف سجدہ کے لئے نیچے اتر آتے اور پھر اوپر چلے جاتے۔

ایک مرتبہ نماز پڑھ رہے تھے، دیوار سامنے تھی، ایک بکری آئی اور سامنے سے گذرنے لگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے برابر روکتے، ٹالتے اور پھسلاتے رہے، یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل دیوار سے جا لگے اور بکری پیچھے سے نکل گئی۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نماز پڑھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لڑکیوں کو باہم لڑتے دیکھا (فوراً) آگے بڑھے، انہیں پکڑ کر الگ الگ کر دیا اور پھر بدستور نماز پڑھنے لگے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ خدمت اقدس میں حاضر ہونے کا میرے لئے ایک وقت مقرر تھا، میں جاتا اور اجازت چاہتا، اگر آپ نماز میں ہوتے تو کھنکھار دیتے اور میں اندر آ جاتا، اگر نماز میں نہ ہوتے تو زبان سے اجازت دے دیتے۔ (احمد و نسائی)

پاپوش سمیت نماز:

کبھی برہنہ پاؤں نماز پڑھتے، کبھی جوتہ پہن کر، بلکہ حکم دیا ہے کہ یہودیوں کی مخالفت کے لئے جوتہ پہن کر نماز پڑھو۔ ❶

دعائے قنوت:

نبی ﷺ مصیبت کے وقت نماز میں قنوت پڑھتے تھے، جس میں اپنی امت کے لئے دعا اور دشمنوں کے حق میں بددعا کرتے تھے، جب ضرورت رفع ہو جاتی تو قنوت بھی ترک کر دیتے تھے۔ (بخاری و مسلم) عموماً فجر اور مغرب کی نمازوں میں قنوت کرتے تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کامل ایک ماہ تک ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازوں میں دعائے قنوت پڑھی، آخری رکعت میں

---

❶ فقہا نے ان باتوں کی ایک لمبی چوڑی فہرست دی ہے جن سے نماز باطل یا مکروہ ہو جاتی ہے، منجملہ ان کے ایک قصداً کھنکارنا اور اشارہ کرنا بھی ہے، مگر نماز میں رسول اللہ ﷺ کے ان افعال کی وہ کیا تاویل کریں گے؟ بہت سے مولوی جوتا پہن کر نماز پڑھنے کی ممانعت کرتے ہیں اور اسے ایک بدعت قرار دیتے ہیں، حالانکہ وہ بدعت نہیں، خود رسول اللہ ﷺ نے جوتا پہن کر نماز پڑھی ہے اور دوسروں کو ایسا کرنے کا حکم دیا ہے جیسا کہ بخاری وغیرہ کتب حدیث میں بالتصریح موجود ہے (بلکہ ائمہ رحمہم اللہ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ جوتا پہن کر نماز پڑھنا ہی سنت ہے۔ مترجم) حتیٰ کہ تفسیر ماثور کے ناقلین نے آیت:

﴿يَا بَنِي آدَمَ خُذُوا زِينَتَكُمْ عِندَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ (الاعراف: ۳۱)

''اے بنی آدم! مساجد میں پوری زینت کے ساتھ آیا کرو۔''

''زینت'' سے مراد نماز میں جوتا پہننا بتایا ہے بعض لوگ جوتا کے ساتھ نماز پڑھنے کو اس لئے ناپسند کرتے ہیں کہ جوتے میں وقت بے وقت نجاست لگی رہتی ہے، لیکن انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ زمین پر رگڑ دینے سے جوتا پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے: ''جب مسجد میں آؤ تو الٹ کر جوتا دیکھ لو اگر نجاست لگی ہو تو زمین پر رگڑ دو اور انہیں پہن کر نماز پڑھو۔'' (ابوداؤد و احمد) دوسری حدیث میں ہے: ''اگر جوتے میں نجاست لگ جائے تو اس کے لئے مٹی طہارت ہے۔'' (ابوداؤد) ''ابوزید''۔

لوگوں کو حیرت ہوگی کہ جب یہ تمام باتیں حدیث میں موجود ہیں تو علماء ان پر عمل کیوں نہیں کرتے؟ لیکن یہ حیرت بالکل بے جا ہے کیونکہ کتنے ''عالم'' ہیں جنہوں نے صحیح طور پر حدیث پڑھی ہے؟ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ آج کل عالم ہونے کے لئے بس یہ کافی ہے کہ فقہ کی چند کتب پڑھ لی جائیں اور بس؟ (مترجم)

سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کے بعد دعا شروع کرتے تھے‘ جس میں بنی سلیم کے ایک قبیلہ کو بددعا دیتے اور مقتدی آمین کہتے تھے۔ ابوداؤد وغیرہ نے بھی اس کا ذکر کیا ہے‘ اور یہی ثابت بھی ہے کہ کسی خاص ضرورت ہی پر نمازوں میں اس طرح کی قنوت کرتے تھے‘ ورنہ دائمی طور پر جو دعائے قنوت پڑھتے تھے اس سے صرف حمد وثنا مقصود ہوتی تھی۔

نماز کے بعد کی دعائیں:

سلام کے بعد تین مرتبہ استغفار کرتے اور فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْكَ السَّلَامُ تَبَارَكْتَ يَاذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ))

”الٰہی! تو ہی سلامتی والا ہے اور تجھ ہی سے سلامتی ہے‘ اے صاحب بزرگی وعزت‘ تو ہی بابرکت ہے۔“

یہ الفاظ قبلہ رخ کہتے تھے‘ پھر فوراً مقتدیوں کی جانب متوجہ ہو جاتے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا بائیں پہلو سے مڑتے دیکھا ہے۔ (صحیحین) سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ دائیں پہلو سے مڑتے تھے۔ (مسلم) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کبھی بائیں پہلو سے مڑتے تھے اور کبھی دائیں سے۔ جب مقتدیوں کی طرف گھومتے تھے تو پوری طرح گھومتے تھے‘ یہ نہ ہوتا تھا کہ ایک گروہ کی طرف پھرتے اور دوسروں کو محروم رکھتے۔

ہر فرض نماز کے خاتمہ پر فرماتے:

((لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ))

”اللہ واحد کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں‘ اسی کی بادشاہی ہے‘ اسی کے لئے ہر طرح کی تعریف ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔“

صحیح ابن حبان میں ہے کہ دس مرتبہ اس دعا کے پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

ابوحاتم کی روایت ہے کہ ہر نماز کے بعد فرماتے تھے:

((اَللّٰهُمَّ اَصْلِحْ لِيْ دِيْنِيَ الَّذِيْ جَعَلْتَهٗ عِصْمَةَ اَمْرِيْ وَاَصْلِحْ لِيْ دُنْيَايَ الَّتِيْ جَعَلْتَ فِيْهَا مَعَاشِيْ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَاَعُوْذُ بِعَفْوِكَ مِنْ نِّقْمَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ))

''الٰہی میرے لئے میرا دین درست کر دے' کہ جسے تو نے میرے لئے پناہ بنایا ہے' اور میرے لئے میری دنیا بھی درست کر دے کہ جس میں تو نے میری روزی رکھی ہے' الٰہی! میں تیرے غصہ سے تیری رضا مندی کے دامن میں پناہ لیتا ہوں' تیرے انتقام سے تیرے عفو و رحم کا بچاؤ ڈھونڈتا ہوں اور تجھ سے خود تیری ہی طرف بھاگ کر پناہ چاہتا ہوں' جو تو دے اس کا روکنے والا کوئی نہیں اور جو تو نہ دے تو اس کا دینے والا کوئی نہیں' تیرے مقابلہ میں رتبے والے کا رتبہ کام نہیں آ سکتا۔''

سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کو وصیت فرمائی کہ ہر نماز کے خاتمہ پر:

((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ))

''الٰہی! اپنے ذکر' شکر اور حسن عبادت میں میری مدد کر۔'' کہا کرو۔

نماز کے خاتمہ سے مراد یہ بھی ہوسکتا ہے کہ نماز کے آخر میں یعنی ختم ہونے سے پہلے' اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے بعد۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ خاتمہ سے مراد سلام سے پہلے ہے' یعنی یہ دعا سلام سے پہلے پڑھنی چاہیے۔

سترہ (آڑ):

جب دیوار کے سامنے نماز پڑھتے تو اس کے قریب ہی رہتے' اگر کسی لکڑی' ستون یا درخت کے پیچھے نماز پڑھتے تو اسے اپنی دائیں یا بائیں ابرو کے مقابل رکھتے' میدان میں لوہے کی سلاخ سامنے گاڑ لیتے تھے جو اسی مقصد سے ساتھ رہتی تھی۔ (یہاں دائیں بائیں والی بات محل نظر ہے)

سنن و نوافل:

اگر مقیم ہوتے تو شب و روز میں دس سنتیں ضرور پڑھتے' بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی

روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب مقیم ہوتے تو گھر کے اندر دس رکعات ضرور پڑھتے تھے یعنی دو ظہر سے پہلے دو اس کے بعد' دو مغرب کے بعد' دو عشا کے بعد اور دو فجر سے پہلے۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ نماز کے بعد گھر آ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (صحیحین)

جائے ادائے سنن:

سنت نبوی فرض نمازوں میں یہ تھی کہ ہمیشہ مسجد میں پڑھتے' لیکن سنتوں کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا' سنتیں ہمیشہ گھر میں پڑھا کرتے تھے الا یہ کہ کوئی عذر پیش آ جائے' حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''لوگو نماز (سنت) گھر میں پڑھا کرو کیونکہ فرض کے علاوہ نماز کا گھر میں پڑھنا ہی افضل ہے۔''

سنت فجر و وتر:

فجر کی دو سنتیں اور وتر نماز کبھی نہ چھوڑتے تھے حتیٰ کہ سفر میں بھی ان کا ترک کرنا منقول نہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سنت فجر اور وتر نماز کی اس قدر پابندی اس لئے فرماتے تھے کہ سنت فجر بمنزلہ آغاز عمل کے ہے اور وتر بمنزلہ خاتمہ عمل کے ہے' یعنی روزانہ زندگی شروع ہو تو نماز سے اور ختم ہو تو نماز پر' اسی وجہ سے آپ ﷺ ان دونوں نمازوں میں سورۂ اخلاص اور قُلْ يَا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ۔ پڑھا کرتے تھے جو نہایت جامع سورتیں ہیں۔

سورۂ اخلاص کی فضیلت:

سورۂ اخلاص میں توحید اعتقاد اور معرفت ہے' ایسی توحید کامل جو شرک کی تمام صورتوں کے قطعی منافی ہے۔ پھر اس میں اثبات صمدیت ہے جو جملہ کمالات کی جامع اور اس کی ذات اعلیٰ واشرف کو ہر قسم کے نقص سے مبرا کرنے والی ہے' ولد و والد کی نفی ہے' جو لوازم صمدیت واحدیت میں سے ہے' کفو و نظیر کی نفی ہے' جس سے ہر قسم کی تشبیہ و تمثیل کی نفی ہوتی ہے۔

غرضیکہ سورۂ اخلاص میں توحید اعتقادی کے وہ بنیادی اصول آ گئے ہیں جن کے تسلیم کر لینے کے بعد انسان تمام گمراہ فرقوں سے الگ ہو کر موحد کامل ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ تنہا توحید اعتقادی کافی نہیں' توحید عملی کا وجود بھی ضروری ہے جو بسا اوقات مفقود ہو جاتی ہے' کیونکہ جس طرح

باوجود علم کے انسان اکثر مضر عمل کرتا ہے۔ اسی طرح توحید علمی واعتقادی کی موجودگی میں بھی شرک عملی کا غلبہ ہو جاتا ہے' اسی بنا پر ضروری ہوا کہ توحید عملی کی بھی بنیادیں مضبوط کر دی جائیں اور شرک عملی کی بھی جڑیں اکھاڑ پھینکی جائیں۔ چنانچہ سورۂ قُلْ یٰٓاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ ○ میں یہ بات صاف کر دی گئی' یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ توحید علمی و عملی کی یہ دونوں جامع سورتیں اپنی اولین وآخرین نمازوں میں پڑھا کرتے تھے' نیز طواف کے نوافل اور حج میں ان کی تلاوت فرماتے تھے۔

رات کی نماز:

امام مالک رحمہ اللہ نے ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ رات میں گیارہ رکعات پڑھتے تھے جن میں ایک رکعت وتر کی ہوتی تھی' ان سے فارغ ہونے کے بعد دائیں کروٹ لیٹ جاتے تھے یہاں تک کہ موذن' فجر کی اذان دیتا تو اٹھتے اور دو مختصر رکعات پڑھتے۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ لیٹنا کوئی سنت کے طور پر نہ تھا' بلکہ رات کو آپ ﷺ تھک جاتے تھے' اس لئے ذرا آرام لینے کے لئے لیٹ جاتے تھے۔ دائیں کروٹ سے لیٹنے میں یہ مصلحت بتائی گئی ہے کہ چونکہ قلب بائیں جانب ہے اس لئے بائیں کروٹ سونے سے نیند اچھی نہیں آتی' آپ ﷺ چونکہ فجر کی نماز میں نیند کے غلبہ سے بچنا چاہتے تھے' اس لئے دائیں کروٹ پر سوتے تھے تاکہ تھوڑے وقت میں نیند پوری ہو جائے۔

صحیحین میں قاسم بن محمد نے ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ رات میں آپ ﷺ دس رکعات پڑھتے تھے' پھر ایک رکعت وتر کی ادا کرتے تھے' اس کے بعد فجر کے وقت دو رکعات سنت فجر پڑھتے تھے۔ شب کی ان نمازوں میں کبھی قرأت بآواز بلند کرتے اور کبھی آہستہ۔ جب کھڑے ہو کر پڑھتے تو قیام کبھی دراز کرتے اور کبھی مختصر۔ وتر نماز اکثر آخر رات میں پڑھتے تھے' لیکن کبھی درمیانی اور اول رات میں بھی پڑھ لیا کرتے تھے۔

سفری نماز:

سفر میں نفل نماز سواری پر بیٹھے بیٹھے پڑھ لیتے' اس حالت میں قبلہ رخ نہ ہوتے تھے بلکہ جدھر بھی سواری کا رخ ہوتا اسی طرف نماز پڑھ لیتے' رکوع وسجود اشارہ سے کرتے تھے' سجدہ کے لئے رکوع سے زیادہ خم نہ ہوتے تھے۔ احمد وابوداؤد کی روایت ہے کہ جب سواری پر نماز پڑھنا ہوتی تو پہلے اس کا مونہہ قبلہ کی طرف کر کے نیت باندھتے' پھر لگام ڈھیلی کر دیتے تاکہ وہ اپنے راستہ پر چلتی چلی جائے۔

سفر سے واپسی کی نماز:

سفر سے واپس آتے تو دو رکعات نماز ادا کرتے' اسی نماز کو بعض لوگوں نے ''صلاۃ الضحیٰ'' کا نام دے دیا ہے' کیونکہ دو مرتبہ ایسے ہی وقت میں آپ ﷺ سفر سے لوٹے اور نماز پڑھی' چنانچہ فتح مکہ سے واپسی بھی اسی وقت ہوئی تھی۔ لیکن اس نماز کو صلوٰۃ الضحیٰ قرار دینا غلطی ہے' کیونکہ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس کی پابندی نہیں کی جیسا کہ بخاری میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت اور دیگر مرفوع احادیث وآثار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے۔

4- فصل

سجدۂ سہو، شکر و قرآن

نماز میں بھول:

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں، بھولتا ہوں جیسے تم بھولتے ہو، اگر کبھی بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔''

آپ ﷺ کئی بار نماز میں بھول گئے ہیں اور سجدہ سہو کیا ہے، جس کی صورتیں مختلف تھیں کبھی سلام سے پہلے اور کبھی سلام کے بعد سجدۂ سہو ادا فرماتے۔

سجدہ سہو کی صورت:

حدیث میں ہے کہ سجدہ سہو کی صورت یہ ہے کہ سلام سے پہلے بیٹھے بیٹھے بآواز بلند تکبیر (اللہ اکبر) کہتے پھر دو سجدے کرتے۔ (متفق علیہ)

پانچ مواقع سہو:

(۱) صحیحین میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز ظہر کی دوسری رکعت میں تشہد میں بیٹھنا بھول گئے تو چوتھی رکعت میں سلام سے پہلے سہو کے دو سجدے کیے۔

(۲) ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ظہر یا عصر کی نماز میں بھولے سے دو رکعات کے بعد سلام پھیر دیا، پھر گفتگو میں مشغول ہو گئے، لیکن جب معلوم ہو گیا کہ سہو ہو گیا ہے تو باقی دو رکعات پوری کیں اور سلام کے بعد دو سجدے کیے۔

(۳) ایک دن نبی ﷺ نے جماعت کرائی اور ایک رکعت میں سلام پھیر کر مسجد سے باہر چلے گئے سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر یاد دلایا تو واپس لوٹے، اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو تکبیر کا حکم دیا، پھر جماعت کے ساتھ نماز ادا کی۔ (مسند احمد)

(۴) ایک مرتبہ ظہر میں آپ ﷺ نے پانچ رکعات پڑھا دیں، سلام کے بعد لوگوں نے یاد

دلایا تو سہو کے دو سجدے کر لئے۔ (متفق علیہ)

(۵) ایک مرتبہ آپ ﷺ نے عصر کی تین رکعات پر سلام پھیر کر گھر تشریف لے گئے تو لوگوں نے یاد دلایا' آپ ﷺ فوراً مسجد میں واپس آئے اور جماعت کے ساتھ باقی رکعت پوری کی اور سلام پھیر کر سہو کے دو سجدے کئے اور پھر دوبارہ سلام پھیرا۔

یہ وہ پانچ مواقع ہیں جن میں آپ سے سہو ہونا ثابت ہے۔

سجدۂ شکر:

نبی ﷺ خوشی کے موقع پر سجدہ کرتے' مصیبت کے دور ہونے پر سجدہ کرتے' جیسا کہ مسند احمد رحمہ اللہ میں سیدنا ابن ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے اور جیسا کہ ابن ماجہ نے سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ایک مرتبہ خوشخبری آئی تو رسول اللہ ﷺ سجدہ میں گر پڑے۔

سجدۂ قرآن:

جب تلاوت میں آیت سجدہ آجاتی تو تکبیر کہتے ہوئے سجدہ [1] کرتے اور اکثر اس میں فرماتے: سَجَدَ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ خَلَقَهُ وَصَوَّرَهُ وَشَقَّ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ بِحَوْلِهِ وَقُوَّتِهِ۔ ''میرا چہرہ اس ذات کے لئے سجدہ میں ہے جس نے اسے پیدا کیا' یہ صورت بخشی اور اپنی درت وطاقت سے اس میں سماعت وبصارت پیدا کی۔''

یہ ثابت نہیں ہے کہ سجدہ سے اٹھتے ہوئے کبھی تکبیر کہی ہو یا اس کے بعد سلام پھیرا ہو یا التحیات پڑھی ہو۔

❁❁❁❁

---

[1] لیکن بالالتزام ہر آیت سجدہ پر سجدہ نہیں کرتے تھے' چنانچہ سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو سورۂ النجم سنائی' مگر آپ ﷺ نے سجدہ نہیں کیا (اخرجہ الخمسہ) صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی تھا کہ کبھی سجدہ کرتے اور کبھی نہ کرتے' جیسا کہ سجدۂ نحل میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ مروی ہے اور جیسا کہ بخاری ومالک کی روایت ہے۔ (ابوزید)

5- فصل

نماز جمعہ کا بیان

پہلا جمعہ:

ہجرت کے وقت جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو پہلے قبا میں سیدنا عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں دوشنبہ سے جمعہ تک قیام فرمایا اور ان کے لئے مسجد کی بنیاد ڈالی' جمعہ کے دن وہاں سے روانہ ہوئے تو نماز جمعہ کا وقت بنی سالم میں آ گیا' چنانچہ اس مسجد میں جماعت سے نماز ادا کی جو اس وقت تک وادی میں موجود ہے' یہ پہلا جمعہ تھا جو مسجد نبوی کی تعمیر سے پہلے مدینہ منورہ میں ادا فرمایا:

خطبہ جمعہ:

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ اس موقع کے خطبہ میں علاوہ حمد وثنا کے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اَمَّا بَعْدُ! اَیُّهَا النَّاسُ' قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ وَاللّٰهِ لَيُصْعَقَنَّ اَحَدُكُمْ ثُمَّ لَيَدَعَنَّ غَنَمَهٗ لَيْسَ لَهٗ رَاعٍ ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ لَهٗ رَبُّهٗ' لَيْسَ لَهٗ تَرْجُمَانٌ وَلَا حَاجِبٌ يَحْجُبُهٗ دُوْنَهٗ اَلَمْ يَاْتِكَ رَسُوْلِيْ فَبَلَّغَكَ وَاٰتَيْتُكَ مَالًا وَّاَفْضَلْتُ عَلَيْكَ فَمَا قَدَّمْتَ لِنَفْسِكَ فَلَيَنْظُرَنَّ يَمِيْنًا وَّشِمَالًا فَلَا يَرٰى شَيْئًا ثُمَّ لَيَنْظُرَنَّ قُدَّامَهٗ فَلَا يَرٰى غَيْرَ جَهَنَّمَ فَمَنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّتَّقِيَ بِوَجْهِهٖ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقٍّ مِّنْ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ وَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فَاِنَّهَا تُجْزَى الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ اَمْثَالِهَا اِلٰى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ وَّالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ))

''لوگو! اپنے لئے توشہ تیار کرو' اللہ کی قسم! تم میں سے کوئی اچانک مر جائے گا' اپنا گلہ بغیر گلہ بان کے چھوڑ جائے گا' پھر اس کا پروردگار بغیر کسی ترجمان اور حاجب کے اس سے فرمائے گا: کیا میرے رسول ﷺ نے آ کر تجھے میرا پیغام نہیں پہنچا دیا تھا' کیا میں نے تجھے مال ومتاع نہیں دیا تھا' اب بتا تو اپنے لئے کیا توشہ لایا ہے؟ اس وقت وہ مسکین دائیں بائیں دیکھے گا مگر کچھ نظر نہ آئے گا' پھر وہ اپنے آگے دیکھے گا تو جہنم کے

علاوہ کچھ دکھائی نہ دے گا' پس جو شخص آدھی کھجور دے کر بھی دوزخ سے بچ سکتا ہے' تو اسے چاہیے کہ اس سے دریغ نہ کرے' جسے یہ بھی میسر نہ آئے تو اچھی بات کہہ کر دوزخ سے بچے' کیونکہ نیکی کا بدلہ دس سے سات سو گنا تک ملتا ہے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ!''

جمعہ کے آداب:

نبی ﷺ کی سنت یہ تھی کہ آپ اس دن (جمعہ) کو نہایت اہمیت دیتے' اس دن فجر کی نماز میں سورئہ الم السجدہ اور ھل اتی علی الانسان پڑھتے۔ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے دن غسل کیا' اگر میسر ہوا خوشبو لگائی' اپنا اچھے سے اچھا لباس پہنا' پھر سکون و وقار کے ساتھ چل کر مسجد آیا' تحیۃ المسجد ادا کی' اس دوران میں کسی کو تکلیف نہ پہنچائی' امام کا خطبہ توجہ سے سنا' پھر نماز پڑھی' تو اس کی یہ نماز آئندہ جمعہ کی نماز تک اس کے حق میں کفارہ ہوگی۔''

سنن میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر وسعت رکھتے ہو تو کیا نقصان ہے کہ روز کے لباس کے علاوہ خاص جمعہ کے لئے ایک لباس بنالو۔''[1]

---

[1] اس سے یہ مطلب نہیں کہ جمعہ کے علاوہ باقی دنوں میں صفائی کا خیال نہ رکھا جائے۔ بہت سے لوگ میلے اور بدبودار کپڑے پہن کر مسجد میں آتے ہیں جس سے نمازیوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے۔ حالانکہ مسلمان کو ہمیشہ صاف ستھرا اور کم سے کم ایسا رہنا چاہیے کہ کوئی اسے دیکھ کر نفرت نہ کرے۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے مونہہ میں پیاز یا لہسن کی بو محسوس کی تو فرمایا: ''جو کوئی اس طرح کی چیزیں کھائے اسے نہیں چاہیے کہ وہ ہمیں تکلیف دے' بلکہ بہتر ہے کہ اپنے گھر میں بیٹھے!'' اس سلسلہ میں ایک اور بات قابل ذکر ہے جس کا لوگ خیال نہیں کرتے۔ بہت سے لوگ مجلس میں ایسے تیل اور عطر لگا کر آتے ہیں جن کی بو اگرچہ خود انہیں بھلی معلوم ہوتی ہے مگر مجلس میں ایسے لوگ بھی موجود ہو سکتے ہیں جو اس بو کو پسند نہیں کرتے اور سخت تکلیف اٹھاتے ہیں لہٰذا نہایت احتیاط کی ضرورت ہے' اس چیز کا تعلق سراسر دماغ سے ہے' ایسی خوشبو کیوں استعمال کی جائے جس سے اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کو اذیت پہنچے۔ پھر یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ بہت لوگ تیل لگانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے' بلکہ تیل کو ہاتھوں میں مل لیتے ہیں' پھر بلا تکلف مصافحہ شروع کر دیتے ہیں' جس سے دوسروں کے ہاتھ بھی چکنے ہو جاتے ہیں۔ یہ سب معاشرت کے بالکل ابتدائی آداب ہیں' ہر شخص کو ان کی پابندی لازمی ہے۔ (مترجم)

جمعہ کے لئے مجمع کا انتظار:

جمعہ کے دن نماز میں لوگوں کے جمع ہونے کا انتظار کرتے' یہاں تک کہ جب مجمع ہو جاتا تو برآمد ہوتے مگر ساتھ نہ کوئی نقیب پکارتا چلتا اور نہ جسم مبارک پر لمبے چوڑے جبے ہوتے' سادگی سے تشریف لاتے' سلام کہتے اور منبر پر جا بیٹھتے' فوراً سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اٹھتے اور اذان دیتے جو صرف ایک مرتبہ ہوتی تھی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم فوراً خطبہ کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔

جمعہ سے پہلے سنن نماز:

اس وقت کوئی شخص سنت نماز نہ پڑھتا تھا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جمعہ بھی عید کے مثل ہے جس سے پہلے سنت نماز نہیں' اور یہ جو مشہور ہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کی اذان کے بعد سب لوگ سنتوں کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے تھے تو بالکل باطل اور سنت نبوی سے جہالت پر مبنی ہے۔ (اس کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص جمعہ کو آئے اور امام خطبہ دے رہا ہو تو اسے چاہیے کہ دو رکعت پڑھ لے۔ بخاری)

غلط فہمی کا ازالہ:

اسی طرح جاہلوں کا یہ خیال بھی بے بنیاد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلوار پر ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے اور یہ کہ ایسا کرنے سے یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ اسلام کا قیام تلوار سے ہوا ہے؟ اس طرح کی کوئی روایت بھی موجود نہیں' حتیٰ کہ یہ بھی منقول نہیں کہ تلوار یا کمان یا کسی اور چیز کے سہارے سے منبر پر چڑھتے ہوں' البتہ منبر بننے سے پہلے عصا یا کمان پر ٹیک لگا کر خطبہ کے لئے کھڑے ہوتے تھے' تلوار کا اس حالت میں بھی لینا مروی نہیں۔

ضروریات خطبہ جمعہ:

خطبہ میں سراسر وہی باتیں ہوتی تھیں جن کی مخاطبین کو ضرورت ہوتی۔ اثناء خطبہ میں اگر کوئی ضرورت پیش آ جاتی تو غیر متعلق گفتگو بھی کر لیتے تھے' چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا اور بیٹھنے لگا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرما رہے تھے' نظر پڑ گئی' تو اسے مخاطب کر کے فرمایا:

''تحیۃ المسجد'' ادا کرو۔ اسی طرح ایک آدمی لوگوں کی گردنیں پھاند کر اگلی صف کی طرف آ رہا تھا' آپ ﷺ نے دیکھا تو منع فرمایا اور حکم دیا کہ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔

بارہا ایسا بھی ہوا ہے کہ اثناء خطبہ میں کوئی آ گیا ہے تو ''آؤ بیٹھو'' اور اسی طرح کے مختصر جملے کہہ دیئے ہیں۔ خطبہ کے دوران میں جب اللہ تعالیٰ کا ذکر آ جاتا یا دعا فرماتے تو انگشت شہادت سے اشارہ کیا کرتے تھے۔ خطبہ کے وقت بڑی تاکید تھی کہ لوگ قریب ہو بیٹھیں اور پوری خاموشی سے سنیں۔

باطلات جمعہ:

حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے جمعہ کے دن آ کر شور مچایا' اس کا جمعہ نہیں ہوا۔'' امام احمد رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جمعہ میں جب امام خطبہ پڑھ رہا ہو اور کوئی بولے تو اس کی مثال اس گدھے کی ہے جس کی پیٹھ پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے' جو کوئی اپنے ساتھی سے کہتا ہے کہ ''خاموش'' تو اس کا جمعہ نہیں۔''

طریقہ ادائے جمعہ:

جب خطبہ ختم ہو جاتا تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اقامت کہتے۔ آپ ﷺ جمعہ کی نماز ہمیشہ دراز کرتے تھے۔ بعد کی سنتیں مسجد نہ پڑھتے بلکہ گھر پہنچ کر صرف دو رکعت ادا فرماتے تھے' جیسا کہ صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے کہ ''جمعہ کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر آ کر دو رکعات سنت پڑھتے تھے۔ [1]

---

[1] بہت سے لوگ جمعہ کی نماز کے بعد مسجد میں ظہر کی نماز باجماعت یا علیحدہ علیحدہ پڑھتے ہیں' حالانکہ یہ ایک بدعت ہے اور سنت نبوی میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ اور ظہر کی نمازیں ایک ہی دن میں فرض نہیں کیں' جمعہ کے بعد ظہر نہیں پڑھنی چاہیے کیونکہ بجائے ثواب کے بدعت ہونے کی وجہ سے موجب عتاب ہو سکتی ہے۔ (ابوزید)

6- فصل

عیدین کا بیان

آداب عیدین:

رسول اکرم ﷺ عیدین کی نماز اس عیدگاہ میں ادا فرماتے تھے جو مدینہ منورہ کے مشرقی پھاٹک پر واقع ہے اور ان دونوں (عیدین) تقریبات پر بہتر سے بہتر لباس زیب تن فرمایا کرتے تھے۔

نبی ﷺ عید الفطر میں عید گاہ جانے سے پہلے کھجور کے چند دانے تناول فرماتے جو شمار میں طاق ہوا کرتے تھے۔ آپ ﷺ عید الضحیٰ میں جانے سے پہلے نہ کھاتے بلکہ واپسی پر اپنی قربانی کے گوشت میں سے کچھ نوش فرماتے۔

نبی اکرم ﷺ عید الفطر کی نماز دیر میں شروع کرتے اور عید الاضحیٰ میں جلدی کرتے تھے۔ جب آپ عیدگاہ میں پہنچ جاتے تو نماز شروع ہو جاتی' اس کے لئے نہ اذان دی جاتی تھی' نہ ہی اقامت کہی جاتی تھی اور نہ "اَلصَّلَاةُ جَامِعَةٌ" وغیرہ کے الفاظ پکارے جاتے۔

ترکیب نماز:

یہ نماز دو رکعات ہوتی' پہلی رکعت میں تکبیر تحریمہ کے بعد ہی سات تکبیریں کہتے تھے جن میں سے ہر تکبیر کے بعد کسی قدر سکوت ہوتا تھا' اس سکوت میں کیا فرماتے تھے؟ کچھ ثابت نہیں' لیکن سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ اس میں حمد و ثنا اور درود پڑھتے تھے۔ تکبیرات کے بعد سورۂ فاتحہ پھر قٓ ۝ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۝ (ق ۱-۲) پڑھتے تھے' کبھی اس کے بجائے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى ۝ پڑھتے' اس کے بعد تکبیر کہتے اور رکوع و سجود کرتے' سجدہ سے جب اٹھ کر پوری طرح کھڑے ہو جاتے تو (پھر دوسری رکعت میں) پانچ تکبیریں کہتے' پھر سورۂ فاتحہ اور اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ۝ پڑھتے اور کبھی اس کی جگہ هَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ بھی تلاوت کرتے۔ یہ ثابت نہیں کہ تکبیرات سے پہلے کچھ پڑھتے ہوں بلکہ ہمیشہ کا طریقہ یہی تھا کہ دونوں رکعات تکبیرات سے شروع کرتے تھے۔ ترمذی نے سیدنا کثیر بن

عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عیدین کی نماز پڑھی تو پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے سات تکبیرات کہیں اور دوسری میں قرأت سے پہلے پانچ تکبیرات۔ امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس حدیث کے متعلق میں نے محمد البخاری رحمہ اللہ (صاحب صحیح بخاری) سے دریافت کیا تو وہ فرمانے لگے: ''اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ صحیح ہے' اور خود میرا بھی یہی مسلک ہے۔''

خطبہ عیدین:

جب نماز ختم ہوتی تو رسول اکرم ﷺ اٹھ کر لوگوں کے سامنے کھڑے ہو جاتے جو اپنی صفوں میں بدستور بیٹھے ہوتے' پھر آپ خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ عید کی نماز پڑھی' آپ نے بلا اذان و اقامت نماز شروع کی' پھر فارغ ہو کر سیدنا بلال رضی اللہ عنہ پر ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا جس میں تقویٰ و طہارت کی ترغیب تھی' پھر عورتوں کی طرف تشریف لے گئے اور انہیں بھی نصیحت کی۔'' (متفق علیہ)

عیدین کے خطبہ میں تکبیرات زیادہ کہتے تھے جیسا کہ ابن ماجہ میں آپ ﷺ کے مؤذن سیدنا سعد رضی اللہ عنہ کی روایت میں مذکور ہے' لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ خطبہ کا آغاز بھی تکبیر سے کرتے تھے جیسا کہ بعض لوگوں کا خیال ہے' بلکہ خطبہ ہمیشہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ ہی سے شروع کرتے تھے' خطبہ عید کے موقعہ پر آپ ﷺ نے لوگوں کو خطبہ سنے بغیر گھر چلے جانے کی اجازت بھی دی ہے۔

جمعہ اور عیدین کا اجتماع:

اگر عید جمعہ کے دن ہو تو اس میں اختیار دیا ہے کہ جمعہ میں شریک ہوں یا نہ ہوں۔ آپ ﷺ عید کی نماز سے پہلے یا بعد میں سنت یا نوافل کوئی نماز نہ پڑھتے تھے۔ عیدگاہ ایک راستہ سے جاتے تھے اور دوسرے سے لوٹتے تھے تاکہ دونوں طرف کے لوگوں سے صاحب سلامت کر سکیں۔

ایام تشریق:

نبی ﷺ کا ہمیشہ یہ طریقہ رہا کہ آپ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر فجر یوم عرفہ (نویں ذی الحج) سے ایام تشریق (تیرھویں ذی الحج) کے عصر تک ہر نماز کے بعد تکبیرات کہتے' جس میں یہ الفاظ ہوتے تھے اَللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ' لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ' وَاللّٰہُ اَکْبَرُ' اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

7- فصل

صلوٰۃ کسوف کا بیان

ترکیب نماز:

ایک مرتبہ سورج گرہن ہوا تو نبی ﷺ تیزی سے مسجد میں آئے اور دو رکعات نماز ادا کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور ایک طویل سورت بآواز بلند پڑھی' پھر طویل رکوع کیا' پھر اٹھے اور دیر تک وقوف کیا اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہا' پھر دوبارہ قرأت شروع کردی جو پہلی قرأت سے مختصر تھی' پھر رکوع کیا جو پہلے رکوع سے چھوٹا تھا' پھر کھڑے ہوئے اور سجدہ میں گئے جس میں دیر لگائی۔ اس کے بعد دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ہی پڑھی۔ اس طرح آپ ﷺ نے اس نماز کی ہر رکعت میں دو رکوع' دو سجدے اور دو مرتبہ قرأت کی۔

خطبہ کسوف:

پھر نماز کے بعد خطبہ دیا جس کے یہ الفاظ روایت کیے گئے ہیں:

إِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهٖ فَإِذَا رَأَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوا وَصَلُّوا وَتَصَدَّقُوا وَلَقَدْ أُوْحِيَ إِلَيَّ أَنَّكُمْ تُفْتَنُوْنَ فِي الْقُبُوْرِ يُؤْتٰى أَحَدُكُمْ فَيُقَالُ لَهٗ مَا عِلْمُكَ بِهٰذَا الرَّجُلِ؟ فَأَمَّا الْمُؤْمِنُ' أَوِ الْمُوْقِنُ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ جَاءَ بِالْبَيِّنَاتِ وَالْهُدٰى فَاٰمَنَّا وَاتَّبَعْنَا فَيُقَالُ نَمْ صَالِحًا قَدْ عَلِمْنَا إِنْ كُنْتَ لَمُؤْمِنًا بِهٖ وَأَمَّا الْمُنَافِقُ أَوِ الْمُرْتَابُ فَيَقُوْلُ لَا أَدْرِيْ سَمِعْتُ النَّاسَ يَقُوْلُوْنَ شَيْئًا فَقُلْتُهٗ)) [1]

---

[1] یہ آخری جملہ نہایت قابل غور ہے' اندھی تقلید کا نتیجہ یہی ہوگا کہ اس نازک وقت میں ناکامی و نامرادی کا مونہہ دیکھنا پڑے' مسلمان کیلئے روا نہیں کہ بلا سوچے سمجھے کوئی بات مان لے اور آنکھیں بند کر کے لوگوں کے پیچھے ہولے' اللہ تعالیٰ کے ہاں وہی ایمان و عمل معتبر ہے جو علم و یقین کے ساتھ ہو' تقلید کچھ بھی مفید نہ ہوگی۔ (مترجم)

''یعنی نبی ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں یہ کسی کے مرنے جینے سے گہن [1] میں نہیں پڑتے' جب تم ایسی حالت (گہن) دیکھو تو اللہ تعالیٰ کو پکارو' تکبیر کہو' نماز پڑھو' صدقہ دو' مجھ پر وحی آئی ہے کہ قبر کے اندر تمہارا امتحان ہوگا' تم سے پوچھا جائے گا ''اس شخص کے بارہ میں تیرا علم کیا ہے؟'' تو مومن جواب دے گا کہ وہ محمد رسول اللہ ہیں' جو ہدایت اور کھلی نشانیوں کے ساتھ آئے' ہم نے ان کی تصدیق اور پیروی کی۔'' اس پر کہا جائے گا ''خیریت سے سو جا' ہم پہلے سے جانتے تھے کہ تو مومن ہے۔'' لیکن منافق اس سوال کے جواب میں کہے گا کہ ''اس شخص کے متعلق میرا علم کچھ بھی نہیں' میں نے لوگوں کو جو کہتے سنا' خود بھی وہی کہنے لگا۔''

صحیح طور پر اس قدر ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے صلاۃ کسوف زندگی بھر میں صرف ایک مرتبہ پڑھی اور یہ اس دن جب آپ ﷺ کے لڑکے ابراہیم رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔

---

[1] یہ اس وجہ سے فرمایا کہ اسی وقت آپ ﷺ کا صاحبزادہ ''ابراہیم رضی اللہ عنہ'' فوت ہوا تھا اور لوگوں نے کہنا شروع کر دیا تھا کہ گہن اس کے مرنے کی وجہ سے ہوا ہے' آپ ﷺ نے اس بے بنیاد وہم کی تردید کر دی۔ (مترجم)

8- فصل

صلاۃ استسقاء کا بیان

طریقہ نماز استسقاء:

صحیح احادیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے متعدد طریقوں سے استسقاء کیا ہے:

ایک مرتبہ جمعہ کے دن منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ پانی کے لئے دعا کی۔

((اَللّٰھُمَّ اَغِثْنَا' اَللّٰھُمَّ اَسْقِنَا اَللّٰھُمَّ اسْقِنَا))

''الٰہی! ہمیں بچا' ہمیں پانی دے' ہمیں پانی دے۔''

دوسری مرتبہ خاص استسقاء کے لئے عیدگاہ تشریف لے گئے' خطبہ دیا' جس میں ہاتھ اٹھا کر نہایت تضرع وزاری کے ساتھ دعا کی' پھر صلاۃ عیدین کی طرح بغیر اقامت واذان کے دو رکعات نماز ادا کی۔ دونوں میں قرأت با آواز بلند کی' پہلی میں فاتحہ کے بعد ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى٥'' پڑھی' دوسری میں ''هَلْ أَتَاكَ حَدِيْثُ الْغَاشِيَةِ۔

تیسری مرتبہ جمعہ کے علاوہ ایک دن منبر پر سے استسقاء کیا مگر نماز نہیں پڑھی۔

چوتھی مرتبہ مسجد میں بیٹھے بیٹھے استسقاء کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

9- فصل

صلاۃ خوف کا بیان

صلاۃِ خوف کے قصر کی حکمت:

جب خطرہ اور سفر دونوں درپیش ہوں تو نماز کے ارکان اور نماز کی تعداد دونوں میں کمی کرنے کی اجازت ہے اگر صرف سفر ہو تو تعداد میں کمی ہوگی' اور اگر صرف خطرہ ہو تو پھر ارکان میں کمی ہوگی۔
رسول اللہ ﷺ کا اسی پر عمل تھا اور اسی سے آیت قصر کے سفر اور خوف سے مقید ہونے کی حکمت معلوم ہوگی۔ ❶

---

❶ آیت یہ ہے: ﴿وَ اِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۝ وَ اِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَ اَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَ اَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَنْ تَضَعُوْا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا۝ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا۝﴾ (النساء: ۱۰۱۔۱۰۳)
''مسلمانو! جب تم کہیں جاؤ اور ڈرو کہ کفار تمہیں ستائیں گے (لڑیں گے) تو کچھ ہرج نہیں کہ نماز میں قصر کردو' بیشک کافر تمہارے دشمن ہیں۔ اے نبی ﷺ! جب تم مسلمانوں میں موجود ہو اور ان کو نماز پڑھانے لگو تو مسلمانوں کی ایک جماعت مقتدی بن کر تمہارے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھیار لئے رہیں' پھر جب وہ سجدہ کر چکیں تو پیچھے ہٹ جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک شریک نماز نہیں ہوئی' وہ آ کر آپ کے ساتھ نماز میں شریک ہوں اور ہوشیار رہیں اپنے ہتھیار لئے رہیں' کافروں کی تو یہی خوشی ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور ساز و سامان سے غافل ہو جاؤ تو یکبارگی تم پر ٹوٹ پڑیں اور اگر تم لوگوں کو بارش کی وجہ سے کچھ تکلیف ہو یا تم بیمار ہو تو اپنے ہتھیار اتار کر رکھنے میں تم پر کچھ گناہ نہیں' ہاں اپنی ہوشیاری رکھو اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے سخت عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز پوری کر چکو تو کھڑے' بیٹھے اور لیٹے اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے رہو اور جب مطمئن ہو جاؤ تو نماز کو (معمول کے مطابق) قائم کرو کیونکہ مومنین پر نماز وقت کی قید کے ساتھ فرض ہے۔''

ترکیب ادا کی پہلی صورت:

صلوٰۃ خوف میں آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر دشمن قبلہ کی طرف سامنے ہوتا تو آپ ﷺ کے پیچھے تمام مسلمان صفیں باندھ کر کھڑے ہو جاتے۔ سب ساتھ تکبیر کہتے اور رکوع کرتے' لیکن سجدہ صرف اول صف کرتی اور دوسری صف دشمن کی نگرانی کیلئے کھڑی رہتی یہاں تک کہ آپ ﷺ سجدہ سے فارغ ہو کر دوسری رکعت کیلئے کھڑے ہو جاتے' اس وقت دوسری صف سجدہ کرتی' پھر اگلی صف اپنی جگہ سے ہٹ جاتی اور یہ پچھلی صف اس کی جگہ پر آ جاتی تاکہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سجدہ کرنے کی فضیلت حاصل کرے۔ چنانچہ دوسری رکعت میں صرف یہ صف سجدہ میں شریک ہوتی اور اول صف (جو اس رکعت میں پچھلی صف ہے) دشمن کے سامنے کھڑی رہتی یہاں تک کہ جب آپ ﷺ تشہد کے لئے جلوس فرماتے' تو یہ بھی سجدہ کرتی اور تشہد میں شریک ہو کر سب کے ساتھ سلام پھیرتے۔

دوسری صورت:

لیکن اگر دشمن قبلہ کی سمت نہ ہوتا تو متعدد طریقوں سے نماز ادا کرتے:

(۱) کبھی یہ ہوتا کہ مسلمانوں کے دو گروہ بنا دیئے جاتے: ایک گروہ آپ ﷺ کے ساتھ نیت باندھ کر کھڑا ہوتا اور پہلی رکعت پڑھ کر دوسرے گروہ کی جگہ دشمن کے مقابلہ پر چلا جاتا' اور دوسرا گروہ اپنی جگہ سے چل کر دوسری رکعت میں شریک ہو جاتا اور جب آپ ﷺ سلام پھیرتے تو دونوں گروہ باری باری ایک ایک رکعت پوری کر لیتے۔

(۲) کبھی یہ ہوتا کہ آپ ﷺ ایک گروہ کے ساتھ ایک رکعت پڑھتے' پھر اسے چھوڑ کر دوسرے گروہ کی طرف تشریف لے جاتے اور اس کے ساتھ دوسری رکعت شروع کرتے' لیکن اس وقت تک رکوع میں نہ جاتے جب تک کہ پہلا گروہ اپنی باقی رکعت پوری کر کے سلام نہ پھیر لیتا' اور جب پہلا گروہ فارغ ہو جاتا تو آپ ﷺ دوسرے گروہ کے ساتھ رکوع و سجدہ کرتے اور تشہد کے لئے بیٹھ جاتے۔ مگر جب تک یہ گروہ بھی اپنی چھوٹی ہوئی رکعت پوری نہ کر لیتا انتظار کرتے' اور پھر اسی کے ساتھ سلام پھیرتے۔

(۳) کبھی ایسا ہوتا کہ چار رکعات نماز شروع کرتے' پہلا گروہ دو رکعات ساتھ پڑھتا اور سلام پھیر کر چلا جاتا' پھر دوسرا گروہ آتا اور باقی دو رکعات میں شریک ہو کر مکمل کرنے کے بعد سلام پھیر کر چلا جاتا' پھر دوسرا گروہ آتا اور وہ باقی دو رکعات میں شریک ہو کر مکمل کرنے کے بعد سلام پھیر دیتا۔

(۴) کبھی اس طرح ہوتا کہ آپ ﷺ ایک گروہ کے ساتھ دو رکعات پڑھتے اور سلام پھیر کر نماز پوری کر دیتے' پھر دوسرا گروہ آتا اور اس کے ساتھ بھی دو رکعات نماز پڑھتے۔

(۵) کبھی یہ ہوتا کہ دونوں گروہ آپ ﷺ کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھ کر چلے جاتے اور باقی رکعت پوری نہ کرتے۔

صلاۃ الخوف کی یہ تمام صورتیں ثابت ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس باب کی تمام احادیث پر عمل کرنا جائز ہے۔

10- فصل

سفر اور نماز قصر کا بیان

اقسام سفر:

نبی اکرم ﷺ نے نبوت ملنے کے بعد چار طرح کے سفر کئے ہیں:

(۱) ایک مرتبہ ہجرت کے لئے۔ (۲) کئی مرتبہ جہاد کے لئے۔

(۳) ایک مرتبہ عمرہ کے لئے اور (۴) ایک مرتبہ حج کے لئے۔

تیاری سفر:

نبی ﷺ جب سفر پر تشریف لے جانے لگتے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکل آتا، اسے ہمراہ لے جاتے اور جب حج کے لئے تشریف لے گئے تو تمام ازواج رضی اللہ عنہن کو ساتھ لے گئے۔ دن کے شروع حصہ میں سفر پر روانہ ہوتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ امت محمد (ﷺ) کے لئے اس کے سفر میں برکت دے۔ مسافروں کے بارہ میں آپ ﷺ کا حکم تھا کہ اپنے میں سے کسی ایک کو دورانِ سفر اپنا سردار بنالیں، تن تنہا سفر کرنے کی ممانعت کی ہے۔

دعائے سفر:

جب سفر کے لئے اٹھتے تو دعا کرتے:

((اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ تَوَجَّهْتُ وَبِكَ اِعْتَصَمْتُ اَللّٰهُمَّ اكْفِنِيْ مَا اَهَمَّنِيْ وَمَالَا اَهْتَمُّ بِهٖ، اَللّٰهُمَّ زَوِّدْنِي التَّقْوٰى، وَاغْفِرْلِيْ ذَنْبِيْ وَوَجِّهْنِيْ لِلْخَيْرِ اَيْنَمَا تَوَجَّهْتُ))

"الٰہی! تیری ہی طرف میرا قصد ہے، تجھ ہی سے میری مضبوطی ہے، الٰہی! جس کی مجھے فکر ہو اور جس کی نہ ہو، سب سے بچا، الٰہی! توشہ میں تقویٰ دے، میرے گناہ معاف کر اور جس طرف بھی میں جاؤں نیکی کے لئے مجھے لے جا۔"

سواری پر چڑھنے کی دعا:

نبی ﷺ کی جب سواری حاضر کی جاتی تو آپ ﷺ رکاب میں پاؤں رکھتے ہوئے "بسم اللہ" کہتے، اور جب جم کر بیٹھ جاتے تو فرماتے:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَإِنَّا إِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ))

"تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمارے لئے اسے مسخر کر دیا، ورنہ خود ہم اسے زیر نہ کر سکتے تھے، ہم اپنے پروردگار کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔"

نیز فرماتے:

((اَللّٰهُمَّ هَوِّنْ عَلَيْنَا سَفَرَنَا هٰذَا وَاطْوِعَنَّا بُعْدَهٗ اَللّٰهُمَّ أَنْتَ الصَّاحِبُ فِي السَّفَرِ، وَالْخَلِيْفَةُ فِي الْأَهْلِ))

"الٰہی! ہمارا سفر آسان کر دے اور اس کی دوری کم کر دے، الٰہی! تو ہی سفر میں رفیق اور اہل و عیال کا نگہبان ہے۔"

قصر نماز:

سفر میں ہمیشہ چار رکعات والی نمازوں کا قصر کرتے، روانگی سے واپسی تک صرف دو رکعات پڑھتے رہتے اور یہ ہرگز ثابت نہیں کہ آپ ﷺ نے سفر میں کبھی بھی ایسی کوئی نماز بغیر قصر کے پڑھی ہو۔ صحیح بخاری میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ "رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے سفر کیا اور کبھی نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے سفر میں دو رکعات سے زیادہ نماز پڑھی ہو۔" رہا وہ اختلاف جو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس بارہ میں مروی ہے، تو وہ بقول شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ باطل ہے، کیونکہ ام المومنین رضی اللہ عنہا کی شان سے یہ بالکل بعید ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے اختلاف کریں، خصوصاً جب کہ خود ہی فرماتی ہیں:

قصر کی فلاسفی:

شروع میں نماز دو رکعات ہی فرض تھی، لیکن ہجرت کے بعد حضر میں دو رکعات زیادہ کر دی گئیں اور سفر میں نماز اپنی اصلی حالت پر باقی رہنے دی گئی۔ (متفق علیہ)

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے: ''اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی ﷺ کی زبانی تم پر حضر میں چار رکعات' سفر میں دو رکعات اور حالت خوف میں ایک ایک رکعت نماز فرض کی ہے۔'' (مسلم)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''صلوٰۃ سفر دو رکعات' عیدین دو رکعات' جمعہ دو رکعات' پوری پوری نمازیں بغیر کسی کمی کے تمہارے نبی محمد ﷺ کی زبانی تم فرض ہوئی' جو کوئی افترا کرے اس کے لئے ہلاکت ہے۔'' حالانکہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ وہی ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ ''اے اللہ کے رسول! اب ہم کیوں قصر کرتے ہیں حالانکہ بے خوف ہیں؟ تو آپ ﷺ نے جواب دیا: ''یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ اور اس کے دین کی سہولت ہے' اسے قبول کرو۔''

جمع صلاتین:

جب زوال سے پہلے سفر شروع کرتے اور تیز چلنا ہوتا تو ظہر کو عصر تک موخر کر دیتے یہاں تک کہ منزل پر اترتے (پہنچ جاتے) اور دونوں نمازیں ایک ساتھ پڑھتے' لیکن اگر زوال کے بعد سفر شروع کرتے تو ظہر اور عصر پڑھ کر سوار ہوتے۔

غزوۂ تبوک کے سلسلہ میں روایت کیا گیا ہے' اگر سفر سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر کو جمع کر کے عصر کے وقت اترتے اور دونوں نمازیں ایک ساتھ ملا لیتے' یہی طریقہ مغرب و عشا میں بھی تھا۔

مسافتِ سفر:

نماز کے قصر اور روزہ کے افطار کے لئے سفر کی مسافت محدود نہیں کی' بلکہ اسے لوگوں کے عرف پر چھوڑ دیا ہے' تمام وہ روایات جو مسافت کی تحدید کے متعلق وارد ہوئی ہیں' ان میں سے کوئی ایک بھی صحیح نہیں۔

حضر میں جمع صلاتین:

باقی رہا حضر میں جمع کرنا تو سوائے عرفہ کے اور کہیں ثابت نہیں' صرف عرفہ میں آپ ﷺ نے ظہر و عصر کے مابین جمع تقدیم کی ہے اور یہ اس لئے کہ دعا میں مسلسل کھڑے رہتے تھے جیسا کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے۔

مدتِ سفر:

رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس دن مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے' آپ ﷺ نے قصر کے لئے سفر کی کوئی مدت معین نہیں فرمائی اور نہ امت کو حکم دیا کہ بیس دن سے زیادہ اقامت ہونے کی صورت میں نماز پوری پڑھی جائے۔ آپ ﷺ کا اتنی مدت قیام محض اتفاقی تھا' سفر بہر حال سفر ہے' عام اس سے کہ کہیں قیام زیادہ ہو جائے یا کم' البتہ اگر اقامت کا عزم ہو جائے تو سفر' سفر نہیں رہتا۔

صحابہ کے چند واقعات:

نافع رحمہ اللہ کی روایت ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ آذر بائیجان میں چھ ماہ مقیم رہے اور نماز برابر قصر کرتے رہے۔ حفص بن عبیداللہ کی روایت ہے کہ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ شام میں دو سال رہے اور مسافر کی سی نماز پڑھتے رہے۔ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ ''رامہرمز'' میں صحابہ رضی اللہ عنہم سات ماہ ٹھہرے رہے اور قصر کرتے رہے۔ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں سیدنا عبدالرحمٰن بن عمرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کابل میں دو سال رہا اور دیکھتا رہا کہ وہ برابر قصر نماز پڑھتے ہیں مگر جمع نہیں کرتے' ابراہیم کا قول ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ری اور سجستان میں سال سال دو دو سال رہتے اور قصر کرتے رہے۔

ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم:

یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اسوۂ ہے اور یہی حق ہے۔ ائمہ اربعہ رحمۃ اللہ علیہم بھی اسی پر متفق ہیں کہ اگر انسان کسی جگہ ٹھہر جائے اور ہر روز خیال کرتا رہے کہ آج جاتا ہوں اور کل جاتا ہوں' تو وہ تمام عمر قصر کرتا رہے گا۔

11- فصل

روزہ کا بیان

مقصودِ روزہ:

روزہ سے مقصود، محبوبات نفس کا اللہ تعالیٰ کی محبت اور خوشنودی کے لئے ترک کرنا ہے، گویا روزہ ایک معاہدہ یا راز ہے جو صرف بندہ اور آقا کے مابین اس طرح ہوتا ہے کہ درمیان میں کوئی محرم نہیں۔

فوائدِ روزہ:

روزہ کے فوائد واثرات عجیب وغریب ہیں، وہ ظاہری و باطنی قویٰ کو جلا دیتا ہے، فاسد مادے دور کرتا اور ردی اخلاط سے جسم کو پاک کرتا ہے۔ روزہ، قلب اور دیگر تمام اعضاء کو وہ تمام قوتیں واپس دلاتا ہے جو مختلف طریقوں سے صرف ہو جاتی ہیں، روزہ کے ذریعہ انسان کو معلوم ہوتا ہے کہ فقر وفاقہ کی تلخی کیسی ہوتی ہے، بھوکوں پر ترس آتا ہے، محتاجوں سے ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں روزہ کو روحانیت میں ایک بڑا درجہ حاصل ہے، اور تقویٰ وطہارت کے حاصل کرنے کا وہ ایک عمدہ ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرة: ۱۸۳)

''مسلمانو! روزہ تم پر بھی اسی طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح اگلی قوموں پر فرض کیا گیا تھا، تا کہ تم تقویٰ حاصل کرو۔''

روزہ سپر ہے:

حدیث میں ہے: اَلصَّوْمُ جُنَّةٌ ''روزہ سپر ہے۔'' نبی اکرم ﷺ ان لوگوں کو جو وسائل کی عدم موجودگی کی وجہ سے شادی نہ کر سکتے، روزہ رکھنے کا حکم دیتے اور فرماتے روزہ اس خواہش کو دباتا ہے۔

روزہ کی فرضیت:

چونکہ محبوبات ولذائذ کا ترک، نفس پر بہت شاق گذرتا ہے اس لئے روزہ دیر میں فرض کیا گیا، ۲ ہجری میں اس کی فرضیت نازل ہوئی جب کہ دلوں میں توحید پوری طرح راسخ ہو چکی تھی، نماز کی عادت پڑ گئی تھی، قرآن اور احکامِ قرآن سے انس پیدا ہو گیا تھا اور مسلمان اللہ تعالیٰ کے راستہ میں بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کے لئے تیار ہو چکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ روزہ فرض ہونے کے بعد نو سال تک اس دنیائے فانی میں رہے اور آپ ﷺ نے نو رمضانوں کے روزے رکھے۔

اجازت اور معاوضہ:

بوڑھوں اور عورتوں کے لئے اجازت ہے کہ اگر روزہ نہ رکھ سکیں تو افطار کریں اور اس کے عوض رمضان کا پورا مہینہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیا کریں، بیمار اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے کہ وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضا کریں۔

قضاءِ روزہ:

حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتیں بھی اگر روزہ میں اپنے لئے نقصان سمجھیں تو قضا کریں، لیکن اگر خود اپنے لئے خطرہ نہ دیکھیں اور بچے کے لئے نقصان کا اندیشہ ہو تو قضا کے علاوہ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا بھی واجب ہے۔ [1]

---

[1] حاملہ اور دودھ پلانے والی عورتوں کے متعلق حافظ ابن قیم رحمہ اللہ کا یہ قول غیر واضح ہے، عام مسئلہ تو یہ ہے کہ ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہے جن کے لئے روزہ کا قضا کرنا نہیں بلکہ صرف فدیہ (کھانا کھلا) دینا کافی ہے، کیونکہ حمل و رضاعت کا سلسلہ تو سال بھر تک برابر جاری رہے گا اور عورت کو قضا کی مہلت ہی کہاں ملے گی؟ قرآن سے بھی یہی مترشح ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روزہ نہ رکھنے کی صرف دو قسم کے لوگوں کو اجازت دی ہے ایک تو مریض و مسافر جو قضا کریں گے اور فدیہ نہ دیں گے، دوسرے وہ لوگ ہیں جن کے لئے روزہ رکھنا بہت دشوار ہے، ان کے لئے صرف فدیہ ہے، قضا نہیں۔

قرآن میں ہے:

﴿ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَ عَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ

ہلالِ عید اور افطار:

جب دو شاہد آ کر ہلال عید کے دیکھنے کی شہادت دے دیتے تو اگر نماز کا وقت گذر چکا ہوتا تو نبی ﷺ فوراً روزہ افطار کر دیتے اور دوسرے دن عید کی نماز پڑھتے' روزہ کے افطار کرنے میں سنت یہ تھی کہ جلدی کرتے' عموماً تر کھجور سے افطار کرتے' اگر وہ موجود نہ ہوتیں تو پھر خشک کھجور سے' ورنہ پانی کے چند گھونٹوں سے۔ افطار کرتے وقت یہ دعا پڑھتے:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ صُمْتُ وَعَلٰى رِزْقِكَ أَفْطَرْتُ))

⇦⇦⇦ ''جو تم میں بیمار ہو یا مسافر' سو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ لے' اور جو لوگ سخت مشقت سے روزہ رکھ سکتے ہوں' وہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔''

حاملہ و مرضعہ عورتیں بھی اسی گروہ میں داخل ہیں' جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ واصحاب السنن نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے حاملہ و مرضعہ پر روزہ کا بار نہیں رکھا۔'' نیز اسی جماعت میں بوڑھے اور سدا بیمار بھی داخل ہیں کیونکہ انہیں قضا کا وقت کبھی نہیں مل سکتا۔ شیخ محمد عبدہ رحمہ اللہ کے نزدیک ان مزدوروں کا بھی یہی حکم ہے جن کا پیشہ سخت محنت کے کام کرنا ہے' مثل کان کنی وغیرہ' آیت کا مفہوم اس کا محتمل ہے' لیکن اس میں وہ عیش پسند کسی طرح بھی داخل نہیں ہو سکتے جو اپنی تنعم کی زندگی کی وجہ سے روزہ کی تکلیف برداشت کرنے کے ناقابل ہو جاتے ہیں۔ ان کے لئے تو روزہ اور بھی زیادہ ضروری ہے کیونکہ ان کی کمزوری کا علاج اس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ پابندی سے روزے رکھیں۔ قرآن کریم میں احکام روزہ کے متعلق ایک جامع آیت بھی ہے:

﴿اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ﴾ (البقرة: ۱۸۷)

''روزہ کی راتوں میں تمہارے لئے اپنی عورتوں کی طرف رغبت کرنا جائز ہے' وہ تمہارے لئے پردہ ہیں اور تم ان کے لئے' اللہ تعالیٰ نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں سے خیانت کرتے تھے' پس تمہیں معاف کر دیا تو اب تم ان سے ملا کرو اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ صبح کی سفیدی کا تار رات کی تاریکی میں نمایاں ہو جائے' پھر رات تک روزہ کو پورا کرو۔''

(ابوزید)

"خداوندا! تیرے ہی لئے میں نے روزہ رکھا اور تیرے ہی رزق پر افطار کیا۔"[1]

بعض احادیث میں ہے کہ اس وقت فرماتے:

((ذَهَبَ الظَّمَأُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوقُ وَثَبَتَ الْأَجْرُ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ)) (ابو داؤد)

"پیاس چلی گئی، رگ پٹھے تر ہو گئے اور ثواب ان شاء اللہ قائم ہو گیا۔"[2]

سفر میں اجازت:

ایک مرتبہ رمضان میں سفر پیش آ گیا تو روزہ بھی رکھا اور افطار بھی کیا، صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اجازت دے دی کہ جس کا جی چاہے روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے افطار کرے۔

جنگ میں روزہ:

لیکن جب کبھی دشمن کا سامنا درپیش ہوتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم افطار کرنے کا حتمی حکم دے دیتے تاکہ چستی و تازگی سے مقابلہ کر سکیں۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہم رمضان میں دو مرتبہ جنگ پر گئے اور دونوں مرتبہ افطار کیا، پہلا موقع بدر کا تھا اور دوسرا فتح مکہ کا۔

سفر کو کسی خاص مسافت کے ساتھ مقید نہیں کیا بلکہ ہر اس سفر میں روزہ افطار کرنا جائز ہے جو عرف عام میں سفر کہلاتا ہو، تعیین مسافت کے بارہ میں ایک بھی صحیح روایت موجود نہیں۔[3]

---

[1] دعائے افطار میں اختلاف ہے کہ یہ مرسل روایت ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی صحیح حدیث نہیں، جس میں روزہ افطار کرنے کی دعا ہو۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان "کہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو" کو سامنے رکھتے ہوئے بسم اللہ پڑھ کر روزہ افطار کیا جائے، اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ افطار کے وقت بغیر بسم اللہ پڑھے لوگ کھانے پر ٹوٹ پڑتے ہیں، جو کہ ناپسندیدہ فعل ہے۔ (عبدالخبیر اُویسی)

[2] اصولی طور پر اور دعا کے کلمات کے معانی کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ دعا روزہ افطار کرنے کے بعد پڑھنی چاہیے، (واللہ اعلم بالصواب)۔ (عبدالخبیر اُویسی)

[3] قرآن میں ہے: اَوْ عَلٰى سَفَرٍ "یا سفر پر ہو۔" علی الاطلاق "سفر" فرمایا ہے، یہ نہیں کہا کہ اتنے میل مسافت ہو اور اتنے میل، ہر شخص سمجھتا ہے سفر کسے کہتے ہیں، کتب فقہ میں سفر کی جتنی تحدیدیں بیان کی گئی ہیں سب فقہاء کے اقوال و اجتہادات ہیں، شریعت کے احکام نہیں۔ صحیح روایات سے ثابت ہے کہ حجۃ الوداع میں اہل مکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عرفات میں نماز قصر کرتے تھے، حالانکہ مسافت بہت کم تھی، اتنی کم کہ اس مسافت کا دسواں حصہ بھی نہ تھی جو کتب فقہ میں بتائی گئی ہے اور جس پر اب تک خود فقہاء بھی باہم متفق نہیں۔ (ابوزید)

اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم:

صحابہ رضی اللہ عنہم جس وقت سے سفر شروع کرتے' روزہ افطار کر دیتے اور کہتے یہی سنت نبوی ہے جیسا کہ سیدنا عبید بن جبیر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں موجود ہے۔ (ابوداؤد' احمد) اور جیسا کہ سیدنا محمد بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ "میں رمضان میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا' وہ سفر کیلئے بالکل تیار تھے' جب سواری آ گئی اور کپڑے پہن چکے تو کھانا مانگا اور روزہ افطار کر کے کھایا' میں نے پوچھا کیا یہ سنت ہے؟ تو فرمانے لگے کہ "ہاں! یہی سنت ہے۔" (ترمذی)

مقاربت اور روزہ:

کبھی ایسا بھی ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی زوجہ محترمہ سے مقاربت فرماتے اور جب صبح ہوتی تو غسل کر لیتے اور بدستور روزہ رکھتے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کی حالت میں کبھی ازواج کا بوسہ بھی لے لیتے تھے۔

روزہ میں مسواک:

روزہ میں مسواک کرنا بھی احادیث صحیحہ سے ثابت ہے' البتہ بہت زیادہ استنشاق (ناک میں پانی لینا) سے منع فرمایا ہے۔ فصد کھلوانا ثابت نہیں لیکن سرمہ لگانا مروی ہے:

بھول کر کھا پی لینا:

اگر کوئی بھولے سے کھا پی لیتا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اسے نہ روزہ افطار کرنے کا حکم دیتے اور نہ قضا کرنے کا' کیونکہ بھول چوک کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے تمام اوقات میں غیر رمضان سے زیادہ نیکی کے کام کرتے' آپ کی قرآن کی تلاوت و مزاولت بھی دیگر تمام مہینوں سے زیادہ ہوتی تھی۔

نفلی روزہ:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے کبھی اس طرح مسلسل رکھنے لگتے کہ دل میں خیال گذرتا کہ اب نہیں چھوڑیں گے اور کبھی چھوڑ دیتے تو معلوم ہوتا کہ اب نہیں رکھیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے علاوہ کسی مہینہ کے پورے روزے کبھی نہ رکھتے' تاہم ہر مہینہ میں چند روزے ضرور ہی رکھتے'

اس کیلئے عموماً دوشنبہ اور پنج شنبہ کو منتخب کرتے تھے۔ بعض لوگ رجب' شعبان اور رمضان کے روزے لگاتار رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ سنت ہے' حالانکہ یہ سنت نہیں۔ رجب کے روزے [1] آپ ﷺ نے کبھی نہیں رکھے' نہ پسند فرمائے بلکہ ان سے منع کیا ہے جیسا کہ سنن ابن ماجہ میں مذکور ہے۔

یوم عاشورہ:

صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور یہودیوں کو یوم عاشورہ کا روزہ رکھتے دیکھا تو وجہ دریافت کی' انہوں نے کہا یہ ایک متبرک دن ہے' اللہ تعالیٰ نے اسی دن موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو غلامی سے نجات دی اور فرعون کو غرق کیا تھا' موسیٰ علیہ السلام بھی یہ روزہ رکھتے تھے اور ہم بھی رکھتے ہیں۔ یہ سن کر نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو ہم تم سے زیادہ موسیٰ علیہ السلام کے حق دار ہیں۔'' چنانچہ آپ ﷺ نے عاشورہ کا روزہ خود بھی رکھا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اس کا حکم دیا۔ صحیحین میں ہے عرفات میں نہ خود آپ ﷺ نے روزہ رکھا' اور نہ صحابہ رضی اللہ عنہم کو رکھنے کا حکم دیا۔

معمول نبوی ﷺ:

رسول اکرم ﷺ کا اکثر یہ معمول ہوتا کہ جب آپ گھر میں تشریف لاتے اور پوچھتے: ''کچھ کھانے کو ہے؟'' اگر جواب ملتا ''نہیں'' تو فرماتے: ''میں روزہ رکھ لیتا ہوں۔'' آپ ﷺ کبھی نفل روزہ کی نیت کر لیتے' پھر کچھ سوچتے اور افطار کر ڈالتے' اس کا ذکر ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی دو احادیث میں موجود ہے' ایک حدیث مسلم نے روایت کی ہے اور دوسری نسائی نے۔

اعتکاف رمضان:

خاتم الانبیاء ﷺ ہر سال رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف کرتے تھے' ایک سال موقع نہ ملا تو آپ نے شوال میں کیا' اعتکاف کے لئے مسجد میں چھوٹا سا خیمہ لگا دیا جاتا تھا اور تنہائی میں

[1] رجب کے روزے اور کونڈے وغیرہ بدعات کی قبیل سے ہیں، ان کے کرنے سے ثواب تو نہیں ہوتا، البتہ الٹا عذاب ہونے کا خدشہ ہے، کیونکہ یہ کام سراسر نبی ﷺ کی مخالفت پر مبنی ہیں۔

آپ رب العزت کے حضور بیٹھے رہتے تھے۔ ہر سال دس دن اعتکاف ہوتا تھا مگر وصال کے برس آپ نے بیس دن کا اعتکاف کیا' اسی طرح جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ سالانہ ایک مرتبہ قرآن کا مذاکرہ (دور) ہوتا تھا مگر اس سال دو مرتبہ ہوا۔

آدابِ اعتکاف:

امام الانبیاء ﷺ اعتکاف کی حالت میں مسجد سے باہر نہ نکلتے' حتیٰ کہ گھر بھی کسی خاص ضرورت کے نہ جاتے' لیکن یہ برابر ہوتا کہ آپ ﷺ اپنا سر مبارک ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں کر دیتے' وہ باوجود ایام (حیض) سے ہونے کے، آپ ﷺ کا سر مبارک دھوتیں اور بالوں میں کنگھی کر دیتیں۔ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے بعض بیویاں آپ ﷺ کے خیمہ میں بھی آتی تھیں مگر بجز بات چیت کے ان سے اور کوئی سروکار نہ رکھتے' واپسی پر ان کی مشایعت بھی کرتے تھے۔

12- فصل

حج ❶ وعمرہ ❷ کا بیان

نبی ﷺ کے عمرے:

صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کل چار عمرے کئے جو تمام کے تمام علاوہ عمرۂ حج کے ماہ ذی القعدہ میں واقع ہوئے۔ آپ ﷺ نے جتنے عمرے کئے سب مکہ میں داخل ہوتے ہوئے کئے' یہ ثابت نہیں کہ مکہ مکرمہ میں ہوں اور عمرہ کرنے کے لئے باہر گئے ہوں' جیسا کہ آج کل لوگ کرتے ہیں کہ حرم سے باہر چلے جاتے ہیں اور عمرہ کی نیت کر کے مکہ مکرمہ میں آتے ہیں۔

حج کب فرض ہوا:

ہجرت کے بعد صرف ۱۰ ہجری میں ایک مرتبہ حج کیا کیونکہ ۹ ہجری سے پہلے حج فرض ہی نہ ہوا تھا۔ بلاشبہ آیت:

﴿وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ﴾ (البقرۃ: ۱۹۶)

''حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے پورا کرو۔''

---

❶ حج کی تین صورتیں ہیں: قران' تمتع' افراد۔ ''قران'' وہ ہے جس میں حج وعمرہ کی ایک ساتھ نیت کی جاتی ہے اور حاجی کو اس وقت تک احرام باندھے رہنا پڑتا ہے جب تک کہ تمام اعمال حج ادا نہ ہو جائیں۔ ''تمتع'' وہ ہے جس میں میقات سے صرف عمرہ کی نیت کی جاتی ہے' مکہ میں آ کر ارکان عمرہ ادا کئے جاتے ہیں اور احرام اتار دیا جاتا ہے' پھر ذی الحجہ کی آٹھویں تاریخ کو حج کے لئے از سر نو احرام باندھا جاتا ہے۔ ''افراد'' وہ ہے جس میں صرف حج کی نیت کی جاتی ہے' پھر حج کے بعد عمرہ کیا جاتا ہے۔ (مترجم)

❷ عمرہ کے ارکان تین ہیں: طواف کعبہ' سعی مابین صفا ومروہ' سر منڈانا یا قصر کرنا (بال چھوٹے کرنا) عمرہ کی نیت کرنے والا جب مکہ میں آ کر ان تینوں اعمال سے فارغ ہو جائے تو حج کی پابندیوں سے آزاد ہو کر مکہ میں اس طرح رہتا سہتا ہے جس طرح عام باشندے رہتے ہیں' یعنی اس کے لئے خوشبو لگانا اور دوسری سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں۔ (مترجم)

٦ ہجری میں نازل ہوئی' لیکن جیسا کہ صاف ظاہر ہے' اس سے فرضیت حج ثابت نہیں ہوتی' اس میں صرف اس قدر فرمایا ہے کہ جب حج اور عمرہ کی نیت کرلو تو اسے پورا کرو۔

حج کے آداب:

نبی اکرم ﷺ نے جب حج کا عزم کیا تو اس کا عام اعلان کر دیا' روانگی کے دن خطبہ دیا اور احرام اور اس کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے' ظہر کی نماز اپنی مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھی' پھر اندر تشریف لے گئے' سر میں تیل ڈالا' کنگھی کی' تہہ بند باندھی' چادر اوڑھی اور ٦ ذیقعدہ کو عصر سے پہلے پہلے روانہ ہو گئے۔ پہلی منزل مقام ''ذوالحلیفہ'' میں ہوئی' نماز عصر کا قصر کیا' رات بھر یہیں رہے' ایک ایک کر کے تمام ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے ہاں گئے' پھر غسل کیا' خوشبو لگائی' ازار ورداء کا احرام باندھا' ظہر کی نماز میں بھی قصر کیا اور مصلیٰ پر سے ہی حج وعمرہ کے لئے باآواز بلند تلبیہ کہا۔ جو اس طرح ثابت ہے:

((لَبَّيْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ))

''الٰہی! میں حاضر ہوں' حاضر ہوں' تیرا کوئی شریک نہیں' میں حاضر ہوں' ہر طرح کی ستائش اور نعمتیں تیرے ہی لئے ہیں' حکومت بھی تیری ہی ہے' تیرا کوئی ساجھی نہیں۔''

یہ منقول نہیں کہ یہاں نماز ظہر کے علاوہ آپ ﷺ نے خاص احرام کیلئے کوئی نماز پڑھی ہو۔ یہ پورا سفر سواری کی پیٹھ پر طے کیا نہ کہ کجاوہ اور ہودج وغیرہ میں' بیٹھ کے جیسا کہ آج کل بہت سے لوگ کرتے ہیں۔

حائض کا احرام:

ذوالحلیفہ میں سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاں سیدنا محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے' ان کی ماں کا نام سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا تھا۔ ولادت کے بعد آپ ﷺ نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا کو حکم دیا کہ غسل کر کے احرام باندھ لیں۔ اس سے یہ مسئلہ صاف ہو گیا کہ حائض غسل کر کے احرام باندھ سکتی ہے۔

غیر محرم کا شکار:

ذوالحلیفہ سے تلبیہ کہتے ہوئے چلے یہاں تک کہ مقام روحاء میں پہنچ گئے' یہاں ایک شخص نے جو احرام باندھے ہوئے نہیں تھا گورخر کا گوشت تحفتہً پیش کیا' آپ ﷺ نے قبول فرمالیا اور ساتھیوں میں تقسیم کر دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ محرم کے لئے غیر محرم کا شکار کھانا جائز ہے بشرطیکہ خاص اس کے لئے شکار نہ کیا گیا ہو۔

حائضہ اور مناسک حج:

مقام سرف میں پہنچے تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ایام (حیض) شروع ہو گئے' آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ سب کرتی رہو جو حاجی کرتے ہیں' صرف طواف نہ کرنا۔''

حج اور عمرہ کی تفریق:

نبی ﷺ جب مکہ مکرمہ پہنچے تو آپ نے حکم دیا کہ جن کے ساتھ قربانی کے جانور نہیں' وہ صرف عمرہ پر اکتفا کریں: طواف کریں' صفا و مروہ کے مابین سعی کریں اور احرام اتار دیں۔ اس پر سیدنا سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے اللہ کے رسول! ''کیا یہ حکم صرف اسی سال کے لئے ہے یا ہمیشہ کے لئے؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہمیشہ کے لئے۔'' اس واقعہ اور حکم کو چودہ صحابیوں رضی اللہ عنہم نے روایت کیا ہے جن کی احادیث صحیح ہیں' انہی میں ایک حدیث ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر میرے ساتھ بھی قربانی کے جانور نہ ہوتے تو تمہاری طرح میں بھی احرام اتار دیتا مگر اب قربانی کے وقت تک یہ نہیں ہو سکتا۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس حکم پر عمل بھی کیا یہاں تک کہ یوم الترویہ (۸ ذی الحجہ) آیا تو حج کی نیت باندھی۔

طواف کے آداب:

مکہ میں داخل ہونے کے بعد جیسے ہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی' تو نبی ﷺ نے جوش سے فرمایا:

((اَللّٰهُمَّ زِدْ هٰذَا الْبَيْتَ تَشْرِيْفًا وَتَعْظِيْمًا وَتَكْرِيْمًا وَمَهَابَةً)) (طبرانی)

''اے اللہ! اس گھر کی بزرگی' عزت' حرمت' عظمت اور زیادہ کر دے۔''

نبی ﷺ مسجد الحرام میں آئے۔ تو سیدھے کعبہ کی طرف بڑھے اور تحیۃ المسجد ادا نہ کی (کیونکہ مسجد الحرام کی تحیۃ' طواف ہے) حجرِ اسود کے مقابل ہوئے تو اسے چھوا مگر اس کے لئے کشمکش (دھکم پیل) نہ کی' نہ پورے جسم سے اس کے محاذ میں کھڑے ہوئے' نہ رکن یمانی کی طرف رخ کیا' نہ ہاتھ اٹھائے' نہ طواف کے لئے کوئی خاص نیت زبان سے کچھ کہہ کر کی اور نہ نماز کی طرح طواف کو تکبیر سے شروع کیا جیسا کہ جاہل کیا کرتے ہیں۔ بلکہ صرف یہ کیا کہ حجر اسود کی طرف کچھ یوں ہی سارخ کیا' اسے چھوا' اور اپنے دائیں طرف سے طواف شروع کر دیا۔ کعبہ بائیں جانب تھا' اور جب رکنین (حجر اسود اور رکن یمانی) کے مابین پہنچے تو فرمایا:

﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ (البقرۃ: ۲۰۱)

''اے پروردگار! ہمیں دنیا اور آخرت میں بھلائی دے اور دوزخ کے عذاب سے بچا۔''

طواف کا طریقہ:

نبی ﷺ طواف کے پہلے تین چکروں میں اس طرح چلے کہ رفتار تیز تھی اور جسم جھومتا تھا' باقی چکروں میں آپ نے جھومنا موقوف کر دیا۔ مگر چھوٹے چھوٹے قدموں میں تیز چلتے رہے۔ چادر اس طرح اوڑھے تھے کہ ایک سرا بغل کے نیچے سے نکال کر کندھے پر ڈال لیا تھا' جس سے ایک ہاتھ اور شانہ کھل گیا تھا۔ آپ ﷺ طواف کرتے ہوئے جب حجر اسود کے سامنے آتے تو اس کی طرف اشارہ کرتے' ہاتھ میں خمیدہ سر لکڑی تھی جس سے اسے مس کرتے اور پھر لکڑی کا بوسہ لے کر آگے روانہ ہو جاتے۔ خود حجر اسود کا بوسہ لینا اور ہاتھ سے مس کرنا بھی ثابت ہے۔ رکن یمانی کو بھی چھوتے تھے مگر اس کا بوسہ نہ لیتے۔ طبرانی میں ہے کہ جب رکن یمانی کو چھوتے تو فرماتے: بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اور جب حجرِ اسود کے سامنے آتے تو کہتے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ

مقام ابراہیم علیہ السلام:

نبی اکرم ﷺ طواف کعبہ سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم علیہ السلام کے پیچھے آئے اور یہ آیت پڑھی:

﴿وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ (البقرۃ: ۱۲۵)

''مقام ابراہیم میں نماز پڑھو۔''

پھر وہاں دو رکعت نماز ادا کی جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد قُلْ ھُوَ اللّٰهُ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ۔ پڑھی۔

سعی صفا اور مروہ:

یہاں سے فارغ ہو کر آپ ﷺ کوہ صفا کی طرف روانہ ہوئے اور جب اس کے قریب پہنچے تو آیت:

﴿اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة: ١٥٨)

''صفا ومروہ شعائر الٰہی میں سے ہیں۔''

پڑھ کر فرمایا: جس سے اللہ تعالیٰ نے ابتدا کی ہے' اسی سے میں بھی ابتدا کرتا ہوں' چنانچہ صفا پر چڑھ گئے۔ جب کعبہ نظر [1] آیا تو کہا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ اَنْجَزَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''اللہ واحد کے سوا کوئی الٰہ نہیں' اسی کی حکومت ہے' اسی کے لئے ستائش ہے' اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ اللہ واحد کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں' اس نے اپنا وعدہ پورا کیا' اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تنہا توڑ دیا۔''

پھر آپ ﷺ سعی کرتے ہوئے مروہ کی طرف چلے۔

---

[1] آج کل چونکہ صفا ومروہ کو کور کر دیا گیا ہے، اس لیے کعبہ نظر نہیں آتا، لہٰذا کعبہ کی طرف اپنا رخ کر کے پھر یہ دعا پڑھی جائے۔ صفا ومروہ پر کوئی نوافل نبی ﷺ سے ثابت نہیں دورانِ سعی کئی جاہل لوگ وہاں نوافل پڑھنا شروع کر دیتے ہیں، جو کہ شرعاً خلاف سنت ہے۔ اور ویسے بھی سعی کرنے والوں کے لیے مشکلات کا سبب بنتا ہے' مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنی رقم، وقت اور مشکلات جو اس سفر کے دوران انہیں پیش آئی ہیں، بدعات میں پڑ کر اپنا سب کچھ تباہ ہونے سے بچائیں۔ فرمان الٰہی ہے: فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ ......الآية لوگوں کو چاہیے کہ وہ رسول کے حکم کی خلاف ورزی سے باز آجائیں۔ (نہیں تو) وہ آزمائشوں میں ڈال دیئے جائیں گے اور آخرت میں ان کے لیے دردبھرا عذاب ہوگا۔

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب لوگوں کا بہت زیادہ ہجوم ہوگیا، تو نبی ﷺ پیدل چلنے کے بجائے اپنی سواری پر سوار ہو گئے' مروہ پر چڑھے اور جب کعبہ دکھائی دیا تو تکبیر وتہلیل کی' پھر صفا کی طرف لوٹے یہاں تک کہ سعی کے ساتھ دور پورے ہو گئے۔ لیکن طواف کی کعبہ کی طرف اس میں جھوے نہیں۔

عمرہ کے ارکان کی تکمیل:

رسول اکرم ﷺ نے سعی کے بعد ان تمام لوگوں کو جن کے ہمراہ قربانی کے جانور نہ تھے' پھر ہدایت کی کہ اب احرام اتار دیں' کیونکہ عمرہ کے ارکان پورے ہو گئے اور خود اپنے بارہ میں فرمایا: اگر مجھے پہلے سے یہ معلوم ہوتا تو جانور ساتھ ہرگز نہ لاتا' عمرہ کے بعد احرام اتار دیتا اور وقت پر جانور خرید لیتا۔

روانگی منیٰ:

نبی ﷺ مکہ مکرمہ میں جب تک مقیم رہے' نماز برابر جائے قیام پر پڑھتے رہے اور قصر کرتے رہے' پنجشنبہ کو تمام ہمرائیوں کے ساتھ منیٰ کو روانہ ہوئے' راستہ میں ان لوگوں نے حج کا احرام پہن لیا جنہوں نے عمرہ کے بعد اتار دیا تھا۔ منیٰ پہنچ کر ظہر وعصر کو جمع کیا اور جمعہ کی رات وہیں بسر کی۔ جب صبح ہوئی اور آفتاب طلوع ہو گیا تو عرفات کو روانہ ہوئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بعض تلبیہ کہتے تھے اور بعض تکبیر' آپ ﷺ دونوں کو سنتے تھے مگر کچھ نہ کہتے تھے۔

میدان عرفات:

رسول اللہ ﷺ جب عرفات میں پہنچے تو ناقہ پر بیٹھے بیٹھے ایک عظیم الشان خطبہ [1] دیا اور کھڑے رہے یہاں تک کہ ظہر کا وقت آ گیا۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے اذان دلائی اور نماز قصر کر کے دو رکعات ادا کیں جس میں قرأت آہستہ کی حالانکہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسافر

---

[1] حجۃ الوداع میں رسول اللہ ﷺ نے متعدد خطبے دیئے جن میں سب سے زیادہ مشہور اور اہم خطبہ بروایت ابن اسحٰق رضی اللہ عنہ حسب ذیل ہے:

((اَیُّهَا النَّاسُ اِسْمَعُوْا قَوْلِیْ فَاِنِّیْ لَا اَدْرِیْ لَعَلِّیْ لَا اَلْقَاكُمْ بَعْدَ عَامِیْ ⇦⇦⇦

⇦⇦⇦ هٰذَا بِهٰذَا الْمَوْقِفِ اَبَدًا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ دِمَآءَ كُمْ وَاَمْوَالَكُمْ عَلَيْكُمْ حَرَامٌ اِلٰى اَنْ تَلْقَوْا رَبَّكُمْ كَحُرْمَةِ يَوْمِكُمْ هٰذَا وَكَحُرْمَةِ شَهْرِكُمْ هٰذَا وَاِنَّكُمْ سَتَلْقَوْنَ رَبَّكُمْ فَيَسْأَلُكُمْ عَنْ اَعْمَالِكُمْ وَقَدْ بَلَّغْتُ، فَمَنْ كَانَتْ عِنْدَهٗ اَمَانَةٌ فَلْيُؤَدِّهَا اِلٰى مَنِ ائْتَمَنَهٗ عَلَيْهَا وَاِنَّ كُلَّ رِبًا مَوْضُوْعٌ وَلٰكِنْ لَكُمْ رُؤُسُ اَمْوَالِكُمْ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ قَضَى اللّٰهُ اِنَّهٗ لَا رِبًا وَاِنَّ رِبَا عَبَّاسِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ مَوْضُوْعٌ كُلُّهٗ۔ وَاِنَّ كُلَّ دَمٍ كَانَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ مَوْضُوْعٌ وَاِنَّ اَوَّلَ دِمَائِكُمْ اَضَعُ دَمَ ابْنِ رَبِيْعَةَ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِالْمُطَّلِبِ (وَكَانَ مُسْتَرْضِعًا فِي بَنِي لَيْثٍ فَقَتَلَهٗ هُذَيْلٌ) فَهُوَ اَوَّلُ مَا اَبْدَءُ بِهٖ مِنْ دِمَاءِ الْجَاهِلِيَّةِ۔ اَمَّا بَعْدُ اَيُّهَا النَّاسُ فَاِنَّ الشَّيْطَانَ قَدْ يَئِسَ اَنْ يُّعْبَدَ بِاَرْضِكُمْ هٰذِهٖ اَبَدًا وَلٰكِنَّهٗ اَنْ يُّطَاعَ فِيْمَا سِوٰى ذٰلِكَ فَقَدْ رَضِيَ بِهٖ مِمَّا تَحْقِرُوْنَ مِنْ اَعْمَالِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ عَلٰى دِيْنِكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّ لَكُمْ عَلٰى نِسَائِكُمْ حَقًّا وَلَهُنَّ عَلَيْكُمْ حَقًّا عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ وَعَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يَاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ فَاِنْ فَعَلْنَ فَاِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذِنَ لَكُمْ اَنْ تَهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَتَضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ فَاِنِ انْتَهَيْنَ فَلَهُنَّ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاسْتَوْصُوْا بِالنِّسَآءِ خَيْرًا فَاِنَّ هُنَّ عِنْدَكُمْ عَوَانٌ لَا يَمْلِكْنَ لِاَنْفُسِهِنَّ شَيْئًا وَاِنَّكُمْ اِنَّمَا اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانَةِ اللّٰهِ وَاسْتَحْلَلْتُمْ فُرُوْجَهُنَّ بِكَلِمَاتِ اللّٰهِ فَاعْقِلُوْا اَيُّهَا النَّاسُ قَوْلِيْ فَاِنِّيْ قَدْ بَلَّغْتُ وَقَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوْا: كِتٰبَ اللّٰهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهٖ اَيُّهَا النَّاسُ، اِسْمَعُوْا قَوْلِيْ وَاعْقِلُوْهُ تَعْلَمُنَّ اَنَّ كُلَّ مُسْلِمٍ اَخٌ لِلْمُسْلِمِ وَاَنَّ الْمُسْلِمِيْنَ اِخْوَةٌ فَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ مِنْ اَخِيْهِ اِلَّا مَا اَعْطَاهُ عَنْ طِيْبِ نَفْسٍ مِّنْهُ وَلَا تَظْلِمُنَّ اَنْفُسَكُمْ، اَللّٰهُمَّ هَلْ بَلَّغْتُ۔ اَلنَّاسَ قَالُوْا نَعَمْ، فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ اشْهَدْ))

''لوگو! میری بات سنو کیونکہ شاید اس سال کے بعد اس جگہ میں تم سے کبھی نہ مل سکوں۔ لوگو! تم پر تمہارا خون اور تمہارا مال (قتل اور غضب) قیامت تک کے لئے اسی طرح حرام ہے جس طرح آج کے دن اور اس مہینہ میں خون بہانا حرام ہے۔ تم عنقریب اپنے رب کے ہاں سامنے جاؤ گے اور وہ تم سے تمہارے اعمال کی باز پرس کرے گا۔ میں نے تمہیں جتا دیا ہے پس جس کسی کے پاس امانت ہو وہ اس کے مالک تک پہنچا دے' ہر قسم کا سود باطل ہے' تم اپنا اصلی مال لے لو' سود چھوڑ دو اس طرح نہ تم پر ظلم ہوگا اور نہ تم دوسروں پر ظلم کرو گے' اللہ تعالیٰ کا فیصلہ یہی ہے کہ سود جائز نہیں' میں عباس بن عبدالمطلب کا پورا سود چھوڑتا ہوں۔ جاہلیت کے تمام خون چھوڑے جاتے ہیں اور سب ⇦⇦⇦

⇐⇐⇐ سے پہلا خون جو چھوڑتا ہوں وہ ابن ربیعہ بن حارث بن عبدالمطلب (آپ کے بھتیجے) کا خون ہے' جاہلیت کے خونوں میں اسی خون سے ابتدا کرتا ہوں۔ لوگو! شیطان مایوس ہو گیا ہے کہ اب کبھی تمہاری اس سرزمین میں اس کی پوجا کی جائے لیکن اپنی جن باتوں کو تم معمولی سمجھتے ہو اگر ان میں اس کی اطاعت کی جائے تو بھی وہ خوش رہے گا' پس اس کے مکر سے بچو۔ لوگو! تمہاری عورتوں پر تمہارا کچھ حق ہے اور عورتوں کا تم پر کچھ حق ہے۔ تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے ناموس کی حفاظت کریں اور ایسے لوگوں کو گھر میں نہ آنے دیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو' نیز کوئی کھلی ہوئی برائی نہ کریں اگر وہ ایسا کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے کہ انہیں رات کو الگ پڑا رہنے دو اور مارو بھی مگر بہت سختی سے نہیں اور جب باز آ جائیں تو ان کا حق یہ ہے کہ اچھی طرح انہیں کھلاؤ پلاؤ اور پہناؤ اڑھاؤ' عورتوں سے ہمیشہ اچھا سلوک کرو' وہ تمہارے ہاتھ میں بے بس ہیں' تم نے اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر انہیں لیا ہے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے' اے لوگو! میری بات خوب سمجھ لو' میں نے اچھی طرح جتا دیا۔ میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم اسے مضبوطی سے لئے رہو گے تو گمراہ نہ ہو گے یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ لوگو! میری بات سنو اور خوب سمجھ لو' جان لو کہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں' پس مسلمان کے لئے صرف وہی حلال ہے جو اس کے بھائی نے برضا و رغبت دے دیا ہے' ایک دوسرے پر زیادتی مت کرو' کیا میں نے جتا دیا؟'' سب نے کہا جتا دیا! اس پر فرمایا: ''الٰہی! تو گواہ رہنا۔''

ایک اور روایت میں ہے کہ سیدنا ربیعہ بن امیہ بن خلف رضی اللہ عنہ عرفات میں رسول اللہ ﷺ کے پاس کھڑے تھے آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ پکار کر کہو: ''لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں کہ جانتے ہو یہ کونسا مہینہ ہے؟'' تو انہوں نے پکارا' تو لوگوں نے جواب دیا کہ ''یہ ماہ حرام ہے'' آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے تم پر تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مہینہ کی حرمت ہے۔'' پھر فرمایا کہو: ''لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کون سا مقام ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا کہ ''یہ بلد الحرام ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا کہو: ''اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح تمہارے اس مقام کی حرمت ہے۔'' پھر فرمایا کہو: ''لوگو! رسول اللہ کہتے ہیں جانتے ہو یہ کونسا دن ہے؟'' لوگوں نے جواب دیا کہ ''یوم الحج الاکبر'' فرمایا کہو: ''اللہ تعالیٰ نے قیامت تک کے لئے تمہاری جان اور مال کو اسی طرح حرام کر دیا ہے جس طرح آج کے دن کی حرمت ہے۔''

مسلمان جواب دیں' کیا اپنے نبی کی آخری وصیتوں پر عمل کر رہے ہیں؟ (مترجم)

کے لئے جمعہ نہیں ہے۔ ظہر کے بعد عصر کے لئے اقامت کہی گئی اور یہ نماز بھی قصر کر کے صرف دو رکعات پڑھی۔ اہل مکہ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے اور مقتدی تھے انہوں نے بھی قصر و جمع کیا' آپ ﷺ نے انہیں نہ تو پوری نماز پڑھنے کا حکم دیا' اور نہ ہی جمع کرنے سے روکا۔ بعض لوگ اسے تسلیم نہیں کرتے اور روایت پیش کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا: ''تم اپنی نماز پوری کر لو' ہم تو مسافر ہیں۔'' حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید جہالت کی بات ہے کیونکہ یہ حدیث اس موقعہ کی نہیں بلکہ فتح مکہ کے موقع کی ہے۔

جائے وقوف:

نبی اکرم ﷺ نماز کے بعد پھر اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لائے اور دامن کوہ میں کھڑے ہو کر تضرع وزاری میں مصروف ہو گئے۔ لوگوں کو یہ بتا دیا کہ آپ ﷺ کے اس مقام پر کھڑے ہونے سے یہ نہ سمجھ لیں کہ وقوف کی جگہ صرف یہی ہے بلکہ فرمایا عرفات کی پوری پہاڑی پر وقوف کیا جا سکتا ہے۔ آپ ﷺ دعا اس طرح مانگ رہے تھے کہ دونوں ہاتھ سینہ تک اٹھے ہوئے تھے گویا مسکین کچھ مانگ رہا ہے۔ دعا یہ تھی:

((اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَالَّذِيْ نَقُوْلُ وَخَيْرًا مِّمَّا نَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ لَكَ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ وَاِلَيْكَ مَاٰبِيْ وَلَكَ تُرَاثِيْ' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَوَسْوَسَةِ الصَّدْرِ وَشَتَاتِ الْاَمْرِ' اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّمَا تَجِيْءُ بِهِ الرِّيْحُ)) (ترمذی)

''اے میرے اللہ! تیری وہ ستائش ہے جو ہم کہتے ہیں اور اس سے بڑھ کر ہے جو ہم کہتے ہیں۔ اے اللہ کریم! میری نماز' میری عبادت' میرا جینا' میرا مرنا سب کچھ تیرے ہی لئے ہے' تیرے ہی طرف میرا لوٹنا ہے' اور تو ہی میرا وارث ہے۔ الٰہی! قبر کے عذاب' دل کے وسوسہ اور معاملات کی ابتری سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے میرے اللہ ہر قسم کے شر سے مجھے محفوظ فرما دے۔''

دین اسلام کی تکمیل:

اسی میدان عرفات میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْكُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ (المائدہ: ۳)

''آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم کو (پوری کی پوری) دے دی اور دین اسلام تمہارے لئے پسند فرمایا۔''

ایک حاجی کا کفن دفن:

اس موقع پر ایک مسلمان حاجی سواری پر سے گر کر مر گیا تو حکم دیا کہ بیری کے پتے اور پانی میں نہلایا جائے اور احرام کے دونوں کپڑوں ہی میں دفن کر دیا جائے' خوشبو نہ لگائی جائے' سر اور چہرہ بھی نہ ڈھانپا جائے۔ (کیونکہ وہ احرام کی حالت میں فوت ہوا تھا)

عرفات سے روانگی:

جب آفتاب پوری طرح غروب ہو گیا تو رسول اکرم ﷺ عرفات سے روانہ ہوئے۔ پیچھے سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید سوار تھے۔ آپ ﷺ لوگوں کو دوڑتے دیکھ کر فرماتے تھے: ''لوگو! وقار سے چلو' نیکی کچھ دوڑنے میں نہیں ہے۔'' نبی ﷺ درمیانی رفتار سے مسلسل تلبیہ کہتے ہوئے چلتے رہے یہاں تک کہ مزدلفہ پہنچ گئے۔

مزدلفہ میں قیام:

نبی ﷺ نے یہاں فوراً وضو کیا' سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دینے کا حکم دیا اور اقامت کے بعد بغیر اسباب اتارے نماز مغرب پڑھی' پھر توقف کیا یہاں تک کہ جب لوگ اتر (اکٹھے ہو) چکے تو عشا کے لئے صرف اقامت کہلوائی اور نماز پڑھی۔ دونوں نمازوں کے مابین کوئی سنت نہیں پڑھی۔ آپ ﷺ نے رات یہیں بسر کی اور اچھی طرح سوئے' اس شب میں نہ خود بیدار رہے اور نہ دوسروں کو بیدار رہنے کا حکم دیا۔ آپ ﷺ نے کمزور عورتوں اور بچوں کو طلوع آفتاب سے پہلے ہی منیٰ روانہ کر دیا مگر تاکید کر دی کہ دن نکلنے سے پہلے کنکریاں نہ پھینکیں۔ (ترمذی وغیرہ)

مشعر الحرام:

رسول اکرم ﷺ نماز فجر ادا کر کے خود بھی سوار ہو گئے' مشعر الحرام میں آئے اور قبلہ رو ہو کر دعا و انابت میں مصروف ہو گئے' یہاں تک کہ روشنی پھیل گئی۔ پھر سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ کو پیچھے بٹھا کر تلبیہ کہتے ہوئے آگے بڑھے' یہیں راستہ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ رمی الجمار کے لئے سات کنکریاں چن دیں' جنہیں مٹھی میں لے کر پھینکتے اور لوگوں سے فرماتے تھے: ایسی ہی کنکریاں پھینکو' دین میں غلو مت کرو کیونکہ اسی غلو فی الدین نے اگلی قوموں کو ہلاک کر ڈالا۔

باپ کی طرف سے حج:

اسی راستہ میں بنی خثعم کی ایک حسین عورت نے حاضر ہو کر اپنے باپ کی طرف سے حج کرنے کے متعلق دریافت کیا جو اس قدر بوڑھا ہو چکا تھا کہ سواری پر بھی بیٹھ نہ سکتا تھا' آپ ﷺ نے جواب دیا کہ تو اس کی طرف سے حج کر سکتی ہے۔ ادھر یہ باتیں ہو رہی تھیں ادھر سیدنا فضل بن عباس رضی اللہ عنہ جو خود بھی حسین تھے اسے گھور رہے تھے اور اس کی نگاہیں ان کی طرف تھیں' آپ ﷺ نے دونوں نوجوانوں کی یہ حالت محسوس کی تو فضل کے چہرہ پر ہاتھ رکھ کر آڑ کر دی۔ [1]

وادی محسر:

ہادی اعظم ﷺ جب وادی محسر میں پہنچے تو اونٹنی کی رفتار تیز کر دی' آپ ﷺ کا طریقہ یہی تھا کہ جب ایسے مقامات میں پہنچتے جہاں کسی قوم پر عذاب نازل ہوا ہے تو وہاں تیزی سے نکل جاتے اور یہ وادی وہی ہے جس میں اصحاب فیل ہلاک کئے گئے تھے۔

رمی الجمار:

رحمت عالم ﷺ جب منیٰ پہنچے تو زوال کے بعد جمرۃ العقبہ کے پاس تشریف لائے' اسفل وادی میں سواری پر کھڑے ہوئے اور قبلہ رو ہو کر یکے بعد دیگرے سات کنکریاں پھینکیں اور ہر کنکری پر تکبیر کہتے تھے' اب تلبیہ موقوف کر دیا تھا۔ سیدنا اسامہ اور سیدنا بلال رضی اللہ عنہما ساتھ تھے' ان

---

[1] یہ اخلاق نبوی تھا اگر ہمارے یہاں کے یہ متقشف ملا ہوتے تو کیا قیامت برپا کر دیتے۔ (مترجم)

میں سے ایک نے اونٹنی کی مہار تھام رکھی تھی اور دوسرے نے دھوپ سے بچاؤ کے لئے کپڑے سے سایہ کیا ہوا تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ محرم کے لئے دھوپ سے بچنا جائز ہے۔

قیام گاہ میں خطبہ:

رحمۃ للعالمین ﷺ رمی الجمار کے بعد قیام گاہ پر لوٹ آئے اور ایک نہایت بلیغ خطبہ دیا جس میں یوم النحر کی حرمت وعظمت اور سرزمین مکہ مکرمہ کی تمام سرزمینوں پر فضیلت بیان کی اور فرمایا جو کوئی کتاب اللہ کے ساتھ تمہاری رہنمائی کرے اس کی اطاعت کرو اور مناسک حج اس سے سیکھو' مسلمانوں کو وصیت کی کہ میرے بعد کافر نہ ہو جانا کہ باہم ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔ اور فرمایا:

> ''ظالم خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے' لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو' اپنی پانچوں نمازیں پڑھا کرو' اپنے رمضان کے روزے رکھو' جو تمہیں حکم دیا جائے اس کی اطاعت کرو' اور ان سب کے عوض اپنے رب کی جنت لے لو۔''

حجۃ الوداع کی وجہ تسمیہ:

اس موقعہ پر نبی ﷺ لوگوں سے رخصت ہوئے اور ان کو الوداع کہا جس کی مناسبت سے اس حج کا نام ہی ''حجۃ الوداع'' پڑ گیا۔

قربان گاہ:

اس کے بعد آپ ﷺ پھر قربان گاہ تشریف لے گئے اور عمر شریف کے حساب سے تریسٹھ اونٹ اپنے دست مبارک سے ذبح کئے' کل سو اونٹ ہمراہ لائے تھے' باقی کے ذبح کرنے کا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دے دیا اور کہا قربانی کا گوشت اور کھال سب کچھ مسکینوں [1] کو خیرات کر دو' قصاب کو اس میں سے بطور اجرت کچھ نہ دینا' اس کی مزدوری ہم اپنے پاس سے دیں گے۔

[1] آج کل بے چارے مساکین کو کون پوچھتا ہے لاتعداد چور، ڈاکو اور لٹیرے لوگوں کی قربانی کی کھالیں چھین کر لے جاتے ہیں جو کہ حقدار نہیں ہوتے اور جو حقدار ہوتے ہیں، وہ صرف اللہ تعالیٰ کے آسرا پر اپنی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں۔ وائے مسلمان؟

گائے اور اونٹ کی قربانی:

صحیحین میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ حدیبیہ کے سال ہم نے ایک اونٹ سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیا تھا' اسی طرح ایک گائے میں بھی سات سات آدمی شریک ہوئے تھے۔ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: حجۃ الوداع میں ایک اونٹ دس آدمیوں کی طرف سے بھی ذبح کیا گیا تھا۔ صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے (جن کی تعداد نو تھی) ایک گائے قربان کی تھی۔ ❶

حجامت:

نبی کریم رؤوف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ میں قربانی سے فارغ ہو کر حجام کو بلایا اور حکم دیا کہ پہلے دائیں طرف کے اور پھر بائیں طرف کے بال لے لے' صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اکثر نے سر منڈوا دیا اور بعض نے کتروانے پر اکتفا کیا۔

طواف الافاضہ:

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ظہر سے پہلے مکہ مکرمہ روانہ ہو گئے اور وہاں پہنچتے ہی ''طواف ❷ الافاضہ'' کیا پھر زمزم پر آئے تو دیکھا لوگ حاجیوں کو پانی پلا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اگر مجھے اس بات کا ڈر نہ ہوتا کہ مخلوق تم پر ہجوم کر دے گی تو میں بھی تمہارے ساتھ کھڑا ہو کر پانی پلاتا۔'' انہوں نے ڈول آگے بڑھا دیا اور رات وہیں بسر کی۔

ایام تشریق کے بعد کوچ:

صبح ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے بعد پھر کنکریاں پھینکنے چلے اور جمرہ اولیٰ سے شروع کر کے تیسرے جمرہ تک ہر ایک پر سات سات کنکریاں پھینکیں' ہر کنکری پر تکبیر کہتے اور جب سات

---

❶ اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور میں اشخاص کی تعداد مقرر کرنا صحیح نہیں بلکہ ایک جانور بہت سے آدمیوں کی طرف سے قربانی کیا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

❷ اس طواف پر حج کے تمام ارکان پورے ہو جاتے ہیں اور حاجی کے لئے وہ سب باتیں جائز ہو جاتی ہیں جو غیر حاجی کے لئے جائز ہیں۔ (مترجم)

پوری ہو جاتیں تو ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے' لیکن تیسرے جمرہ پر دعا نہیں کی اور کنکریاں پھینکنے کے بعد ہی واپس آ گئے۔ یہیں منیٰ میں یوم النحر کے دوسرے دن پھر خطبہ دیا۔ اسی موقع پر سورۂ اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ نازل ہوئی جس سے آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ بس اب سفر آخرت قریب ہے' اور آپ ﷺ نے لوگوں کو بھی اشارۃً اس کی اطلاع دے دی تھی' جیسا کہ بیہقی رحمہ اللہ نے روایت کیا ہے۔ آپ ﷺ منیٰ میں کل تین دن مقیم رہے یہاں تک کہ جب ایام تشریق ختم ہو گئے اور رمی الجمار سے بالکل فراغت ہو گئی تو سہ شنبہ کی ظہر کے بعد یہاں سے کوچ کر دیا۔

رخصت واجازت:

نبی ﷺ نے ایام منیٰ میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو اجازت دے دی تھی کہ مکہ مکرمہ ہی میں رات گذارا کریں کیونکہ حاجیوں کو پانی پلانے کی خدمت انہیں کے سپرد تھی۔ نیز شتربانوں سے بھی کہہ دیا تھا کہ منیٰ کے باہر اپنے اونٹوں کے پاس رات بسر کیا کریں۔

مدینہ کو روانگی:

محسن انسانیت ﷺ مکہ آئے تو رات کو پچھلے پہر طواف الوداع کیا' ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ مجھے ایام (حیض) شروع ہیں' آپ ﷺ اس سے ذرا پریشان ہوئے اور فرمایا ''تو کیا تم ہمیں رکنے پر مجبور کرو گی؟'' لیکن جب معلوم ہوا کہ وہ طواف الافاضہ پہلے ہی کر چکی ہیں تو آپ ﷺ مدینہ روانہ ہو گئے۔

مدینہ کے راستہ میں مقام روحاء پر ایک قافلہ ملا جس میں سے ایک عورت نے ایک شیر خوار بچے کو دکھا کر عرض کیا اے اللہ کے رسول کیا اس کا بھی حج ہو گیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''ہاں اس کا بھی حج ہو گیا اور تجھے اس کا ثواب ملا۔''

واپسی میں بھی نبی ﷺ نے ذوالحلیفہ میں رات گذاری اور صبح کو جب مدینہ نظر آیا تو تین بار تکبیر کہی اور فرمایا:

((لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ' اٰئِبُوْنَ' تَائِبُوْنَ عَابِدُوْنَ' سَاجِدُوْنَ' لِرَبِّنَا حَامِدُوْنَ صَدَقَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''اللہ واحد کے سوا اور کوئی الٰہ نہیں' اسی کی حکومت ہے' اسی کے لیے ستائش ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے' ہم لوٹے آرہے ہیں' توبہ کر رہے ہیں' عبادت کر رہے ہیں' سجدہ کر رہے ہیں اور اپنے رب کی حمد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تم جتھوں کو تن تنہا شکست دے دی۔''

13- فصل

قربانی اور عقیقہ کا بیان

آٹھ قسم کے جانور:

قربانی صرف ان آٹھ قسم کے جانوروں کے ساتھ مخصوص ہے جن کا ذکر سورۂ انعام میں موجود ہے' ان کے علاوہ دوسرے جانوروں کی قربانی ثابت نہیں۔ وہ آٹھوں اقسام قرآن کی ان چار آیات میں مذکور ہیں:

رب ذوالجلال نے فرمایا:

﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ (المائدة: ١)

''حلال ہوئے تمہارے لئے چوپائے مویشی۔''

دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج: ٢٨)

''اور پڑھو اللہ تعالیٰ کا نام معلوم دنوں میں چوپائے مویشیوں کے ذبح کے وقت یاد کرو (یعنی ذبح کرتے وقت بسم اللہ و اللہ اکبر کہو) جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیئے ہیں۔''

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ○ ثَمَانِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ○ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ قُلْ آلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ أَمِ الْأُنْثَيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامُ الْأُنْثَيَيْنِ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّاكُمُ اللَّهُ بِهَٰذَا فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ○﴾

(الانعام: ١٤٣ - ١٤٥)

"اللہ تعالیٰ نے چار پایوں میں بعض بلند قامت بوجھ اٹھانے والے پیدا کیے اور بعض زمین سے لگے ہوئے پست قامت' اللہ تعالیٰ نے جو روزی تمہیں دی ہے اس میں سے کھاؤ اور شیطان کے قدم بقدم نہ چلو۔ اللہ رب العزت نے یہ چار پائے نر و مادہ آٹھ قسم کے حلال قرار دیئے ہیں۔ بھیڑ میں سے دو نر مادہ اور بکری میں سے دو نر و مادہ۔ ان سے پوچھو کیا اللہ تعالیٰ نے بھیڑ بکری کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو ماداؤں کو یا اس بچہ کو جو دو ماداؤں کے پیٹ میں ہے' اگر تم سچے ہو تو سند پیش کرو۔ اونٹوں میں سے نر و مادہ دو اور گائے کی قسم میں سے نر و مادہ دو۔ ان سے پوچھو کیا اللہ تعالیٰ نے اونٹ گائے کے دو نروں کو حرام کر دیا ہے یا دو ماداؤں کو یا اس بچہ کو جو ان کے پیٹ میں ہے۔ تم جانتے ہو جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں نصیحت کی کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں جو اللہ تعالیٰ پر بغیر علم کے جھوٹ باندھے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے' بیشک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ دکھانے کا نہیں۔"

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ﴾

(المائدة: ٩٥)

"مسلمانو! حالت احرام میں شکار کو قتل نہ کرو' اور جو جان بوجھ کر قتل کرے اس کی سزا یہ ہے کہ دو منصفوں کے فیصلہ کے مطابق مقتول شکار کے مثل چوپایہ کعبہ تک ہدی بنائے۔"

ذبح کیے جانے والے جانوروں کی اقسام:

وہ جن کو ذبح کرنے سے تقرب الی اللہ اور عبادت مقصود ہوتی ہے' تین ہیں: ہدی' قربانی' عقیقہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیڑ' اونٹ اور ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی طرف سے گائے کو ہدی کیا ہے۔ ایک اونٹ اور ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں اور ہدی کے لئے جانے والے کو اجازت دی ہے کہ اگر اور سواری میسر نہ ہو تو سہولت کے ساتھ اس پر سوار ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو اجازت دی ہے کہ اپنے ہدی و قربانی میں چاہے تو کھائے اور بچا کر بھی

رکھ چھوڑے۔

ابوداؤد میں سیدنا ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کی اور فرمایا: ''ثوبان' اس بکری کا گوشت ٹھیک کرلو' وہ کہتے ہیں میں مکہ سے مدینہ تک راستہ بھر اسی کا گوشت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتا رہا۔

مسنون قربانی:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عید کی نماز کے بعد دو مینڈھے قربان کرتے تھے' نماز سے پہلے قربانی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس نے نماز سے پہلے قربانی کی تو اس کی قربانی نہیں ہوئی۔'' قربانی کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ اچھے اور بے عیب جانور منتخب کرتے اور عیدگاہ میں ذبح کرتے' ایک بکری ایک آدمی اور اس کے گھر بھر کی طرف سے قربانی کی جاسکتی ہے' عطاء بن یسار رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں صحابہ رضی اللہ عنہم کس طرح قربانی کرتے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ایک آدمی اپنی طرف سے اور اپنے گھر بھر کی طرف سے ایک بکری ذبح کرتا تھا جس میں سے خود بھی کھاتا اور دوسروں کو بھی کھلاتا تھا۔ (ترمذی)

مسنون عقیقہ:

مؤطا کی روایت ہے کہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا ہم اپنے شیر خوار بچوں کی طرف سے بھی قربانی کر سکتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں جو ایسا کرنا چاہے اپنے لڑکے کی طرف سے دو بکریاں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے۔'' نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہر بچہ کے ذمہ اس کے عقیقہ کی قربانی ہے' لہٰذا چاہیے کہ ساتویں دن اس کی طرف سے قربانی کی جائے' اس کا سر مونڈا جائے اور اس کا نام رکھا جائے۔'' خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے عقیقہ میں ایک ایک مینڈھے کی قربانی کی تھی۔

سیدنا ابورافع رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پیدائش کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کے کان میں اذان دی تھی۔

14- فصل

صدقات کا بیان

فرضیت زکوٰۃ:

زکوٰۃ ہر مالدار پر فرض ہے' سونا' چاندی' مال تجارت اور چوپائے جانوروں (اونٹ' گائے بیل' بھیڑ' بکری) میں سالانہ ایک مرتبہ زکوٰۃ ہے اور کھیتی اور پھلوں میں تیاری کے وقت (عشر وغیرہ) ہے۔

تناسب زکوٰۃ:

تمام چیزوں کی زکوٰۃ برابر نہیں بلکہ صاحب مال کی محنت کی کمی بیشی کے تناسب پر اس کا حساب رکھا گیا ہے' چنانچہ جو دولت بغیر کسی محنت کے بطور دفینہ کے ہاتھ آجائے اس میں زکوٰۃ پانچواں حصہ ہے' جو کھیتی یا باغ آبپاشی کی محنت کے بغیر تیار ہو اس میں دسواں حصہ ہے' لیکن جو ایسی نہ ہو اور آبپاشی کی محتاج ہو اس میں بیسواں حصہ ہے' ایسا مال جس کی ترقی کے لئے لگاتار محنت مشقت کرنا پڑے اس میں چالیسواں حصہ ہے۔

نصابِ زکوٰۃ:

ہر مال کا ایک نصاب مقرر کر دیا گیا ہے جس سے کم میں زکوٰۃ نہیں چنانچہ سونے کا نصاب بیس مثقال (۷½ تولہ) ہے' چاندی کا دو سو درہم (۵۲½ تولہ) غلہ اور پھل کا پانچ وسق (تقریباً چھ من) بھیڑ بکری میں چالیس سے ۱۲۰ تک ایک بکری۔ تیس گائے، بیل اور بھینس میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھڑی ۳۹ تک۔ اونٹ میں ۵ سے ۲۴ اونٹوں تک پر پانچ اونٹوں میں ایک بکری۔

مستحقین صدقات:

صدقات کا مستحق اللہ تعالیٰ نے آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا ہے: فقیر محتاج' زکوٰۃ کے محصل' نو مسلم جن کی تالیف قلب مقصود ہو' غلام (غلامی سے آزاد ہونے کے لئے) قرضدار' مجاہدین فی

سبیل اللہ اور مسافر۔

مصرف زکوٰۃ:

رسول اکرم ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ ہر علاقہ کی زکوٰۃ اکٹھی کر کے مستحقین پر ہی وہیں تقسیم کر دی جاتی، اگر کچھ بچ رہتی تو وہ دوسری جگہ کے مستحقین میں تقسیم فرما دیتے اور جس کے متعلق معلوم ہو جاتا کہ وہ مستحق ہے تو اسے خود دے دیتے، اگر کوئی ایسا شخص طلب کرتا جس کا حال معلوم نہ ہوتا تو یہ کہتے ہوئے دے دیتے ''مالدار اور کمانے کی صلاحیت رکھنے والے کے لئے زکوٰۃ نہیں ہے۔''

معمول نبوی ﷺ:

امام کائنات ﷺ کے پاس جب کوئی شخص اپنی زکوٰۃ حاضر کرتا تو آپ اسے دعا دیتے اور کبھی فرماتے: اَللّٰھُمَّ بَارِكْ فِيْهِ وَفِيْ اِبِلِهٖ۔ ''الٰہی اس میں اور اس کے اونٹوں میں برکت دے۔'' کبھی فرماتے: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ ''اے میرے اللہ! اس پر تیری صلوٰۃ ہو۔'' زکوٰۃ میں اچھا مال چھانٹ کر نہ لیتے، صرف درمیانی درجہ کی چیزیں لینے کا حکم دیتے تھے۔

ممانعت واجازت:

رسول اکرم ﷺ صدقہ دینے والے کو خود اپنا صدقہ خریدنے سے منع کرتے۔ مالدار کے لئے اجازت تھی کہ اس صدقہ سے فائدہ اٹھائے جو غریب کو دیا جائے اور غریب اسے ہدیہ کر دے، چنانچہ سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں نے صدقہ کا کچھ گوشت دیا، تو انہوں نے آپ ﷺ کی خدمت میں بطور تحفہ کے پیش کیا، آپ ﷺ نے اس میں سے تناول کیا اور فرمایا: ''سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے لئے صدقہ ہے، مگر ہمارے لئے اس کی طرف سے تحفہ ہے۔'' کبھی زکوٰۃ پر مسلمانوں کے کاموں کے لئے قرض لیتے تھے، کبھی خود صاحب مال سے پیشگی زکوٰۃ لے لیتے تھے جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہوا آپ نے ان سے دو سال کی زکوٰۃ پیشگی لے لی تھی۔

محصلین کا تعین:

تحصیلدار صرف ان لوگوں کے ہاں بھیجتے تھے جن کے پاس محسوس دولت' مثلاً زراعت' باغات اور مویشی وغیرہ ہوتے۔ نخلستان کے مالکوں کے ہاں اندازہ لگانے والوں کو بھیجتے تھے جو پوری طرح دیکھ بھال کرنے کے بعد اندازہ لگاتے تھے کہ اس باغ میں کتنی کھجور ہوگی' مگر ساتھ ہی انہیں یہ حکم بھی تھا کہ ایک ثلث یا ربع چھوڑ کر اندازہ لگائیں تاکہ آفات سماوی سے جو نقصان ہو وہ تخمینہ میں نہ آئے اور مالکوں پر ظلم نہ ہو' تخمینہ کے بعد پھر مالکوں کی کوئی نگرانی نہ ہوتی تھی' وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے اور آخر میں آ کر زکوٰۃ پیش کر دیتے تھے۔

رشوت ستانی:

خیبر کے یہودیوں سے سالانہ خراج لیا جاتا تھا نبی ﷺ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو ان کے کھیتوں اور باغوں کے معائنہ اور تخمینہ کے لئے بھیجا کرتے تھے' کبھی کبھی یہ لوگ سیدنا عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کو رشوت دینا چاہتے تو وہ فرماتے: ''حرام کا لالچ دلاتے ہو! اللہ کی قسم! میں افضل ترین انسان کی طرف سے تمہارے پاس آیا ہوں اور تم میرے نزدیک بدترین خلائق اور بندروں اور سوروں سے بھی ادنیٰ ہو' لیکن اس انسان کامل ﷺ کی محبت اور تمہاری عداوت مجھے ظلم بھی نہ کرنے دے گی' جو انصاف کی بات ہوگی وہی کروں گا۔'' اس پر وہ لوگ کہتے کہ ''ایسے ہی انصاف سے زمین و آسمان قائم ہیں۔''

وجوب صدقۂ فطر:

صدقۂ فطر ہر مسلمان پر واجب ہے' اپنی طرف سے اور ان لوگوں کی طرف سے جن کی وہ کفالت کرتا ہے' اس کی مقدار چھوہارے' خشک انگور' پنیر یا جو سے ایک صاع [1] ہے۔

مسند احمد و ابوداؤد کی روایت ہے کہ گندم کا ایک صاع دو آدمیوں کا صدقہ ہے۔

---

[1] صاع کا وزن قریباً ڈھائی سیر ڈھائی چھٹانک ہوتا ہے۔

وقت ادائے فطر:

نبی اکرم ﷺ کا سنت طریقہ یہ تھا کہ آپ نماز عید سے پہلے صدقہ نکالتے تھے' حدیث میں ہے:
''نماز سے پہلے صدقہ دینا بمنزلہ زکوٰۃ مقبول کے ہے اور نماز کے بعد محض ایک عام خیرات کے۔''

صحیحین میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے نماز سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا ہے۔'' ان دونوں احادیث سے مترشح ہوتا ہے کہ نماز کے بعد تک تاخیر جائز نہیں۔ اس کے خلاف قربانی کا وقت نماز کے بعد قرار دیا گیا ہے' پس جس طرح نماز کے بعد صدقۂ فطر کی حیثیت ایک معمولی صدقہ کی ہو جاتی ہے' تو اسی طرح نماز سے پہلے قربانی کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ ایک بکری ہے جو گوشت کھانے کے لئے ذبح کی گئی ہے۔ عہد نبوی میں صدقۂ فطر صرف مسکینوں پر تقسیم کیا جاتا۔

آپ ﷺ کی خیرات:

جود وسخا میں رسول اقدس ﷺ تمام انسانوں سے بڑھے ہوئے تھے' کبھی یہ نہیں ہوا کہ کسی نے کوئی سوال کیا ہو اور آپ نے پورا نہ کر دیا ہو' قطع نظر اس سے کہ اپنے پاس زیادہ ہو یا کم' آپ ﷺ کو چیز دے کر اتنی مسرت ہوتی تھی جتنی خود لینے والے کو نہ ہوتی تھی۔

سخاوت کے مختلف طریقے تھے' کسی کو ہبہ کے نام سے دیتے' کسی کو صدقہ کے طور پر' کسی کو ہدیہ کہہ کر' بارہا یہ ہوتا کہ چیز خریدتے اور قیمت زیادہ دے دیتے یا چیز اور قیمت دونوں بخش دیتے' قرض لیتے تو اس سے کہیں زیادہ اور کہیں بہتر ادا کرتے۔

15- فصل

قرآن پڑھنا اور سننا

تلاوت قرآن:

قرآن شریف کی ایک حزب (منزل) مقرر تھی جسے آپ ﷺ ہمیشہ پڑھتے اور کبھی ناغہ نہ فرماتے' قرأت میں ترتیل ملحوظ رہتی تھی اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ سے شروع کرتے تھے۔ قرآن جنابت کے علاوہ، ہر حال میں پڑھتے کھڑے' بیٹھے' ٹیک لگائے یا بے وضو' آپ ﷺ قرآن خوش الحانی اور لے سے پڑھتے اور فرماتے تھے: ''قرآن کو اپنی آوازوں سے زینت دو' جو قرآن خوش الحانی سے نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں۔'' اور فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ایسی آواز کسی کو نہیں دی جیسی خوش آواز اپنے نبی (ﷺ) کو دی ہے' جو قرآن کو گا کر پڑھتا ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ اس طرح کوئی چیز نہیں سنتا جس طرح خوش آواز نبی (ﷺ) کا قرآن سنتا ہے۔

سماعِ قرآن:

نبی ﷺ دوسروں سے قرآن سننا زیادہ پسند کرتے تھے' ایک مرتبہ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو قرآن سنانے کا حکم دیا' انہوں نے پڑھا' آپ ﷺ پر رقت طاری ہوگئی یہاں تک کہ آنکھیں اشکبار ہوگئیں۔ ایک رات سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن آپ نے سنی اور صبح کو جب انہیں اس بات کا پتہ چلا تو کہا کہ ''اگر مجھے معلوم ہوتا کہ نبی ﷺ سن رہے ہیں تو میں اور بھی خوب اچھی طرح پڑھتا۔'' ❶

---

❶ تلاوت قرآن اور تغنی بالقرآن سے مقصود اس طرح قرآن پڑھنا ہے کہ پڑھنے والے اور سننے والے کے قلب پر اثر ہو' بہت سے لوگ ''ترتیل'' اور ''تغنی'' سے یہ مطلب سمجھتے ہیں کہ حلق سے قرآن پڑھا جائے یا موسیقی کے اصول استعمال میں لائے جائیں' ہندوستان میں عربی لہجہ نہ ہونے کی وجہ سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ لوگ حرف حلقی کو غیر طبعی طریقہ سے ادا کرنے اور تکلف و تصنع سے قرآن پڑھنے کو قرأت سمجھتے ہیں' جس کے سننے سے کبھی ہنسی آتی ہے تو کبھی غصہ آتا اور کبھی مسکین ''قاری'' پر رحم آتا ہے۔ کاش لوگ صحیح طور پر فن تجوید سیکھتے یا اس طرح توڑ مروڑ کر قرآن پڑھنے کی بجائے سادگی سے پڑھتے۔ کیونکہ سادگی تو ہر حال میں مستحسن ہے۔ (مترجم)

16- فصل

عیادت کا بیان

آپ ﷺ کا معمول:

نبی اکرم ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے اگر کوئی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے جاتے۔ ایک یہودی لڑکا آپ ﷺ کی خدمت کیا کرتا تھا' جب وہ بیمار ہو گیا تو آپ اس کی عیادت کو تشریف لے گئے اور اسے دعوت اسلام پیش کی' اس نے قبول کر لی اور مسلمان ہو گیا۔ آپ ﷺ کے چچا ابو طالب مشرک تھے، آپ ﷺ نے ان کی بھی عیادت کی اور اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے دعوت قبول نہ کی اور وہ شرک کی حالت میں ہی مر گیا۔

عیادت کا طریقہ:

نبی ﷺ کا عیادت کا طریقہ یہ تھا کہ مریض کے پاس جاتے اور اس کے سرہانے کی طرف بیٹھتے' حال پوچھتے' صحت کی دعا کرتے' ایک روایت میں ہے کہ نبی ﷺ مریض سے یہ بھی دریافت کرتے کہ کچھ کھانے کی اشتہا ہے؟ اگر مریض کوئی ایسی چیز بتاتا جو مضر نہ ہوتی تو آپ ﷺ اسے دینے کا حکم دے دیتے۔ جب کسی مریض کی عیادت کرتے تو فرماتے: "لَا بَأْسَ طَهُوْرٌ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ۔" (فکر کی کوئی بات نہیں' ان شاء اللہ صحت ہے) رسول اکرم ﷺ کا عیادت کے لئے کوئی خاص دن یا وقت مقرر نہ تھا۔ جب مریض سے مایوس ہو جاتے فرماتے: "اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔"

17- فصل

تجہیز و تکفین کا بیان

آپ ﷺ کا معمول:

نبی اکرم ﷺ آخری وقت میں بیمار کو اللہ تعالیٰ اور آخرت کی یاد دلاتے' وصیت اور توبہ کی ہدایت کرتے اور لوگوں سے فرماتے کہ اس سے کلمہ شہادت کہلاؤ تا کہ اس کی آخری گفتگو یہی ہو اور جب کسی کی موت واقع ہو جاتی تو جاہل اور کافر قوموں کی طرح مونہہ پیٹنے' کپڑے پھاڑنے اور داڑھیں مار مار کر رونے سے آپ ﷺ منع فرماتے۔

رہا دل کا رنجیدہ ہونا اور اس طرح رونا کہ آواز نہ نکلے تو یہ خود آپ ﷺ سے بھی ثابت ہے' آپ ﷺ پر بھی یہ کیفیت طاری ہوتی تھی اور فرماتے تھے:

((تَدْمَعُ الْعَيْنُ وَيَحْزَنُ الْقَلْبُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا))

''آنکھ روتی ہے' دل کڑھتا ہے' مگر ہم کہیں گے وہی جس سے پروردگار راضی ہو۔''

آپ ﷺ کا یہ طریقہ تھا' یہ تھی کہ ایسے حادثات پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے' اِنَّا لِلّٰہِ پڑھتے اور وہی کہتے جس میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہو۔

کفنانے کا طریقہ:

رسول اللہ ﷺ کا سنت طریقہ کفنانے کا یہ تھا کہ مردہ کی آنکھیں بند کر دیتے اور چہرہ اور جسم چھپا دیتے' مردہ کا بوسہ لینا بھی ثابت ہے' مردہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں پہنچانے میں جلدی کرتے' اسے پاک کرتے' خوشبو ملتے' اور سفید کپڑے میں کفناتے' پھر نماز جنازہ پڑھتے۔

شہید اور محرم کی تکفین:

شہید کو نہ نہلاتے جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ کی روایت میں ہے ''کہ شہید کو غسل دینے کی ممانعت فرمائی ہے۔'' البتہ چمڑے اور لوہے کی چیزیں اس سے علیحدہ کرا دیتے' پھر اسی کے

کپڑوں میں بغیر نماز پڑھے اسے سپرد خاک کر دیتے۔ محرم (حج کے لئے احرام باندھے ہوئے آدمی کو) اگر مر جاتا تو اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دینے اور احرام ہی کے کپڑوں میں کفنانے اور اس کا سر اور چہرہ ننگا رکھنے کا حکم دیتے اور خوشبو لگانے سے بھی منع فرماتے۔

کفن کا کپڑا:

نبی ﷺ نے مردہ کو قیمتی کفن دینے سے منع کیا ہے' خود اس وقت کی حالت یہ تھی کہ آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو کفن بھر کپڑا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اس حال میں بھی دفن کیا ہے کہ پورا کفن موجود نہ تھا' اگر سر ڈھانپتے تو پاؤں ننگے رہتے اور اگر پاؤں ڈھانپتے تو سر ننگا ہو جاتا' ایسے موقعہ پر آپ ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ مردہ کا سر چھپا دیا جاتا اور پیروں پر سبز گھاس ڈال دیا جاتا۔ ❶

مسنون جنازہ:

نبی ﷺ جنازہ کی نماز ہمیشہ مسجد کے باہر پڑھتے تھے الا یہ کہ کسی وجہ سے مسجد میں پڑھنے پر مجبور ہو جائیں۔ جب کوئی جنازہ حاضر کیا جاتا تو پہلے دریافت فرماتے کہ میت مقروض تو نہیں؟ اگر میت مقروض ہوتی تو خود جنازہ میں شریک نہ ہوتے مگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اجازت دے دیتے' یہ اس لئے کہ آپ ﷺ کی نماز درحقیقت مردہ کے لئے شفاعت کا حکم رکھتی تھی اور مردہ بغیر اس کے

---

❶ اللہ اللہ! رسول ﷺ کے صحابی رضی اللہ عنہ اس طرح دفن ہوں اور ہمارے ہاں کے امراء اپنے کفن دفن میں اتنا اسراف کریں' لوگ مرنے والوں پر سینکڑوں ہزاروں روپیہ صرف کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہیں ثواب پہنچ رہا ہے۔ حالانکہ زندہ لوگ تو فقر و فاقہ کی مصیبت سے مر رہے ہیں اور ہر طرح کے مردوں سے اس مال کے زیادہ مستحق ہیں مگر ان پر کوئی خرچ نہیں کرتا۔ ہماری قوم کے گھر برباد ہیں مگر مقبرے آباد ہیں' مساجد ویران ہیں' تعلیم گاہیں مفقود ہیں اور جو ہیں وہ سسک رہی ہیں' مگر قبروں پر چاندی سونا پڑا الٹ رہا ہے۔ کاش! یہ لوگ اپنی دولت مفید کاموں میں صرف کرتے جس سے اللہ تعالیٰ بھی خوش ہوتا اور قوم کی حالت بھی سدھرتی' اگر صرف دس سال کے لئے مسلمان' عرس اور نیاز فاتحہ (وغیرہ مثلاً، تیجہ، ساتواں' چالیسواں وغیرہ) بند کر دیں اور اس کے مصارف قومی کاموں میں دے دیں تو بالکل حالت بدل جائے اور پھر کسی چندہ کی حاجت نہ رہے۔ لیکن یہ دعوت سنے کون؟ کہیں زندگی ہو تو جواب ملے؟ (مترجم)

کہ اس کا قرض ادا ہو جنت میں نہیں جا سکتا' پھر آپ ﷺ اس کی شفاعت کس طرح کر سکتے تھے؟ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مالی حالات درست کر دیئے' تو آپ ﷺ سب کا قرض ادا کرتے اور سب کے جنازہ کی نماز پڑھتے تھے' میت کا قرض اپنے ذمہ لے لیتے' اور اس کا مال و متاع اس کے ورثاء کو دے دیتے تھے۔

طریقہ نماز جنازہ:

جب جنازہ کی نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے' حمد و ثنائے الٰہی کرتے اور میت کے حق میں دعا مانگتے۔ عموماً چار تکبیرات کہتے تھے' لیکن مسلم کی روایت ہے کہ پانچ تکبیرات بھی کہی ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ کے متعلق روایت موجود ہے' چنانچہ ابن عیینہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اہل بدر پر پانچ' چھ اور سات تکبیرات کہتے تھے' یہ تمام احادیث و آثار صحیح ہیں' اس لئے چار تکبیرات سے زیادہ بھی کہی جا سکتی ہیں' ممانعت کرنے کی کوئی وجہ نہیں خصوصاً جب کہ خود رسول اللہ ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایسا کیا ہے۔

جنازہ میں فاتحہ اور درود:

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک جنازہ کی نماز پڑھائی تو پہلی تکبیر کے بعد سورۂ فاتحہ بہ آواز بلند پڑھی اور لوگوں سے کہا: ''یہ میں نے اس لیے پڑھی ہے تاکہ تمہیں معلوم ہو جائے کہ یہ بھی سنت نبوی ہے۔'' صحابہ رضی اللہ عنہم کا ایک گروہ اس طرف بھی گیا ہے کہ نماز جنازہ میں درود بھی پڑھنا چاہیے۔

نماز جنازہ سے مقصود:

نماز جنازہ سے مقصود میت کیلئے دعا کرنا ہے۔ بعض دعائیں آپ ﷺ سے مروی ہیں، مثلاً:

((اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهٗ وَارْحَمْهُ وَعَافِهٖ وَاعْفُ عَنْهُ وَأَكْرِمْ نُزُلَهٗ وَوَسِّعْ مُدْخَلَهٗ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرْدِ، وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ))

''الٰہی اس کی مغفرت فرما' اس پر رحم فرما' اسے بچا' اسے معاف فرما' اس کا اترنا اچھا کر' اس کا دروازہ کشادہ فرما' اسے پانی' برف اور یخ میں غسل دے' اسے جنت میں داخل

فرما' اسے قبر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ فرما۔''

نیز یہ دعا:

أَللّٰهُمَّ مَنْ أَحْيَيْتَهُ مِنَّا فَأَحْيِهِ عَلَى الْإِسْلَامِ وَالسُّنَّةِ وَمَنْ تَوَفَّيْتَهُ مِنَّا فَتَوَفَّهُ عَلَى الْإِيمَانِ، أَللّٰهُمَّ لَا تَحْرِمْنَا أَجْرَهُ وَلَا تُضِلَّنَا بَعْدَهُ))

''الٰہی! ہم میں سے تو جسے زندہ رکھے' اسلام اور سنت پر زندہ رکھ اور جسے موت دے' اسے ایمان پر موت دے' الٰہی! اس کے ثواب سے ہمیں محروم نہ فرما' اور اس کے بعد ہمیں امتحان میں نہ ڈال۔''

نیز یہ دعا:

((أَللّٰهُمَّ أَنْتَ رَبُّهَا وَأَنْتَ خَلَقْتَهَا وَأَنْتَ هَدَيْتَهَا لِلْإِسْلَامِ وَأَنْتَ قَبَضْتَ رُوحَهَا وَتَعْلَمُ سِرَّهَا وَعَلَانِيَتَهَا جِئْنَا شُفَعَاءَ فَاغْفِرْلَهُ.))

''الٰہی تو ہی اس کا رب ہے' تو نے ہی اسے پیدا کیا' تو نے ہی اسلام کی طرف اس کی رہنمائی کی' اور اب تو نے ہی اس کی روح قبض کر لی ہے' تو اس کا ظاہر باطن جانتا ہے' ہم اس کی شفاعت کے لئے حاضر ہوئے ہیں' اسے بخش دے۔''

نماز جنازہ کی قضاء:

نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی جنازہ کی نماز فوت ہو جاتی تو مرنے والے کی قبر پر جا کر نماز پڑھتے اور اس کے لئے کسی خاص وقت کی قید نہ تھی جب بھی موقعہ مل جاتا آپ نماز پڑھ آتے' چنانچہ ایک دن بعد بھی پڑھی ہے' تین دن بعد بھی اور ایک مہینہ بعد بھی۔ مردہ اگر مرد ہوتا تو نماز میں آپ ﷺ اس کے سر کے پاس کھڑے ہوتے اور اگر عورت ہوتی تو اس کی کمر کے پاس کھڑے ہوتے۔ بچہ کی نماز جنازہ بھی پڑھتے اور فرماتے: ''اپنے بچوں کی نماز پڑھو کیونکہ وہ تمہارے لئے جنت میں پیش خیمہ ہوں گے۔'' (ابن ماجہ) خودکشی کرنے والے اور مال غنیمت چرانے والے کی نماز نہ پڑھتے۔

جنازہ کے بعد:

نبی اکرم ﷺ جب نماز جنازہ پڑھ کر فارغ ہو جاتے تو قبر تک اس کے ساتھ آگے آگے

پیدل جاتے' آپ ﷺ کا حکم ہے کہ سوار میت کے پیچھے چلیں اور پیدل اس کے قریب میں آگے پیچھے' دائیں' بائیں جدھر چاہیں چلیں۔ نبی ﷺ جنازہ کے جلد جلد لے جانے کی ہدایت فرماتے تھے۔ رہا آج کل لوگوں کا رینگ رینگ کر خراماں خراماں قدم اٹھانا تو یہ ایک بدعت ہے جس کا ترک ضروری ہے' سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ تو ایسے لوگوں کو درے لگاتے اور فرماتے تھے: ''ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور جنازے تیزی سے لے جاتے تھے۔

قبر کے متعلق ہدایت:

قبر کے متعلق نبی ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ قبر گہری' چوڑی اور برابر ہوتی' قبر کا اونچا بنانا یا پختہ یا خام اینٹوں اور پتھروں سے تعمیر کرنا سنت نبوی میں نہ تھا' بلکہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو خاص اس مقصد سے یمن بھیجا تھا کہ جو بت مل جائے توڑ دیں اور جو بلند قبر مل جائے تو اسے گرا کر زمین کے برابر کر دیں۔ قبر پر چونا لگانے' عمارت بنانے اور کتبہ لگانے سے منع کیا ہے' آپ ﷺ کا یہ طریقہ تھا کہ جس کسی کی قبر یاد رکھنا ہوتی تو اس پر پتھر کی نشانی رکھ دیتے تھے۔

میت کو قبر میں رکھنے کا طریقہ:

میت کو قبر میں رکھتے وقت: بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ کہنا نبی ﷺ کی سنت سے ثابت ہے' طلوع وغروب اور دوپہر کے درمیانی اوقات میں میت کو دفن کرتے تھے' دفن سے فارغ ہوتے تو صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ واپس آتے اور میت کے لیے قبر میں ثابت قدم رہنے کی دعا فرماتے۔ آج کل کی طرح قبر کے پاس میت کی تلقین یا قرآنی خوانی کے لئے بیٹھنا آپ ﷺ کا طریقہ نہ تھا۔ رہی طبرانی کی سیدنا ابی امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کی تلقین کا حکم دیا ہے تو اس کا مرفوع ہونا صحیح نہیں۔

نبی ﷺ میت کے عزیز واقارب کی تعزیت فرماتے تھے' اس کے لئے نہ تو مجلس کرتے نہ قرآنی خوانی کے لئے کہیں جمع ہوتے تھے۔ میت والوں پر لوگوں کے کھانے کا بار نہ ڈالتے بلکہ دوسروں کو حکم دیتے کہ کھانا پکوا کر اہل میت کے ہاں بھیج دیں۔

❁❁❁❁

18- فصل

زیارت قبور کا بیان

مشروع زیارت:

نبی اکرم ﷺ جب صحابہ رضی اللہ عنہم کی قبروں کی زیارت کو تشریف لے جاتے تو ان کے حق میں دعا کرتے اور خود افسوس کرتے اور عبرت حاصل کرتے' یہی وہ زیارت قبور ہے جو امت کے لئے مشروع کی ہے اور اس میں یہ دعا کرنے کا حکم دیا ہے:

((اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَآءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَلَاحِقُوْنَ' نَسْاَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ))

''اے دیار مومنین و مسلمین کے رہنے والو! تم پر سلام ہو' ہم ان شاء اللہ تم سے مل جانے والے ہیں' ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے اور تمہارے لئے عافیت چاہتے ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ کا فرمان یہ ہے کہ قبروں کی توہین نہ کی جائے' انہیں روندنا' (قبروں کے اوپر سے پھلانگنا) ان پر بیٹھنا یا ان سے ٹیک لگانا ممنوع ہے' قبروں کی تعظیم بھی ممنوع ہے' انہیں مسجد قرار دینا' ان کے پاس یا ان کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا' عرس کرنا' لوگوں کا ان کے گرد جمع ہونا' روشنی کرنا' یہ تمام کام ناجائز اور حرام ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے ایسا کرنے والوں پر لعنت [1] فرمائی ہے۔

---

[1] لیکن آج کل کیا ہو رہا ہے' قبر پرستی جاری ہے' قبروں پر بڑی بڑی عمارات کھڑی ہیں' جن میں نقرئی وطلائی دروازے لگائے ہوئے ہیں' سنگ مرمر کا فرش ہے' قیمتی چادریں اور پردے لٹکے ہوئے ہیں' مسلمان ان کے گرد طواف اور رکوع و سجود قیام میں مصروف ہیں' منتیں مانی جاتی ہیں' دعائیں کی جاتی ہیں' اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ اصحاب قبور پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ جس بات پر دل شق (پھٹتا' ٹوٹتا ہے) ہوتا ہے وہ بہت سے مدعیان علم و تصوف کا طرز عمل ہے' یہ لوگ اپنی ذاتی اغراض و منفعت کے لئے قبر پرستی کو اور بھی رواج دیتے ہیں' جھوٹی اور موضوع احادیث سے اس کا جواز ثابت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ضلالتوں اور فریب کاریوں سے کام لے کر عوام کو اسی گمراہی میں باقی رکھنا چاہتے ہیں' اگر کوئی اللہ کا بندہ اس بدعت و ضلالت پر معترض ⇦⇦⇦

⇐⇐⇐ ہوتا ہے تو اسے ''وہابی' نیچری' دہریہ'' طرح طرح کے نام دیتے اور عوام میں بدنام کرتے ہیں' حالانکہ یہ نہیں سمجھتے کہ محض دنیا کی چند روزہ عیش وعشرت اپنی کی خاطر آخرت بگاڑ رہے ہیں' اور اسلام کی توہین وتنزل کے خود باعث بن رہے ہیں۔ حال ہی میں ایک واقعہ سننے میں آیا جس سے نہایت عبرت ہوئی' مسلمانوں کی عبرت کے لئے درج کرتا ہوں' واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۲۰ء میں جب کہ اکثر ہندو مسلم لیڈر عرس کے موقعہ پر اجمیر گئے تھے تو ان میں سے یوپی کے سب سے بڑے ہندو لیڈر نے عرس کی تمام رسومات اور مزار کے گرد لوگوں کا طواف و سجود دیکھ کر انتہائی مسرت اور خلوص نیت سے کہا: ''لوگ کہتے ہیں کہ ہندو مسلم اتحاد ناممکن ہے' لیکن آج یہاں کی حالت دیکھنے کے بعد مجھے پورا یقین ہو گیا ہے کہ ہندو مسلم اتحاد بالکل ممکن ہے' کیونکہ درحقیقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں واقعی کوئی فرق نہیں۔ ہم بتوں کے سامنے جھکتے ہیں اور مسلمان قبروں کے سامنے' ہمارے رام' لچھمن' کرشن اور مہادیو ہیں' اور مسلمانوں کے پھر ہم میں اور مسلمانوں میں فرق ہی کیا رہا؟ صرف ناموں کا فرق ہے جو حقیقت میں کوئی وقعت نہیں رکھتا۔'' یہ اس نیک دل ہندو رہنما کا خیال ہے جو اجمیر کی حالت دیکھ کر اسے پیدا ہوا' مسلمانوں کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ تعجب ہے کہ انسان' اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر' سمیع وبصیر' حی وقدیر اور اپنی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب تسلیم کر لینے کے بعد غیر اللہ کی طرف کیوں رجوع کرتا ہے؟ کیا یہ قبریں اللہ تعالیٰ سے زیادہ قدرت رکھتی ہیں؟ کیا یہ بزرگ اللہ تعالیٰ سے سفارش کر سکتے ہیں؟ کیا معاذ اللہ! اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر وباطن سے پوری طرح آگاہ نہیں جو اسے ان مرے ہوئے آدمیوں کی یاد دہانی کی ضرورت ہو؟ پھر انسانی عظمت وخود داری کے یہ بالکل منافی ہے کہ انسان پتھر کے بتوں یا اینٹ اور چونے کی قبروں کے سامنے جھکے جو اپنے اوپر سے ایک مکھی بھی اڑانے کی قدرت نہیں رکھتیں! مسلمان روتے ہیں کہ ہم تباہ حال ہیں۔ تو مسلمانو! یاد رکھو' مگر جب تک تم یہ کفر وشرک وہم پرستی نہ چھوڑو گے اس وقت تک خوشحالی وسرخروئی سے دو چار نہ ہو سکو گے' تم اپنی بربادی کی تاریخ پر غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو گا کہ اس کا آغاز اسی وقت سے ہوا جب سے تم میں یہ باتیں آئیں' تم سینکڑوں برس کی قبر پرستی کا بھی تجربہ کر چکے اور دن دونی رات چوگنی بربادی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا' کیوں نہ ایک مرتبہ خدا پرستی کا بھی تجربہ کرو کہ جس میں ایک مرتبہ (صدرِ اول میں) کامیاب ہو چکے ہو اور ایسے کامیاب کہ اب تک دنیا تمہاری فسانہ خواں ہے۔ (مترجم)

19 - فصل

جہاد کا بیان

جہاد کی اقسام:

جہاد کی چار اقسام ہیں: جہادِ نفس' جہادِ شیطان' جہادِ کفار' جہادِ منافقین۔

جہادِ نفس:

جہادِ نفس کے چار درجات ہیں:

(۱) نفس کو ہدایت وحق کی جستجو پر مجبور کرنا کہ جس کے بغیر نہ دین کی سعادت ممکن ہے نہ دنیا کی۔

(۲) پھر علم کے بعد عمل کے لئے نفس پر جبر کرنا۔

(۳) علم وعمل کے بعد تعلیم ودعوتِ حق میں مصروف ہونا ورنہ صاحب حق ان بدبختوں میں شمار کیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہدایت کو چھپاتے ہیں۔

(۴) آخری درجہ یہ ہے کہ دعوت کے راستہ میں، جو مصائب وآلام پیش آئیں انہیں صبر وشکر کے ساتھ برداشت کرنے کے لئے نفس کو آمادہ کرنا اور جس خوش نصیب نے جہادِ نفس کے یہ چاروں مراحل کامیابی سے طے کر لئے تو وہ ''ربانی'' ہوگیا۔

جہادِ شیطان:

جہادِ شیطان کے دو درجے ہیں:

(۱) شیطان ایمان کے اندر شکوک وشبہات پیدا کیا کرتا ہے' اس معرکہ میں اس سے دست وگریبان ہونا یہ پہلا درجہ ہے۔

(۲) شیطان کی طرف سے جن فاسد ارادوں اور شہوات کی تلقین ہوتی ہے' ان کے رد کرنے میں جدوجہد کرنا۔ پہلے درجہ میں کامیابی ''یقین'' پیدا کرتی ہے اور دوسرے درجہ میں کامرانی اپنے ساتھ ''صبر'' لاتی ہے:

﴿وَ جَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يُوْقِنُوْنَ٥﴾

(السجدہ: ٢٤)

''اور بنادیئے ہم نے ان میں سے امام جوراہ چلاتے ہمارے حکم سے کیونکہ انہوں نے صبر واستقامت دکھائی اور یقین کرتے رہے ہماری نشانیوں پر۔''

اس سے واضح ہوگیا کہ دین کی امامت وقیادت صرف ''صبراور''یقین'' کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے' صبر' شہوت وارادات فاسدہ کو دفع کرتا ہے اور یقین' شکوک وشبہات سے قلب کو پاک کرتا ہے۔

جہادِ منافقین وکفار:

جہاد منافقین وکفار کے بھی چار درجات ہیں: قلب' زبان' مال اور جان سے جہاد کرنا۔ حدیث میں ہے: نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''جوکوئی جہاد کے بغیر یا کم ازکم اس کی تمنا کئے بغیر مرجائے اس کی موت نفاق کے ایک حصہ پر ہوئی۔'' جہاد ہجرت سے مکمل ہوتا ہے اور ہجرت وجہاد دونوں ایمان کے ساتھ صحیح ہوتے ہیں۔

جہادِ اربعہ کی توفیق:

جہاد کی ان تمام اقسام کی توفیق صرف انہی لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو رحمت الٰہی کے امیدوار اور قرب الٰہی کے لئے بے قرار ہوتے ہیں۔

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ٥﴾ (البقرۃ: ٢١٨)

''جولوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا' وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ غفور ورحیم ہے۔''

جہاد کی فرضیت:

جہادِ نفس اور جہادِ شیطان فرض عین ہے اور کوئی فرد وبشر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ جہاد کفار و

منافقین کبھی فرض عین ہوتا ہے اور کبھی فرض کفایہ اگر ضرورت کے مطابق لوگ اس میں مشغول ہوں تو باقی پر فرض نہیں ہوتا لیکن اگر یہ صورت نہ ہو تو پھر تمام لوگوں پر فرض عین ہو جاتا ہے۔

کامل ترین انسان:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کامل ترین انسان وہ ہے جو جہاد کی ان تمام اقسام اور مراتب میں پورا اترے پھر کمال کے بھی درجات ہیں، بعض معمولی ہیں، بعض بلند ہیں اور بعض بلند تر ہیں۔ رسول اکرم ﷺ کو چونکہ جہاد کی ان سب اقسام میں بلند ترین درجہ حاصل تھا اس لئے اللہ تعالیٰ کی نظر میں آپ ﷺ تمام انسانوں سے افضل واشرف تھے۔ آپ ﷺ بعثت کے وقت سے وفات کے دن تک اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پورا پورا جہاد کرتے رہے۔

جہاد کا عملی پیکر:

چنانچہ جوں ہی آیت یٰٓاَیُّھَا الْمُدَّثِّرُ o قُمْ فَاَنْذِرْ o [1] (المدثر: ۱-۲) نازل ہوئی اور تبلیغ رسالت کا فرمان الٰہی پہنچا، تو آپ ﷺ فی الفور اٹھ کھڑے ہوئے اور دعوت حق دینے لگے، یہ دعوت شروع میں خفیہ تھی، لیکن جب آیت فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ۔ (الاسراء: ۹۵) نازل ہوئی تو پھر آپ ﷺ سر راہ اور علی الاعلان دعوت دینے اور دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں اعلان حق کرنے لگے۔

کفار نے جب دیکھا کہ ان کے آبائی دین کی برملا مذمت ہوتی ہے تو غیظ وغضب سے بھر گئے اور رسول اللہ ﷺ اور پیروانِ اسلام کو سخت سے سخت تکالیف دینے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کو تسکین دی کہ گھبرانے اور مایوس ہونے کی کوئی بات نہیں، تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی یہی ہوتا آیا ہے کہ وہ جھٹلائے گئے اور گوناگوں مصائب میں مبتلا کیے گئے۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ﴾ (حم السجدہ: ۴۳)

''تمہیں بھی وہی کہا جا رہا ہے جو تم سے پہلے رسولوں کو کہا جا چکا ہے۔''

---

[1] کمبل میں لپٹے ہوئے (محمد ﷺ) اٹھ اور ڈرا۔

اور فرمایا:

﴿كَذٰلِكَ مَا أَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ ۝ اَتَوَاصَوْا بِهٖ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ ۝﴾ (الذاریات: ۵۲- ۵۳)

''اسی طرح جب ان سے پہلوں کے پاس رسول پہنچا' انہوں نے اسے یا تو ساحر بتایا یا مجنون۔ کیا وہ ان کو وصیت کر گئے ہیں' حالانکہ وہ سرکش قوم ہے۔''

نیز مسلمانوں کی دلدہی کے لئے فرمایا:

﴿اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝﴾ (البقرة: ۲۱۴)

''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے' حالانکہ اب تک پہلے والے لوگوں کی سی حالت تمہاری نہیں ہوئی کہ جنہیں مصائب و آلام پہنچے اور بالکل ہلا ڈالے گئے' یہاں تک کہ رسول اور اس کے ساتھی مومنین چیخ اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کب آئے گی؟ ہاں اللہ تعالیٰ کی نصرت قریب ہے۔''

اور فرمایا:

﴿الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَ لَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ۝﴾

(العنکبوت: ۱-۲)

''کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ بغیر امتحان کے صرف ایمان کے دعویٰ پر ہی چھوڑ دیئے جائیں گے؟ حالانکہ جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں' ان کو ہم نے امتحان میں ڈالا' البتہ اللہ تعالیٰ سچوں کو جھوٹوں سے معلوم کر کے رہے گا۔''

جہادِ بالقرآن:

رسول اللہ ﷺ اور مسلمان راہ حق میں برابر مصائب جھیلتے اور وعدۂ الٰہی کا انتظار کرتے رہے

یہاں تک کہ اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی فتح و کامرانی کے لئے پہلے ایسا بندوبست کر رکھا تھا جو کسی کے وہم میں نہ تھا۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کے ساتھ عرب کے دو مشہور قبیلے اوس اور خزرج رہتے تھے' ان دونوں کی باہم نفرت و عداوت تھی۔ یہودی کہا کرتے تھے: ''ٹھہر جاؤ عنقریب ایک نبی پیدا ہونے والا ہے' ہم اس کی پیروی کریں گے اور اس کے زیر علم تمہیں عاد اور ثمود کی طرح بے دردی سے ہلاک کر ڈالیں گے۔''

اوس و خزرج باقی قبائل عرب کی طرح سالانہ حج کے لئے مکہ آیا کرتے تھے۔ ایک سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی دعوت دی تو وہ چونکے اور آپس میں کہنے لگے: ''ہو نہ ہو یہی وہ نبی (علیہ السلام) ہے جس سے یہودی ہمیں ڈرایا کرتے ہیں' ایسا نہ ہو کہ انہیں خبر ہو جائے اور وہ ایمان لے آئیں اور ہم پیچھے رہ جائیں۔'' اس طرح ان اہل مدینہ کی اللہ تعالیٰ نے اسلام کی طرف رہنمائی کی' وہ مسلمان ہوئے اور عہد کیا کہ ہمیشہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و اعانت پر کمر بستہ رہیں گے۔ چنانچہ تیرہ سال مکہ میں جہاد بالقرآن کرنے کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔

جہاد بالسیف:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچ کر مہاجرین و انصار میں بھائی چارہ قائم کیا' پھر وہاں کے تینوں یہودی قبائل: بنوقینقاع' بنونضیر اور بنوقریظہ سے امن و صلح کا تحریری معاہدہ کیا' مگر انہوں نے عہد شکنی کر کے' جنگ کی اور اسلام کے مقابلہ میں مشرکین عرب کا ساتھ دیا' نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ذلیل و خوار ہوئے۔ بنوقینقاع کو تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے احسان کر کے چھوڑ دیا اور بنونضیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے جلاوطن کر دیا گیا۔

باب : ۲

غزوات اسلامیہ

1- فصل

غزوۂ بدر[1] کا بیان

اسبابِ جنگ:

رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی کہ ملک شام سے قریش کا ایک تجارتی قافلہ ابوسفیان کی سرکردگی میں آ رہا ہے' اس قافلہ میں بے شمار مال دولت تھی اور یہ وہی قافلہ تھا جسے مکہ سے شام جاتے ہوئے مسلمانوں نے روکنا چاہا تھا مگر اتفاقاً وہ بچ نکلا تھا۔ اب اس کی واپسی کی خبر ملی' تو آپ ﷺ نے لوگوں کو چلنے کی دعوت دی اور تین سو سے کچھ زیادہ آدمی لے کر روانہ ہو گئے جو تمام کے تمام پیدل تھے' سوار کوئی بھی نہ تھا' آپ کے قافلہ میں دو گھوڑے اور ستّر اونٹ تھے جن پر باری باری صحابہ رضی اللہ عنہم بیٹھتے تھے۔

آپ ﷺ جب مقام صفراء میں پہنچے تو دو جاسوس خبر لانے کے لیے بھیجے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی نبی ﷺ کے ارادہ کی خبر پہنچ چکی تھی اور اس نے ضمضم بن الغفاری کے ذریعہ اہل مکہ کو صورت حال سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے جوں ہی یہ سنا' تو وہ اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے کمر بستہ ہو گئے' اہل مکہ کے سرداروں میں سے کوئی ایک شخص بھی نہ تھا جو فوج میں آ کر شامل نہ ہو گیا ہو' صرف ایک ابولہب نہ جا سکا اور اس نے اپنی جگہ دوسرا شخص بھیج دیا' صرف یہی نہیں بلکہ گرد و پیش کے قبائل عرب کو بھی دعوت دی گئی' بنی عدی کے علاوہ تمام قبائل نے لبیک کہا اور سب جمع ہو کر بڑے کرّ و فر کے ساتھ چلے۔

---

[1] غزوات بالخصوص غزوۂ بدر کی بحث سیرۃ نبوی مؤلفہ علامہ شبلی نعمانی میں ضرور دیکھنی چاہیے۔ (مترجم)

رسول اکرم ﷺ کو جب قریش کے اس طرح کے لشکر اور مسلح ہو کر چلنے کا حال معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے صورت حال پیش کر کے مشورہ طلب کیا' مہاجرین نے نہایت دل خوش کن جواب دیا مگر انصار خاموش رہے' آپ ﷺ نے پھر پوچھا تو مہاجرین بول اٹھے مگر انصار بدستور خاموش رہے۔ تیسری مرتبہ جب پھر سوال کیا تو انصار سمجھ گئے کہ نبی ﷺ ہم سے جواب چاہتے ہیں۔ چنانچہ سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہا: ''اے اللہ کے رسول! معلوم ہوتا ہے آپ ﷺ کا روئے سخن ہماری طرف ہے'' اور واقعہ بھی یہی تھا کیونکہ انصار نے صرف مدینہ کے اندر حفاظت وحمایت کا وعدہ کیا تھا اور اب تو معاملہ مدینہ کے باہر کا درپیش تھا۔

سیدنا سعد رضی اللہ عنہ نے کہا: ''شاید آپ ﷺ یہ سمجھتے ہیں کہ انصار' مدینہ کے باہر آپ ﷺ کی حمایت واطاعت ضروری نہیں سمجھتے' لیکن میں انصار کی طرف سے کہتا ہوں آپ ﷺ جہاں چاہے جائیے' جس سے چاہے ملیے' جس سے چاہے لڑائیے' جتنا چاہے ہمیں دیجئے' جتنا چاہیے ہم سے لیجئے اور جو چاہے ہمیں حکم دیجئے' ہم ہر حال میں تابع فرمان اور آپ ﷺ کے ساتھ ہیں۔ آپ ﷺ کی رسی سے ہماری رسی کی گرہ بندھ چکی ہے' ہم کسی حال میں بھی آپ سے الگ نہیں ہو سکتے۔ اللہ کی قسم! اگر آپ ہمیں سمندر میں بھی گھس جانے کا اشارہ کریں گے تو بھی ہم نہیں ہچکچائیں گے بلکہ سیدھے گھستے چلے جائیں گے۔''

اسی موقع پر سیدنا مقداد رضی اللہ عنہ نے کیا ہی خوب کہا تھا: ''انہوں نے کہا، اے اللہ کے رسول! ہم وہ نہیں کہیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ:

﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هٰهُنَا قَاعِدُونَ﴾ (المائدۃ: ٢٤)

''جاؤ تم اور تمہارا رب (جا تو اور تیرا پروردگار جا کر) دشمنوں سے لڑو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔''

بلکہ ہم تو آپ ﷺ کے دائیں' بائیں' آگے' پیچھے' لڑیں گے اور بے پرواہی سے سرفروشی کریں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے جب یہ ہمت افزا جواب سنا تو مسرت سے آپ کا چہرہ مبارک روشن ہو گیا اور فرمانے لگے: ''مسلمانو! چلو' تمہارے لئے بشارت ہے' اللہ تعالیٰ نے دو میں سے

(کاروان یا لشکر قریش) ایک گروہ کے دے دینے کا مجھ سے وعدہ فرمالیا ہے' میں دشمنوں کی بریدہ لاشیں دیکھ رہا ہوں۔"

ابوجہل کا فیصلہ:

ادھر مسلمان آگے بڑھ رہے تھے' ادھر ابوسفیان ساحل کے راستہ سے ہو کر خطرہ سے بچ نکلا تھا' جب اسے پوری طرح اطمینان ہو گیا تو اس نے سرداران قریش کو (جو بدر کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے) لکھا کہ لوٹ آئیں کیونکہ کارواں بالکل بچ گیا ہے۔

جحفہ میں قریش کو یہ خط مل گیا تھا اور انہوں نے لوٹنے کا ارادہ بھی کر لیا' مگر ابوجہل مانع ہوا اور کہنے لگا اللہ کی قسم! ہم بدر تک تو ضرور ہی جائیں گے' وہاں اتریں گے' آرام کریں گے' عرب کو خوب کھانے کھلائیں گے تاکہ ان پر ہر طرف ہماری دھاک بیٹھ جائے۔

اخنس بن شریق نے ابوجہل کی تجویز کی سخت مخالفت کی اور واپسی پر بہت زور دیا مگر کچھ شنوائی نہ ہوئی جس پر وہ ناراض ہو کر اپنے قبیلہ کے ساتھ واپس لوٹ گیا۔

بنی ہاشم نے بھی واپسی کے لیے بہت ہاتھ پیر مارے مگر ابوجاہل نے ایک نہ سنی اور کہنے لگا واللہ تم ہمارا ساتھ چھوڑ کر ہرگز نہ جانے پاؤ گے!

رسول اللہ ﷺ کی پیش قدمی

دوسری طرف رسول اللہ ﷺ برابر پیش قدمی کرتے چلے آرہے تھے یہاں تک کہ شام کے وقت بدر کے قریبی کنوئیں پر پہنچ گئے اور صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کہ کہاں اترنا بہتر ہوگا؟ خباب بن المنذر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ مجھے اس علاقہ کا حال اچھی طرح معلوم ہے اگر اندر چل کر وسط میں اترنا پسند فرمائیں تو وہاں میٹھے پانی کی افراط ہے' ہم ابھی چل کر دشمن سے پہلے پہنچ جائیں گے' پانی پر قبضہ کر لیں گے اور قرب وجوار کے کنوئیں توپ دیں گے۔

جستجوئے حالات

قریش بھی پانی پر قبضہ کرنے کی غرض سے تیز تیز چلے آرہے تھے مگر مسلمان پہلے پہنچ گئے اور اچھی جگہوں پر قبضہ کر لیا۔ منزل مقصود پر پہنچ کر آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ کو

حالات کی جستجو کے لیے بھیجا' وہ قریش کے دو غلام گرفتار کر لائے۔آپ ﷺ نے ان سے دریافت کیا کہ قریش کہاں ہیں؟انہوں نے کہا اس ٹیلے کے پیچھے۔پوچھا کتنے ہیں؟انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔فرمایا! اچھا' روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں؟انہوں نے کہا کسی دن دس کسی دن نو۔اس پر آپ ﷺ نے فرمایا!''تو ان کی تعداد نو سو اور ہزار کے درمیان ہے۔''

تائید غیبی

اس رات مسلمانوں کے کوچ میں ایک بڑی سہولت اس تائید غیبی سے ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان کے دروازے کھول دیے تھے۔مگر دونوں سمتوں میں بارش کی حالت بالکل مختلف تھی' مسلمانوں کی طرف زور کم تھا' چھینٹے پڑ کے رہ گئے جس سے موسم خوشگوار ہو گیا' مجاہدین سے غبارِ سفر دور ہو گیا' دلوں اور جسموں میں تازگی آ گئی۔ریت بیٹھ کر زمین اس قابل ہو گئی کہ تیزی سے سفر ہو سکے۔لیکن کفار کی طرف بارش موسلا دھار تھی جس سے ان کے چلنے میں سخت دقت پیدا ہو گئی۔چناں چہ مسلمان ان سے پہلے ہی پہنچ گئے' جلد جلد حوض بنا کر پانی محفوظ کر لیا اور باقی کنوئیں بند کر دیے۔

پیشین گوئی

اس موقعہ پر رسول اللہ ﷺ کے ٹھہرنے کے لیے سامنے کی پہاڑی پر سائبان بنایا گیا تھا جس میں جانے سے پہلے آپ ﷺ نے میدان میں ایک چکر لگایا اور انگلی کے اشارے سے بتاتے گئے کہ اس جگہ ان شاء اللہ قریش کا فلاں سردار قتل ہو گا اور اس جگہ فلاں بعد میں دیکھا گیا تو ہر شخص بتائی ہوئی جگہ پر خاک وخون میں آلودہ پڑا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کی دعا کی قبولیت

جب مشرکین کے دستے بھی سامنے آ گئے تو اللہ کے رسول ﷺ نے بارگاہ الٰہی میں دعا شروع کر دی

((اَللّٰھُمَّ ھٰذِہٖ قُرَیْشٌ جَاءَتْ بِخُیَلَائِھَا وَفَخْرِھَا ' جَاءَتْ تُحَادُّكَ وَتُكَذِّبُ رَسُوْلَكَ))

اللہ! یہ قریش اپنے ساز وسامان اور فخر نخوت کے ساتھ آ گئے ہیں' یہ آئے ہیں کہ تجھ سے جنگ کریں اور تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کر دیں۔

ادھر رسول اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے جذبہ سے متاثر ہو کر جوش میں دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور اپنے رب کو پکارا:

((اَللّٰھُمَّ اَنْجِزْلِیْ مَا وَعَدْتَنِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَنْشِدُكَ عَھْدَكَ وَوَعْدَكَ))

"الٰہی! تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے پورا کر۔ الٰہی! میں تجھے تیرے وعدہ وعہد کا واسطہ دیتا ہوں۔"

آپ ﷺ ابھی اتنا ہی کہہ پائے تھے کہ پیچھے سے سیدنا صدیق رضی اللہ عنہ آ کر آپ کے ساتھ چمٹ گئے اور عرض کرنے لگے:

((یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَبْشِرْ فَوَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَیُنْجِزَنَّ اللّٰهُ لَكَ مَا وَعَدَكَ))

"اے اللہ کے رسول! بشارت ہو' قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔"

تمام مسلمانوں نے بھی تضرع وزاری شروع کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملائکہ کو حکم ہوا۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اَنِّیْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِیْ فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ۝﴾ (الانفال: ۱۲)

"میں تمہارے ساتھ ہوں' تو تم ثابت قدم کر دو مسلمانوں کو میں کافروں کے دل مرعوب کر ڈالوں گا۔"

اور فرمایا:

﴿اَنِّیْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِیْنَ۝﴾ (الانفال: ۹)

"میں لگاتار آنے والے ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کروں گا۔"

کیفیتِ جنگ:

رسول اللہ ﷺ وہاں پہاڑی پر رات بھر ایک درخت کے تنا کے سامنے نماز میں مصروف

رہے' یہ جمعہ کی رات اور ۱۷ رمضان ۲ ہجری کی تاریخ تھی' صبح ہوئی تو فریقین صف آرا ہوئے' نبی ﷺ نے مسلمانوں کی صفوں کو بذات خود قائم کیا اور جنگ شروع ہوگئی۔ اس وقت آپ ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ پہاڑی پر سائبان میں تھے اور سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ ایک انصاری دستہ کے ساتھ دروازہ پر کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔ جوں جوں آتش جنگ تیز ہوتی تھی' دعا میں آپ کی زاری بھی بڑھتی جاتی تھی' یہاں تک کہ عالم بے خودی و بے خبری میں آپ کے شانوں سے رداء مبارک بھی گر پڑی۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر اڑھائی اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ کی مناجات رب العزت تک پہنچ گئیں' وہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا۔'' عین اس وقت آپ ﷺ پر کچھ غنودگی طاری ہوگئی اور حالت جنگ میں مسلمانوں کو بھی نیند نے آگھیرا۔ ایک لمحہ کے بعد آپ ﷺ ہوشیار ہوگئے اور جوش سے فرمایا: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ بشارت ہو۔ یہ لو جبرائیل علیہ السلام آگئے' غبارِ سفر اب تک ان پر موجود ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنا لشکر اتار دیا' اپنے نبی اور مومنین صادقین کی نصرت فرمائی' اور کفار کو ان کے قبضہ میں کر دیا کہ قید کریں اور قتل کریں۔'' کچھ زیادہ دیر نہ گذری تھی کہ جنگ کے نتیجہ نے یہ پیشین گوئی لفظ بلفظ پوری کر دی' مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی کفار کو شکست نصیب ہوئی اور صرف چودہ مسلمان شہید ہوئے لیکن کفار کے ستر آدمی مقتول اور ستر زخمی ہوئے۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فتح:

جب جنگ ختم ہوئی اور مشرکین پیٹھ پھیر کر بھاگ کھڑے ہوئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی دیکھو ابوجہل نے کیا کیا؟'' سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جا کر تلاش کیا تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ بے حس پڑا ہے' عفراء کے لڑکوں (سیدنا معاذ و سیدنا معوذ رضی اللہ عنہما) نے ایسا وار کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا دشمن پھر اٹھ نہ سکا' سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ کو اس کے ہاتھوں بڑی بڑی تکالیف پہنچی تھیں' یہ دیکھتے وہ ہی آگے بڑھے اور ابوجہل کی داڑھی پکڑ کر کہنے لگے ''تو ہی ابوجہل ہے؟'' اس نے آنکھیں کھول دیں اور بے چینی سے پوچھنے لگا ''فتح کس کی ہوئی؟'' انہوں نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی' اے اللہ تعالیٰ کے دشمن کیا تجھے اللہ تعالیٰ نے رسوا نہیں کر ڈالا؟'' اس نے نخوت سے جواب دیا: ''یہ فخر اس پر ہے جسے اس کی قوم نے قتل کر ڈالا ہے۔''

سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کا سرتن سے اتار لیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر ڈال دیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھتے ہی تین مرتبہ فرمایا:

((اَللّٰهُ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ))

''اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔''

پھر فرمایا:

((اَللّٰهُ اَكْبَرُ، اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَ وَعْدَهٗ وَنَصَرَ عَبْدَهٗ وَهَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَهٗ))

''اللہ اکبر' اس اللہ کے لئے تعریف ہے جس کا وعدہ سچا ہے اور جس نے اپنے بندے کو فتح دی اور جس واحد نے (کافروں کے) لشکر کو شکست دی۔''

چلو مجھے دکھاؤ کہاں پڑا ہے؟ تو اس کی لاش دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''یہ اس امت کا فرعون تھا۔''

فتح کے اثرات:

جنگ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان' قیدی اور مال غنیمت لے کر مظفر و منصور روانہ ہوئے۔ صفراء میں پہنچ کر مال غنیمت تقسیم کر دیا اور بڑی شان وشوکت سے مدینہ میں داخل ہوئے۔ ہر طرف دشمنان اسلام مرعوب ہوگئے' مدینہ کے بہت سے کفار اسلام میں داخل ہوئے جن میں ایک مشہور و معروف منافق عبداللہ بن ابی بھی تھا جو ظاہر میں مسلمان ہو گیا مگر دل میں ہمیشہ وہ کفار ہی کے ساتھ رہا۔

2- فصل

غزوۂ احد کا بیان

وجہِ جنگ:

جب سرداران قریش ایک ایک کر کے بدر میں موت کے گھاٹ اتر گئے اور سرداری ابوسفیان بن حرب کے حصہ میں آئی تو اس نے عربوں کو رسول اللہ ﷺ اور اسلام کے خلاف اکسانا شروع کیا' یہاں تک کہ ماہ شوال ۳ ہجری میں اس نے تین ہزار جنگجو جمع کر لئے اور عورتیں بھی ہمراہ کر لیں تا کہ کوئی بھاگ نہ سکے' اور بڑے ساز و سامان سے مدینہ کا رخ کیا۔

رسول اللہ ﷺ کی ذاتی رائے:

رسول اللہ ﷺ کو جب ابوسفیان کی تیاری کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا: خود آپ ﷺ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ مدینہ کے اندر ہی قلعہ بند ہو بیٹھیں تا کہ اگر دشمن مورچے توڑ کے اندر گھس آئے تو ایک طرف گلیوں کے موڑ اور راستوں کے سروں پر انہیں کامیابی سے قتل کیا جائے اور دوسری طرف عورتیں چھتوں پر سے سنگ باری کریں عبداللہ بن اُبی منافق کی بھی یہ رائے تھی۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی رائے:

لیکن بعض وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' وہ مصر ہوئے کہ باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے' چنانچہ آپ ﷺ اٹھے اور گھر سے اپنا جنگی لباس پہن کر نکل آئے۔ ایک ہزار کی جمعیت ساتھ لی اور مدینہ میں نماز کی امامت سیدنا عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے سپرد کر کے جمعہ کے دن میدان احد کی طرف چل پڑے۔

عبداللہ بن اُبی کی منافقت:

راستہ میں عبداللہ بن اُبی نے مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنا چاہی اور یہ کہہ کر کہ ''میری رائے پر

دوسروں کی رائے کو ترجیح دی جاتی ہے'' اور وہ اپنے تین سو ہمراہیوں کو لے کر واپس لوٹ پڑا۔ جبکہ سیدنا عبداللہ بن حزام رضی اللہ عنہ دور تک سمجھاتے اور غیرت دلاتے چلے گئے مگر اس نے ایک نہ سنی اور مدینہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں نے مشورہ دیا کہ ان کے حلیف یہودیوں کو مدد کے لئے بلایا جائے مگر آپ ﷺ نے اس سے قطعی انکار کر دیا۔

میدان اور محاذ جنگ:

نبی اکرم ﷺ چلتے چلتے احد کی گھاٹی پر پہنچ گئے اور پہاڑ کو پشت پر کر کے اتر پڑے' لوگوں کو تاکید کر دی کہ حکم ملے بغیر لڑائی شروع نہ کریں۔ ہفتہ کا دن ہوا تو جنگ کے لئے تیاری شروع کی۔ مسلمانوں کی جمعیت بہت کم تھی' دشمن تین ہزار تھے جن میں پیادے بھی تھے اور سواروں کے رسالے بھی۔ مگر ادھر کیا تھا؟ کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں پچاس تیرانداز تھے' تاہم مقابلہ ضروری تھا۔ سب سے پہلی بات یہ کی کہ تیراندازوں کی جماعت سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی زیر قیادت اس درہ پر متعین کر دیا جدھر سے دشمن پشت کی طرف سے حملہ کر سکتا تھا اور بڑی سختی سے حکم دیا کہ جنگ کا نتیجہ خواہ کچھ ہی ہو اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔ آپ ﷺ نے اس دن دو زرہیں پہنیں اور جھنڈا سیدنا مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں دیا۔

نوجوانانِ اسلام کا اشتیاق:

نوجوانوں کو سامنے بلا کر دیکھا اور بہت کمسنوں کو لوٹا دیا جن میں سیدنا عبداللہ بن عمر' سیدنا اسامہ بن زید' سیدنا زید بن ثابت' سیدنا اسید بن حضیر' سیدنا براء بن عازب' سیدنا زید بن ارقم' سیدنا عرابہ بن اوس اور سیدنا عمرو بن حزام رضی اللہ عنہم تھے ان میں سے بعض جو ذرا بڑے تھے وہ شرکت کیلئے بہت ضد کرنے لگے تو آپ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی' ان میں سیدنا سمرہ بن جندب اور سیدنا رافع بن خدیج رضی اللہ عنہم تھے' جن کی عمر صرف پندرہ سال تھی۔

قریش کا محاذ جنگ:

قریش نے بھی جنگ کے لئے صف آرائی کی' ان کے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے اس دن اپنی تلوار ابو دجانہ رضی اللہ عنہ بن سماک بن حرشہ کو دے دی جو عرب کے ایک مشہور بہادر تھے اور جنگ کے مواقع پر اکڑتے پھرتے تھے جب طرفین کی صفیں درست ہوگئیں تو جنگ برپا ہوئی۔

آغازِ جنگ:

دن کے اول حصہ میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا بلکہ دشمنوں کو شکست دے دی اور بھگا کر عورتوں کے پاس پہنچا دیا۔

مسلمانوں کی لغزش:

تیر اندازوں نے دیکھا کہ کفار نے میدان چھوڑ دیا اور مسلمان مال غنیمت لوٹ رہے ہیں' تو صبر نہ کر سکے اور حکم رسول ﷺ کے خلاف جگہ چھوڑ کر لوٹ میں شریک ہوگئے' امیر درہ سیدنا عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے لاکھ روکا مگر طمع نے ایک نہ سننے دی اور درہ تقریباً خالی ہوگیا۔ (صرف دس آدمی امیر سمیت باقی رہ گئے)

حکم عدولی کا نتیجہ:

ادھر مشرکین نے دیکھا کہ موقع اچھا ہے چنانچہ ان کے سواروں کا دستہ درہ سے نکل کر پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا۔ اب ایک قیامت برپا ہوگئی' دوست دشمن کی تمیز اٹھ گئی۔ ۷۰ مسلمانوں نے جام شہادت نوش کیا' اکثر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے' صرف تھوڑے سے ثابت قدم رہے۔

رسول اللہ ﷺ کفار کے نرغہ میں:

کفار بڑھتے بڑھتے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے' چہرہ مبارک زخمی کیا' دائیں طرف سے نیچے کا دانت شہید کیا' سر پر خود چور چور کر دیا اور اتنے پتھر برسائے کہ آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر ہاتھ کے سہارے سے اٹھایا اور سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے سینہ سے لگایا۔ چہرہ پر زرہ کی دو کڑیاں اس قدر پیوست ہوگئی تھیں کہ سیدنا عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دانتوں سے پکڑ کر

کھینچنا چاہیں تو دو دانت ٹوٹ گئے۔ خون بہت جاری تھا۔ (سیدنا ابوسعید خدری کے والد) سیدنا مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کے رخسار پر اپنا مونہہ لگا کے خون چوسا۔ سیدنا مصعب ابن عمیر رضی اللہ عنہ علمبردار آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے شہید ہو گئے تو جھنڈا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔ مشرکین کا زور برابر بڑھتا جا رہا تھا اور وہ اپنے اس ارادہ کے پورا کرنے پر تلے ہوئے تھے' جسے اللہ تعالیٰ پورا نہ کرنا چاہتا تھا۔

سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ کی بہادری:

رسول اللہ ﷺ کی مدافعت کرتے ہوئے تقریباً دس مسلمان یکے بعد دیگرے قربان ہو گئے' مگر دشمنوں کا نرغہ کم نہ ہوا' آخر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ نے شیروں کی ہیبت وسطوت سے حملہ کیا اور ان کے غول کو پیچھے ہٹا دیا۔ اس وقت عجیب حالت تھی' کفار کے تیر بارش بن کر برس رہے تھے' سیدنا ابوریحانہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ پر سپر بنے ہوئے تھے اور اپنی پیٹھ پر تیر برداشت کر رہے تھے' انہی حالات کے دوران کفار کی طرف سے نعرہ بلند ہوا کہ ''محمد (ﷺ) قتل ہو گئے'' یہ سننا تھا کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور اکثر بھاگ نکلے۔

سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی جوانمردی:

سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی ایک جماعت دیکھی جو ہاتھ پیر ڈالے مایوس ہو کر بیٹھی تھی' پوچھا کس سوچ میں ہو؟ وہ بولے کہ ''رسول اللہ تو شہید ہو گئے!'' انہوں نے کہا کہ ''پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد تم زندہ رہ کر کیا کرو گے؟ اٹھو اور اسی راہ میں تم بھی جان دے دو جس میں اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے اپنی جان دی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ آگے بڑھے تو سیدنا سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ نظر آئے ان سے کہا: اے سعد! ''اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے جنت کی خوشبو آ رہی ہے'' اور دشمنوں پر ٹوٹ پڑے' بعد میں دیکھا گیا تو تیر' تلوار اور نیزہ کے ستر زخم جسم پر تھے۔ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی اس دن سخت زخمی ہوئے تھے' ان کے جسم پر بھی تقریباً بیس زخم آئے تھے۔

مسلمانوں کو بشارت:

جب کفار کا ہنگامہ کچھ کم ہوا تو رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کی طرف تشریف لائے' تمام جسم اور چہرہ زرہ میں چھپا ہوا تھا' صرف آنکھیں چمک رہی تھیں' سب سے پہلے آپ کو سیدنا کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے پہچانا اور وہ فرطِ جوش سے چلا اٹھے: ''مسلمانو! بشارت ہو' رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود ہیں۔'' آپ ﷺ نے فوراً اشارہ سے خاموش رہنے کو کہا اور آپ باقی مسلمانوں کو لے کر اس گھاٹی کی طرف روانہ ہوئے جس میں پڑاؤ تھا۔ اس وقت سیدنا ابوبکر' سیدنا عمر' سیدنا علی' سیدنا حارث بن الصمۃ الانصاری وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم ساتھ تھے۔ جب پہاڑ میں چلے گئے تو ابی بن خلف اپنے اس گھوڑے کو دوڑاتا ہوا آیا جسے اس نے مکہ میں یہ کہہ کر باندھا تھا کہ ''اسی پر محمد (ﷺ) کو قتل کروں گا۔'' لیکن جونہی وہ قریب پہنچا' تو رسول اللہ ﷺ نے سیدنا حارث بن الصمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے حربہ لے کر وار کیا' جس سے اس کی گردن زخمی ہوگئی اور وہ افتاں وخیزاں بھاگا اور اسے یقین ہو گیا تھا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہ ہو سکے گا' چنانچہ یہی ہوا اور راستہ ہی میں موت نے اسے ہمیشہ کے لئے سلا دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی حالت:

رسول اللہ ﷺ اس قدر خستہ تھے کہ ایک چٹان پر چڑھنے لگے تو چڑھ نہ سکے' آخر سیدنا طلحہ رضی اللہ عنہ بیٹھ گئے اور آپ ﷺ ان پر پاؤں رکھ کر چڑھے' یہیں نماز کا وقت آ گیا تو آپ ﷺ نے بیٹھ کر باجماعت نماز ادا کی۔

فریقین کی عورتوں کی جوانمردی:

اس دن مشرک اور مسلمان دونوں طرف کی عورتوں نے جوانمردی کے خوب خوب جوہر دکھائے' مشرکوں کا علمبردار قتل ہو گیا تو عمرہ بنت علقمہ نے بڑھ کر جھنڈا اپنے کاندھے پر اٹھا لیا۔ ادھر سیدہ ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے سخت جنگ کی' عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن قماۃ پر تلوار سے کئی حملے کئے مگر وہ کافر دوزرہیں پہنے تھا اس لئے اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور انتہائی قساوت سے الٹا انہیں زخمی کر گیا۔

ابوسفیان کی پکار:

جنگ ختم ہوگئی تو ابوسفیان نے سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا "کیا تم میں محمد (ﷺ) ہیں؟" کسی نے جواب نہ دیا' وہ پھر چلایا "کیا تم میں ابن ابی قحافہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟" سب خاموش رہے۔ تیسری بار چلایا "کیا تم میں عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) موجود ہیں؟" تو پھر بھی کوئی نہ بولا جب ادھر سے کوئی آواز نہ آئی تو ابوسفیان مشرکین کو پکار کر کہنے لگا "واللہ تم نے ان سب کو ختم کر دیا۔"

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا جواب:

اب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے نہ رہا گیا اور چلا اٹھے: "او اللہ تعالیٰ کے دشمن! ہم سب زندہ ہیں۔" ابوسفیان نے کہا اُعْلُ هُبَل "ہبل کی جے!" نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا' تم جواب کیوں نہیں دیتے؟ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کیا کہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہو اَللّٰهُ اَعْلٰی وَاَجَل "اللہ تعالیٰ ہی سب سے اونچا اور بڑا ہے۔" ابوسفیان نے کہا: لَنَا الْعُزّٰی وَلَا عُزّٰی لَكُمْ "ہمارا حامی عزیٰ (بت) ہے' تمہارے پاس کوئی عزیٰ نہیں؟) نبی ﷺ نے تلقین کی کہ کہو: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰی لَكُمْ "اللہ تعالیٰ ہمارا مددگار ہے اور تمہارا کوئی مددگار نہیں۔" ابوسفیان نے کہا: "آج کا دن بدر کے دن کا بدلہ ہے اور جنگ برابر کی ہے۔" سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "برابر کیسے؟ ہمارے مقتول جنت میں ہیں اور تمہارے مقتول جہنم میں۔"

رسول اللہ ﷺ کے زخم:

صحیحین میں ہے کہ سیدنا ابی حازم رضی اللہ عنہ سے رسول اللہ ﷺ کے زخموں کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا "واللہ مجھے یہاں تک معلوم ہے کہ زخم کس نے دھوئے تھے' کس نے پانی ڈالا تھا اور کون سی دوا استعمال کی گئی تھی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا زخم دھوتی تھیں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ پانی ڈالتے تھے' جب اتنا کچھ کرنے پر بھی خون نہ رکا تو سیدہ زہرا رضی اللہ عنہا نے چٹائی کا ٹکڑا جلا کر زخم پر رکھ دیا' تو پھر کہیں جا کر خون رکا۔"

آپ ﷺ کے دانت شہید ہونا اور سر پھٹنا:

صحیح بخاری میں ہے کہ جب نبی ﷺ کا دانت شہید ہوا اور سر پھٹا تو آپ ﷺ خون ہاتھ سے سونتے جاتے اور فرماتے تھے: ''وہ لوگ کیسے فلاح پائیں گے جنہوں نے اپنے نبی ﷺ کا سر پھوڑا اور دانت توڑا حالانکہ وہ انہیں صرف (اللہ تعالیٰ کی طرف) بلا رہا تھا'' یہ بات بارگاہ الٰہی میں ناپسند ہوئی اور یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ٥﴾

(ال عمران: ۱۲۸)

''اس معاملہ میں تمہارا کچھ بھی دخل نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے یا سزا دے بیشک وہ ظالم ہیں۔''

سیدنا انس اور سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہما کی پامردی:

اس قیامت خیز جنگ میں جب کہ عام طور پر مسلمان بھاگ کھڑے ہوئے تھے، سیدنا انس بن نضر رضی اللہ عنہ ثابت قدم رہے تھے، وہ بار بار حملہ کرتے اور کہتے تھے: ''الٰہی! ان لوگوں (مسلمانوں) کی طرف سے میں تجھ سے معذرت چاہتا ہوں اور ان لوگوں (کفار) کی حرکتوں سے اظہار برأت کرتا ہوں۔'' سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ مسلمان نادانستگی اور بدحواسی میں ان کے باپ کو قتل کر ڈالنا چاہتے ہیں، یہ لاکھ چلائے۔ ''لوگو! یہ میرے باپ ہیں، یہ میرے والد ہیں!'' مگر کون سنتا تھا، مسلمانوں ہی کی تلواروں نے ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے باپ کو پارہ پارہ کر ڈالا مگر انہوں نے اف تک نہ کی، صرف یہ کہا: يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ''اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کرے۔'' پھر جب رسول اللہ ﷺ نے خون بہا ادا کرنے کا ارادہ کیا تو سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں خون بہا مسلمانوں پر صدقہ کرتا ہوں۔'' اس واقعہ نے سیدنا حذیفہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی نظروں میں اور بھی زیادہ محبوب کر دیا تھا۔

سیدنا سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی شہادت:

سیدنا زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ احد کے دن نبی ﷺ نے مجھے سیدنا سعد بن

ربیع رضی اللہ عنہ کی تلاش میں بھیجا اور کہا: ''اگر مل جائیں تو سلام کے بعد کہنا کہ رسول اللہ نے تمہارا مزاج پوچھا ہے۔'' سیدنا زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے ایک ایک کر کے تمام لاشیں دیکھ ڈالیں یہاں تک کہ وہ زخموں میں چور نظر آئے' لبوں پر دم تھا' نیزہ' تیر اور تلوار کے کوئی ستر زخم جسم پر تھے۔ میں نے کہا رسول اللہ نے سلام کہا ہے اور مزاج پوچھا ہے' یہ سنتے ہی انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور بڑی بیتابی سے بولے: ''رسول اللہ پر سلام' اے زید! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنا کہ سعد' جنت کی بو سونگھ رہا ہے اور میرے قبیلہ سے کہنا کہ اگر تمہارے جیتے جی دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ گئے تو کل اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی عذر بھی کام نہ آئے گا۔'' یہ کہا اور ان کی روح پرواز کر گئی۔

ایک انصاری کی جانثاری:

ایک انصاری خون میں لوٹ رہا تھا' دوسرے انصاری کا ادھر سے گذر ہوا تو یہ زخمی سے کہنے لگا: ''اے شخص کیا تو نے بھی سن لیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے؟'' وہ مومن صادق بولا: ''اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو کیا ہوا' تبلیغ حق تو کر گئے' تجھے بھی چاہیے کہ اپنے دین پر سے فدا ہو جا۔'' اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:

فرمان الٰہی ہے:

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ۝﴾ (ال عمران: ۱۴۴)

''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف ایک رسول ہی تو ہیں کہ جن سے پہلے بہت رسول گذر چکے ہیں' تو کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل ہو جائیں تو تم الٹے پاؤں لوٹ جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں لوٹ جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کو کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا' اور اللہ تعالیٰ عنقریب شکر گذاروں کو بدلہ دے گا۔''

شکست کی وجہ و فلاسفی:

جنگ احد ایک بڑے معرکہ کی جنگ تھی' اس میں مسلمانوں کی شکست بلاوجہ نہ تھی' اللہ تعالیٰ کی

بڑی بڑی حکمتیں اس میں پوشیدہ تھیں' مثلاً مسلمانوں کو (جن کی تاریخ اب شروع ہو رہی تھی) عملاً بتا دینا مقصود تھا کہ جنگ میں سپہ سالار کی اطاعت' فوج پر فرض ہے اور نافرمانی کا نتیجہ بجز ہلاکت کے اور کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓي اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾

(العمران: ۱۵۱)

''اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا جب کہ تم اس کے حکم سے انہیں بھگا رہے تھے' یہاں تک کہ جب نامردی کی تم نے اور پھوٹ ڈالی اور حسب منشاء نتیجہ دیکھنے کے بعد بھی تم نے نافرمانی کی' تم میں سے بعض دنیا کو چاہتے ہیں اور بعض آخرت کو' پھر پھیر دیا تمہیں ان سے تاکہ آزمائش کرے تمہاری' اور البتہ یہ خطا معاف کر دی تمہاری۔''

نتیجہ شکست:

چنانچہ اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں مسلمان بہت ہوشیار رہنے اور ان تمام باتوں سے بچنے لگے جو شکست کا موجب ہوتی ہیں۔ پھر چونکہ سنت الٰہی ہمیشہ سے یہی ہے کہ اگرچہ فتح آخر میں حق و اہل حق ہی کو ہوتی ہے لیکن درمیان میں شکست و فتح طرفین کو ہوتی رہتی ہے کیونکہ اگر ہمیشہ کامیابی حق ہی کو ہوتی رہے تو پھر مومن و کافر' صادق و کاذب کے درمیان سے تمیز اٹھ جائے اور ہر شخص بلا سوچے سمجھے ایمان لائے اور زمرہ مؤمنین میں داخل ہو جائے۔ حالانکہ حکمت الٰہی یہی ہے کہ اہل حق و اہل باطل میں امتیاز قائم رہے۔

مسلمان کا مطمح نظر:

پھر اللہ تعالیٰ کا یہ بھی بتا دینا تھا کہ رسول (ﷺ) کی عمر محدود ہے' وہ ہمیشہ رہنے کو نہیں آیا' لیکن حق اٹل ہے کبھی فنا ہونے والا نہیں' مسلمان اگر حق پرست ہیں تو ان کی نظر اشخاص کی موت

وحیات پر نہیں بلکہ حق اور ادائے فرض پر رہنی چاہیے' چنانچہ مسلمانوں کو سخت زجر و توبیخ کی کہ میدان جنگ میں رسول ﷺ کی شہادت کا سن کر اتنے بدحواس کیوں ہو گئے کہ گویا حق بھی مر گیا ہے اور نعوذ باللہ وہ اللہ تعالیٰ ہی نہیں رہا جس نے اپنے رسول ﷺ کے ذریعہ حق بھیجا تھا۔

اللہ والوں کی سرفروشی:

اس کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ سے پہلے بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے ساتھ بیشمار اہل حق قتل ہو چکے ہیں مگر اس سے مؤمنین صادقین نہ تو گھبرائے' نہ مایوس ہوئے بلکہ اور زیادہ عزم و ہمت سے راہ مولیٰ میں سرفروشی کرنے لگے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ٥ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ٥ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ٥﴾ (ال عمران: ١٤٦ - ١٤٨)

''بہت سے نبی ایسے گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ ہو کر بہت سے اللہ والوں نے جنگ کی' اللہ تعالیٰ کے راستہ میں انہیں جو نقصان پہنچا اس سے وہ نہ تو سست ہوئے' نہ کمزور پڑے' اور نہ ہی ہمت ہار بیٹھے' اور اللہ تعالیٰ بھی ثابت قدموں کو ہی پسند فرماتا ہے۔ انہوں نے اس حال میں یہی کہا' کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری خطاؤں کو معاف کر دے ہمیں ثابت قدم کر اور کافروں پر فتح یاب کر۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلہ دیا اور اللہ تعالیٰ اچھے لوگوں کو ہی پسند کرتا ہے۔''

قرآن میں اس جنگ کے متعلق ساٹھ آیات سورۂ آل عمران کے آخر میں موجود ہیں جو ''وَاِذْ غَدَوْتَ'' سے شروع ہوتی ہیں۔

❁❁❁❁

3- فصل

غزوۃ المریسیع کا بیان

اسبابِ جنگ:

یہ غزوہ ماہ شعبان ۵ ہجری میں واقع ہوا' وجہ یہ ہوئی کہ بنی مصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار اپنے قبیلہ اور قرب و جوار کے عربوں کا ایک جمِ غفیر لے کر رسول اللہ ﷺ سے جنگ کرنے نکلا۔

فیصلہ جنگ:

مدینہ میں جب یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ بھی مسلمانوں کی جمعیت کے ساتھ نکلے۔ جب مریسیع نام کے مقام پر پہنچے تو حارث کی فوج خود بخود منتشر ہو گئی' مگر آپ ﷺ نے حملہ کیا اور اس کے کئی آدمیوں کو قیدی بنا لیا' جن میں خود حارث مذکور کی بیٹی جویریہ بھی تھیں جو سیدنا ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے حصہ میں آئی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کی طرف سے روپیہ ادا کر کے ان کو آزاد کرا لیا اور پھر ان سے عقد بھی کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے بنی مصطلق کے قیدی جو اب مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے یہ کہہ کر آزاد کر دیئے کہ یہ ''رسول اللہ ﷺ کے سسرالی عزیز ہیں۔''

4- فصل

واقعۂ افک

حقیقت:

غزوۃ المریسیع سے ''افک'' کا مشہور واقعہ بھی تعلق رکھتا ہے جس کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اس سفر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں' واپسی میں جب کہ لشکر ایک جگہ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا' وہ قضائے حاجت کے لئے میدان گئیں اور جب واپس لوٹیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار' جو کہ وہ اپنی بہن سے عاریۃً لائی تھیں' گم ہے' فوراً تلاش میں واپس ہوئیں' اسی اثنا میں لشکر نے کوچ کر دیا' جو لوگ ان کا کجاوہ اونٹ پر باندھا کرتے تھے انہوں نے جلدی میں کجاوہ اٹھا کر باندھ دیا اور سمجھے کہ وہ اندر ہیں۔ ام المومنین اس وقت کم سنی کی وجہ سے بہت ہلکی پلکی تھیں اس لئے کجاوہ اٹھاتے ہوئے انہیں کچھ محسوس نہ ہوا۔

سیدنا صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ لشکر کے پیچھے پیچھے چلتے تھے تاکہ گری پڑی چیزیں اٹھالیں' ان کی نظر جب یہاں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر پڑی تو اِنَّا لِلّٰہِ کہہ کر سکتہ میں آ گئے' وہ انہیں پہچانتے تھے کیونکہ پردہ شروع ہونے سے پہلے بارہا دیکھ چکے تھے۔ انہوں نے کچھ کہا سنا نہیں' بلکہ ادب سے اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا' وہ سوار ہو گئیں اور یہ خود مہار تھامے پیدل روانہ ہوئے یہاں تک کہ لشکر سے آ ملے۔ لوگوں نے یہ بات دیکھی تو اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تاویلات کرنے لگے۔ ابن اُبی کو معلوم ہوا تو اس نے فوراً تہمت لگا دی اور شہرت دینے لگا۔

لوگوں کی چہ میگوئیاں:

مدینہ پہنچے تو ان افترا پردازوں نے ہر طرف شور مچانا شروع کیا۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے پہلے بالکل خاموش رہے پھر صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اشارۃً طلاق کی صلاح دی لیکن سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ وغیرہ نے اس کی مخالفت کی۔ دراصل دونوں کا نقطہ نظر مختلف تھا'

سیدنا علی رضی اللہ عنہ اس طرف گئے کہ حالت شبہ کو بہر حال ختم کر دینا مناسب ہے تا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کی چہ میگوئیوں سے چھٹکارا ملے۔ جبکہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ نے معاملہ کا دوسرا رخ دیکھا' انہیں معلوم تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے والد سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے از حد محبت ہے اور ان کی جدائی آپ کو نہایت شاق گذرے گی۔ پھر انہیں کامل یقین تھا کہ ام المومنین (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا) کی عصمت و عفت ہر طرح کے شک و شبہ سے بالاتر ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ غیر پارسا سے ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے ان کی زبان سے وہی نکلا جو دوسرے تمام اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قصہ افک سن کر کہا تھا۔

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت:

اس واقعہ کے بعد کامل ایک ماہ تک وحی کا سلسلہ موقوف رہا' اور جب وحی آئی تو ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی برأت کے ساتھ آئی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب برأت کی آیات پڑھیں تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مسرت سے اچھل پڑے اور صاحبزادی سے کہنے لگے: ''اٹھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرو۔'' اس موقعہ پر ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خودداری و جرأت قابل ذکر ہے انہوں نے جواب دیا: ''اللہ تعالیٰ کی قسم! میں ان کا ہرگز شکریہ ادا نہیں کروں گی' میں تو صرف اپنے اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کروں گی جس نے میری برأت نازل فرمائی۔'' یہ جواب ام المومنین رضی اللہ عنہا کی پاک باطنی' بلند ہمتی اور ثابت قدمی کی بہترین مثال ہے۔

تہمت لگانے والوں کو سزا:

جب وحی کے ذریعہ برأت ثابت ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تہمت لگانے والے لوگوں کو ۸۰-۸۰ درے لگوائے کیونکہ تہمت لگانے کا جرم ان پر ثابت ہوگیا تھا۔

فصل - 5

غزوۂ خندق

اسبابِ جنگ:

شوال ۵ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ اس کا سبب یہ ہوا کہ یہودیوں نے جب احد میں مشرکین کی کامیابی اور مسلمانوں کی شکست دیکھی اور سنا کہ ابوسفیان آئندہ سال پھر حملہ کرنے والا ہے' تو ان کی بھی ہمتیں بلند ہوگئیں' ان کے سردار قریش کے پاس گئے' انہیں حملہ کے لئے اکسایا اور اپنی امداد و اعانت کا یقین دلایا۔

یہودیوں کے وعدوں سے قریش کو اور زیادہ جرأت ہوئی اور وہ ان کی صلاح مشورہ سے جنگ کی تیاریاں کرنے اور قبائل عرب کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرنے لگے۔ تھوڑی ہی مدت میں ایک لشکر جرار فراہم ہوگیا جس میں دس ہزار جانباز مختلف قبائل عرب اور یہودیوں کے شریک تھے۔ اس کی سپہ سالاری' ابوسفیان کو دی گئی اور اس فوجِ گراں نے سیلاب بلا بن کر مدینہ کی سمت حرکت شروع کی۔

مسلمانوں کا محاذ جنگ:

نبی کریم ﷺ کو اطلاع پہنچی تو آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' سیدنا سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے گرد خندق کھودنے کی رائے دی' تو آپ ﷺ نے یہ رائے پسند کی اور خندق کھدنے لگی جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے علاوہ خود رسول اللہ ﷺ بھی شریک تھے۔ اس سے فراغت حاصل کر کے تین ہزار مجاہدوں کی جمعیت لے کر شہر سے نکلے اور خندق پر پڑاؤ ڈال دیا۔

ایک یہودی قبیلہ کی عہد شکنی:

عین اسی وقت معلوم ہوا کہ بنی قریظہ (یہودی قبیلہ) نے معاہدہ توڑ دیا اور قریش سے مل گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے سیدنا سعد بن عبادہ اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق حال کے لئے بھیجا'

انہوں نے وہاں جا کر دیکھا کہ حالت بالکل بدلی ہوئی ہے' کل تک کے دوست آج جانی دشمن اور خون کے پیاسے ہو رہے ہیں اور یہودیوں نے صحابہ رضی اللہ عنہم اور خود رسول اللہ ﷺ کی شان میں سخت گستاخی کے کلمات کہے اور علانیہ دشمنی کا اظہار کیا۔ سیدنا سعد بن معاذ وغیرہ رضی اللہ عنہم سب کچھ دیکھ کر واپس آئے اور نبی کریم ﷺ کو اطلاع دی' اس کا مسلمانوں پر بہت برا اثر ہوا' بہت سے لوگ بددل ہو گئے منافقین کا نفاق کھل گیا' اور بنی حارثہ کے بعض مسلمانوں نے یہ حیلہ تراش کر واپسی کی اجازت چاہی کہ ہمارے گھر بے پناہ پڑے ہیں' حالانکہ واقعہ یہ نہ تھا' بلکہ یہ تو محض لڑائی سے جی چرانے کی بات تھی۔

محاصرۂ مدینہ:

اسی دوران مشرکین کا لشکر بھی آ پہنچا' اس نے چاروں طرف سے مدینہ کا محاصرہ کر لیا۔

محاصرہ نے طوالت اختیار کی اور مسلمانوں کی تکلیف بڑھ گئی تو نبی کریم ﷺ نے ارادہ کیا کہ قبیلہ غطفان کو مدینہ کے نخلستانوں کی ثلث فصل دے کر مشرکوں سے علیحدہ کر دیں تاکہ دشمنوں کا زور ٹوٹ جائے۔ چنانچہ ابتدائی گفتگو بھی شروع کر دی تھی لیکن جب انصار کے سردار سیدنا سعد بن معاذ اور سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ کیا تو انہوں نے مخالفت کی' وہ کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اگر آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے تو ہمارے سر جھکے ہوئے ہیں اور ہم ہر حال میں راضی ہیں' لیکن اگر یہ ہماری تکلیف کے خیال سے ہے تو ہمیں منظور نہیں' جب ہم مشرک اور بتوں کے پجاری تھے اس وقت بھی انہیں کبھی مدینہ کی طرف آنکھ اٹھانے کی جرأت نہیں ہوئی' پھر اب جب کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کی دولت سے مالا مال کر دیا اور آپ ﷺ کے ذریعہ ہماری پشت پناہی کی ہے تو ہم کیسے ان کے سامنے جھک جائیں اور اپنی دولت ان کے حوالہ کر دیں؟ اللہ کی قسم! ہمارے پاس ان کو دینے کے لیے تلوار کے علاوہ اور کچھ نہیں۔'' نبی کریم ﷺ کو یہ گفتگو نہایت پسند آئی' آپ نے فرمایا: ''یہ محض تمہاری مصلحت کے خیال سے تھا کیونکہ میں نے دیکھا تمام عرب تمہارے برخلاف جتھا باندھ کر امنڈ آیا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کی دستگیری:

پورے ایک مہینہ تک محاصرہ اپنی پوری شدت سے جاری رہا' آخر اللہ تعالیٰ نے اس نازک گھڑی میں دستگیری کی اور دشمنوں کی شکست کا سامان غیب سے کر دیا۔ ہوا یہ کہ اسی قبیلہ غطفان کے ایک شخص نعیم ابن مسعود کا دل خود بخود نور اسلام سے جگمگا اٹھا۔ وہ خفیہ طور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا "میں اسلام لا چکا ہوں' حکم دیجئے تعمیل کے لئے حاضر ہوں" آپ ﷺ نے فرمایا: "تم ایک فرد واحد ہو اور تنہا کیا کر سکتے ہو؟ ہاں اگر ممکن ہو تو دشمنوں میں پھوٹ ڈال دو کیونکہ جنگ حملہ اور تدبیر کا نام ہے۔

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی پالیسی:

سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ فوراً واپس ہوئے' ان کے اسلام کی کسی کو بھی خبر نہ تھی' پہلے وہ بنی قریظہ کے پاس گئے' ان کے ساتھ قدیم سے دوستانہ تعلقات چلے آ رہے تھے' کہنے لگے "دیکھو اب تم محمد (ﷺ) سے لڑائی مول لے چکے ہو' قریش کا کیا ہے' موقعہ پائیں گے تو فائدہ اٹھائیں گے ورنہ تمہیں محمد (ﷺ) کے رحم اور انتقام کے حوالہ کر کے اپنے ملک چل دیں گے" وہ کہنے لگے کہ "پھر اب ہمیں کیا کرنا چاہیے؟" سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ بولے: "اس وقت تک قریش کی طرف سے لڑائی نہ کرو' جب تک بطور ضمانت وہ اپنے کچھ آدمی تمہارے پاس نہ بھیج دیں۔" فریب خوردہ یہودی کہنے لگے "واقعی اچھی صلاح ہے۔" اِدھر سے فارغ ہو کر قریش کے پاس پہنچے اور کہا کہ کیا: "تم میرے خلوص اور دوستی پر اعتماد رکھتے ہو؟" وہ کہنے لگے: "ہاں بلاشک" سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ نے کہا: "تو سنو! مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہودی محمد (ﷺ) سے عہد شکنی کر کے اب پچھتا رہے ہیں' انہوں نے پیام وسلام شروع کر دیا ہے ان کے درمیان یہ معاہدہ طے پا گیا ہے کہ یہودی تمہارے چند سردار ضمانت کے بہانہ مانگ کر محمد (ﷺ) کے حوالہ کر دیں اور پھر ان کے شریک ہو کر تم سے جنگ کریں' لہٰذا میری دوستانہ صلاح ہے کہ اگر یہودی تم سے ضمانت طلب کریں تو تم ہرگز نہ دینا۔" اس کے بعد سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ میں پہنچے اور وہاں بھی بعینہٖ یہی گفتگو کی۔

دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ:

اب دشمنان اسلام کے دلوں میں پھوٹ پڑ چکی تھی اور ہر ایک دوسرے کو آزمانا چاہتا تھا' چنانچہ ایک دن قریش نے یہودیوں سے کہلا بھیجا "ہم یہاں پردیس میں پڑے ہیں اور بہت کچھ مال ومتاع ضائع کر چکے ہیں' لہٰذا تیار ہو جاؤ تاکہ ہم سب مل کر محمد (ﷺ) پر حملہ کر دیں۔" یہودیوں نے سنا تو ان کو سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کی بات یاد آ گئی' یہود نے کہلا بھیجا: "آج سبت (ہفتہ) کا دن ہے اور تم جانتے ہو کہ ہم سبت (ہفتہ کے دن) میں کچھ نہیں کرتے' علاوہ ازیں جب تک تم ہمیں ضمانت نہ دو گے' ہم نہیں لڑیں گے۔" قریش نے یہ جواب سنا تو آپس میں کہنے لگے' اللہ کی قسم! نعیم نے ٹھیک کہا تھا: اور یہودیوں سے کہلا بھیجا "واللہ ہم تمہارے پاس اپنا ایک آدمی بھی نہ بھیجیں گے یہاں تک کہ تم ہمارے ساتھ مل کر محمد (ﷺ) سے لڑو۔" اس جواب سے قریظہ کو سیدنا نعیم رضی اللہ عنہ کے قول کی اور زیادہ تصدیق ہو گئی اور اس طرح دشمنوں کے لشکر میں پھوٹ پڑ گئی۔

تائیدِ غیبی اور واقعہ:

دوسری طرف یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آندھی کا ایک ہولناک طوفان بھیج دیا جس نے کفار کو سخت بدحواس کر ڈالا اور وہ بڑی ابتری کے ساتھ فرار ہو گئے۔ اس طرح بلا کسی بڑے کشت وخون کے دشمنان اسلام رسوا وخوار ہو کر شکست یاب ہوئے اور مسلمانوں کا دبدبہ ہر طرف قائم ہو گیا۔

یہود کو عہد شکنی کی سزا:

کفار کی ناکام واپسی کے بعد نبی کریم ﷺ شہر میں واپس آئے اور ہتھیار کھولنے لگے' عین اسی وقت حکم الٰہی آ پہنچا کہ بنی قریظہ کو ان کی عہد شکنی کی سزا دو۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ فوراً ہر فرمانبردار مسلمان نماز عصر سے پہلے پہلے بنی قریظہ کی سرزمین میں پہنچ جائے اور آپ خود بھی فوراً روانہ ہو گئے' یہودیوں نے بھی مقابلہ کیا لیکن بالآخر مقہور ومغلوب ہوئے' جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا' وہ قتل ہوئے اور باقی قید کی ذلت میں پڑے' حتیٰ کہ کوئی نام لینے والا نہ رہا۔ سورۂ احزاب میں ان دونوں لڑائیوں کا حال مذکور ہے۔

❁❁❁❁

6- فصل

غزوۂ حدیبیہ

حالات کی تفصیلات:

یہ غزوہ ذی القعدہ ٦ ہجری میں واقع ہوا اس غزوہ کے ہونے کی وجہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ چودہ سو مسلمانوں کو ہمراہ لے کر عمرہ کی غرض سے مکہ روانہ ہوئے۔ ایک جاسوس پہلے سے بھیج دیا تھا کہ وہ قریش کی نقل و حرکت سے آگاہ کرتا رہے' آپ ﷺ کا قافلہ جب مقامِ عسفان پہنچا تو مخبر نے خبر دی کہ قریش نے اپنی تیاریاں مکمل کر لی ہیں' وہ آپ ﷺ سے لڑیں گے اور کعبہ کے قریب نہیں جانے دیں گے۔ آپ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا' سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ اپنی طرف سے کوئی چھیڑ چھاڑ نہ کی جائے لیکن اگر کوئی راستہ روکے تو پھر جنگ کی جائے' نبی کریم ﷺ نے بھی یہ رائے پسند کی اور آگے بڑھے۔

راستہ میں معلوم ہوا کہ قریش نے خالد بن ولید کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے لیکن مسلمان راستہ سے کٹ کر پرے پرے نکلتے چلے گئے یہاں تک کہ جب مقام غمیم میں پہنچے تو خالد نے اچانک گھوڑوں کی گرد دیکھی' وہ فوراً گھوڑا دوڑا کر مکہ پہنچا اور قریش کو خبر دی' جس سے انہیں سخت تشویش ہوئی۔ لیکن قبل اس کے کہ ادھر سے کوئی کارروائی عمل میں آتی نبی کریم ﷺ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو مقام حدیبیہ سے یہ پیغام دے کر مکہ بھیجا کہ ''ہم جنگ کے ارادہ سے نہیں بلکہ صرف عمرہ کے ارادہ سے آئے ہیں' لہٰذا ہمیں عمرہ کرنے دیا جائے۔''

قریش کی بے اعتنائی اور مسلمانوں کا اضطراب:

قریش نے یہ پیغام بے پروائی سے سنا اور سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے کہنے لگے کہ جو کچھ تم نے کہا ہم نے سن لیا' بس اب رہنے دو۔'' ادھر بعض مسلمانوں کو بڑا قلق تھا کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ تو مکہ میں داخل ہو گئے اور انہوں نے ضرور طواف کیا ہو گا' لیکن جب نبی کریم ﷺ نے یہ سنا تو فرمایا کہ ''میرے خیال میں تو عثمان (رضی اللہ عنہ) نے ہرگز طواف نہ کیا ہو گا' ہم محصور ہیں وہ بھلا کیسے طواف

کریں گے؟" اور واقعہ بھی یہی تھا' چنانچہ بعد میں سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے آ کر خود ہی بیان کیا کہ قریش نے بہت اصرار کیا کہ طواف کر لو' مگر میں نے منظور نہ کیا۔

صلح میں جنگ:

صلح کی بات چیت شروع ہوئی تو بڑھتے بڑھتے جھگڑے کی صورت پیدا ہو گئی' فریقین نے ایک دوسرے پر پتھر اور تیر برسائے۔ اسی دوران میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ملی کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر ڈالے گئے' اس بات سے مسلمانوں میں سخت غم و غصہ پیدا ہو گیا اور سب نے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی کہ لڑیں گے اور کسی حال میں نہ بھاگیں گے۔

شرائط صلح:

لیکن سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ جلد مکہ سے صحیح سالم واپس آ گئے جس سے جوش ٹھنڈا ہوا اور صلح کی گفتگو از سر نو شروع ہوئی۔ شرائط طے ہو چکیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کاتب کو بلا کر فرمایا: لکھو بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سہل بن عمرو' جو کہ قریش کا نمائندہ تھا' وہ رحمٰن کے لفظ پر فوراً معترض ہوا: کہنے لگا ہم نہیں جانتے رحمٰن کون ہے؟ بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ لکھا جائے جو ہمارا دستور ہے۔" اس پر مسلمان بگڑ گئے اور ضد کرنے لگے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لکھا جائے گا' مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش نظر تو صلح تھی' اس لیے آپ نے فرمایا کچھ مضائقہ نہیں بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ ہی لکھ دو۔ پھر آگے آپ نے عبارت بتائی کہ هٰذَا مَا قَاضٰى عَلَيْهِ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ اس پر محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سمجھوتہ کیا ہے۔ سہل نے فوراً اعتراض کیا: "اگر ہم یہ مان لیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول اللہ ہیں تو پھر جھگڑا ہی کیوں کرتے؟" لہٰذا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھیے' اس پر مسلمان اور بھی زیادہ برہم ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "گو تم جھٹلاؤ مگر میں رسول اللہ ہی ہوں' اچھا محمد بن عبداللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) لکھ دو۔" پھر لکھنا چاہا "باہم یہ طے ہوا کہ قریش ہمارا راستہ چھوڑ دیں تاکہ ہم خانہ کعبہ کا طواف کر سکیں" سہل نے اس پر بھی اعتراض کیا: "اللہ کی قسم! ایسا نہیں ہو سکتا' سارا عرب کہے گا ہم دباؤ سے ڈر گئے' البتہ آئندہ سال تم آ سکتے ہو۔" پھر حسب ذیل شرائط پر عہد نامہ لکھا گیا:

(۱) دس سال تک جنگ و جدل موقوف رہے گی اور کوئی کسی کو نہ ستائے گا۔

(۲) مسلمان اس سال واپس جائیں' آئندہ سال آ سکتے ہیں مگر اس طرح کہ نیزے اور تیر

ساتھ نہ لائیں' صرف تلواروں کی اجازت ہے اور وہ بھی نیاموں کے اندر ہوں۔

(۳) مکہ میں صرف تین دن قیام رہے گا' اس کے بعد فوراً واپسی ہو گی۔

(۴) اس دس سال کی مدت میں جو مسلمان قریش کے پاس آ جائے گا وہ اسے واپس نہ کریں گے' لیکن قریش کا جو آدمی مسلمانوں کے پاس چلا جائے گا وہ اسے واپس کر دیں گے۔

مسلمانوں کی برہمی:

اس آخری شرط نے مسلمانوں کو نہایت برہم کر دیا صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! کیا یہ شرط بھی ہم منظور کر لیں گے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''ہمارا جو آدمی ان کے پاس چلا جائے گا اللہ تعالیٰ کی اس پر پھٹکار ہو گی' اور ان کا جو آدمی ہمارے پاس آ جائے گا اور ہم ان کے حوالہ کر دیں گے' تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکال دے گا۔'' [1]

---

[1] حدیبیہ کا صلح نامہ مسلمانان ہند کیلئے ایک بہترین سیاسی رہنمائی ہے' ہمیں ہندوستان آزاد کرانا ہے' ہندوستان کی آزادی سے ہمارے بہترین قومی و اسلامی فوائد وابستہ ہیں' بلکہ اسلام اور دنیائے اسلام کی سیاسی نجات اسی پر موقوف ہے' ہم ہندوستان کو آزاد نہیں کرا سکتے جب تک ابنائے وطن سے کامل صلح نہ کر لیں' جس طرح بھی ممکن ہو ہمیں یہ صلح حاصل کرنے میں شرطوں کی سختی نرمی کا خیال نہ کرنا چاہیے۔ بیشمار سیاسی' اجتماعی' جغرافیائی اور مذہبی اسباب ایسے موجود ہیں جو ہماری اس صلح کو صلح حدیبیہ کی طرح ''فتح مبین'' کا پیش خیمہ بنا دیں گے۔ کاش مسلمانوں کو عقل آئے اور اسلام کے نادان دوست بننے کے بجائے دانا دوست بن جائیں۔ ہم اپنی جہالت سے اس وقت صرف ہندوستان ہی کو برباد نہیں کر رہے بلکہ اسلام کو بھی ناقابل تلافی نقصان پہنچا رہے ہیں۔ (مترجم)

اسی مضمون میں اگر ہندوستان کی بجائے پاکستان پڑھا جائے تو یہ بھی من وعن ٹھیک اور درست ہے کیونکہ آج پاکستان کی بھی بالکل وہی حالت ہے جو کہ کسی وقت ہندوستان کی تھی، آج ضرورت اس بات کی ہے کہ حکومت پاکستان ہوش کے ناخن لے اور مالاکنڈ، سوات، صوبہ سرحد اور صوبہ بلوچستان کے وہ علاقہ جات جہاں (پاکستانی افواج حکومت پاکستان اور امریکہ کے کہنے پر) تباہی مچا رہی ہے اس سے باز آنا چاہیے اور جن کو شدت پسند وغیرہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کے ساتھ ایسا ہی ایک صلح نامہ ترتیب دینا چاہیے تاکہ پاکستان مزید ٹکڑے ٹکڑے ہونے سے بچ جائے ورنہ پاکستان کا جس طرح پہلے ایک بازو کاٹ دیا گیا تھا اسی طرح اس کے مزید اعضاء علیحدہ علیحدہ کرنے کے لیے یہودی لابی پوری طرح سرگرم ہو چکی ہے اور اس میں کام آنے والا میٹریل پاکستانی ہے گو کہ وہ لوگ بظاہر پاکستانی ہیں، مگر حقیقت میں وہ غدار، عیار، مکار دھوکہ باز اور فریبی ہیں، انہیں پاکستان سے کوئی دلچسپی نہیں، دلچسپی اگر ہے تو صرف اپنے مفادات سے ہے۔ اسی لیے صوبائی خود مختاری اور وہ ''اہل ہمل'' جیسے نعرے لگا رہے ہیں، ایسے ہی لوگوں کی کارستانیوں سے مشرقی پاکستان معرض وجود میں آیا تھا، اس وقت کے حکمران بھی عیاشیوں کے دلدادہ تھے اور آج کے حکمران بھی، اور آج تو آوے کا آوا ہی دلدادہ عیش وعشرت ہے جبکہ اس وقت تو چند ایک لوگ تھے۔ (مصحح)

تکمیل معاہدہ کے بعد حکم نبوی ﷺ:

معاہدہ مکمل ہو گیا تو نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ اٹھو قربانی کرو اور سر منڈواؤ۔ آپ ﷺ نے مکرر سہ مکرر یہ حکم دیا' مگر مسلمان اس قدر برہم تھے کہ ایک دو کے سوا کسی نے بھی تعمیل نہ کی۔ آپ ﷺ کو اس سے نہایت صدمہ ہوا اور افسردگی کے ساتھ اندر چلے گئے ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے یہ حالت دیکھی تو وجہ دریافت کی' آپ ﷺ نے بیان کیا کہ مسلمانوں نے میرے حکم کی تعمیل نہ کی۔ وہ عرض کرنے لگیں ''اگر آپ ﷺ چاہتے ہیں کہ لوگ تعمیل کریں تو کسی سے کچھ نہ کہیے' خاموشی سے اٹھیے' قربانی کیجئے اور حلاق کو بلا کر سر منڈا دیجئے' سب فوراً پیروی کریں گے۔'' آپ ﷺ نے اس دانشمندانہ مشورہ پر عمل کیا' لوگوں نے دیکھا تو مستعدی سے قربانیاں کرنے اور ایک دوسرے کا سر مونڈنے لگے۔

مہاجر عورتوں کے متعلق حکم:

یہیں مومن عورتیں حاضر ہوئیں اور قرآن میں ان کے متعلق نازل ہوا:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ﴾ (الممتحنة: ١٠)

''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آئیں' ان کا امتحان کرو۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ایمان کا حال خوب معلوم ہے' اگر تم انہیں ایمان دار سمجھو' تو پھر انہیں کافروں کی طرف نہ لوٹاؤ' نہ ایمان دار عورتیں کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ کافر ان کے لئے حلال ہیں۔''

اسی موقعہ پر قبیلہ خزاعہ نبی ﷺ کی جماعت میں داخل ہوا اور قبیلہ بکر قریش کی حمایت میں صلح حدیبیہ کا ذکر سورۂ فتح میں موجود ہے۔

❀❀❀❀

7- فصل

غزوۂ خیبر

اللہ تعالیٰ کے وعدہ کی تصدیق:

حدیبیہ سے واپسی کے دس دن بعد جنگ خیبر واقع ہوئی جس میں کامل فتح اور مال غنیمت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حدیبیہ ہی میں کر لیا تھا۔ سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيرَةً تَأْخُذُونَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ وَكَفَّ أَيْدِيَ النَّاسِ عَنْكُمْ﴾ (الفتح: ٢٠)

''اللہ تعالیٰ نے تم کو بہت سی ایسی غنائم کا وعدہ دیا ہے جو تم حاصل کرو گے' اس لئے اللہ تعالیٰ جلد وہ غنائم تم کو ملا دے اور دوسرے لوگوں کے ہاتھ تم سے روک دے (بغیر لڑائی کے حاصل ہوں)''

یہودیوں کے ساتھ معاہدہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ لڑتے لڑتے بالآخر یہودی پست ہو گئے اور ان کو اس بات پر صلح کرنا پڑی کہ جلاوطن ہو جائیں اور ہتھیاروں کے علاوہ مال ومتاع اپنی بار برداریوں پر لے جا سکتے ہیں لے جائیں لیکن جب ان کی جلاوطنی کا وقت آیا تو وہ عرض کرنے لگے کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں یہیں رہنے دیں' ہم اس زمین سے خوب واقف ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اس کی اصلاح ودرستگی اور حفاظت کرتے رہیں گے۔'' خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس اس وقت کھیتی باڑی کے لئے آدمی نہ تھے' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کی درخواست منظور کر لی اور جلاوطنی عارضی طور پر ملتوی کر کے آدھی بٹائی پر انہیں زمینیں دے دیں۔ معاہدہ میں کوئی میعاد مقرر نہ تھی بلکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر موقوف تھا کہ جب تک چاہیں رکھیں۔

سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کا اسلام:

اسی غزوہ میں صفیہ بنت حیی بن اخطب قید ہو کر آئیں اور اسلام لے آئیں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے لئے منتخب کر لیا اور آزاد کر کے اپنی زوجیت میں لے لیا' نقد مہر ادا نہیں کیا بلکہ آزادی کو مہر قرار دے دیا۔ (ام المومنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا)۔

ایک یہودی عورت کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر کھلانا:

اسی جنگ میں ایک یہودی عورت زینب الحارث (زوجہ سلام بن مشکم) نے زہر ملا کر بھنی ہوئی بکری تحفۃً پیش کی جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے تناول کیا۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ کھانے والوں میں سے جب سیدنا بشر بن براء رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کے قتل کا حکم دے دیا۔ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ تین سال مزید زندہ رہے لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات زہر ہی کے اثر سے ہوئی جیسا کہ مرض الموت میں آپ نے فرمایا کہ ''خیبر میں جو لقمہ کھایا تھا اس سے ہمیشہ تکلیف ہوتی رہی لیکن آج دماغ کی رگ ٹوٹ رہی ہے۔''

تمام یہودی قبائل کا مطیع ہونا:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم خیبر سے فراغت حاصل کر کے وادی قریٰ کی طرف متوجہ ہوئے جہاں یہودیوں کا ایک قبیلہ رہتا تھا' اس مقام کو بھی بزور شمشیر فتح کر لیا اور باشندوں کے ساتھ اہل خیبر کا سا سلوک کیا۔ یہی حشر اہل فدک کا بھی ہوا۔ تیما کے یہودیوں کو یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ خائف ہو گئے اور صلح کی درخواست بھیجی جو منظور ہوئی اور اہل خیبر کی شرائط پر ان سے بھی معاملہ کر لیا۔ یہ تمام یہودی قبائل سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے دور تک رہے' انہوں نے خیبر اور فدک کے یہودیوں کو جلاوطن کر دیا مگر تیما اور وادی قریٰ والوں کو رہنے دیا کیونکہ یہ دونوں علاقے حدود شام میں داخل تھے اور خیبر و فدک سرزمین مقدس حجاز میں کہ جس کا غیر مسلموں سے پاک کرنا ضروری تھا۔

8- فصل

غزوۂ فتح مکہ کا بیان

اسباب جنگ:

۱۰ رمضان ۸ ہجری میں مکہ فتح ہوا۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ قریش کے حلیف بنو بکر نے مسلمانوں کے حلیف قبیلہ خزاعہ پر بلا سبب حملہ کر دیا' قریش نے اپنے اتحادیوں کی ہتھیاروں سے مدد کی اور خود بھی چھپ کر رات کو ان کی طرف سے لڑے اور اس طرح حدیبیہ کا معاہدہ صلح توڑ دیا۔ بنو خزاعہ کا ایک شیخ بدیل بن ورقاء فریاد لے کر بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا' آپ ﷺ نے فوراً تیاری شروع کر دی اور جلد سے جلد اس طرح روانہ ہو گئے کہ قریش کو خبر تک نہ ہو اور وہ اچانک گھیر لیے جائیں۔

سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ کی لغزش:

اس موقع پر ایک بدری صحابی سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ سے سخت لغزش ہوئی۔ وہ یہ کہ جب تمام لوگ تیاریوں میں مصروف تھے تو انہوں نے یہ کیا کہ ایک عورت کے ہاتھ قریش کو خط بھیجا جس میں من و عن تمام باتیں بیان کر دیں اور صاف لکھ دیا کہ نبی کریم ﷺ تم پر یلغار کرنے کے لیے آ رہے ہیں۔ مگر مشیت ایزدی یہی تھی کہ قریش بے خبری ہی میں اپنے کیے کی سزا بھگتیں' چنانچہ یہ عورت مسلمان مخبروں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئی اور سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کا راز فاش ہو گیا۔

لغزش کی وجہ:

نبی کریم ﷺ نے سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کو بلا کر وجہ دریافت کی' یہ مومن صادق تھے' سچائی سے کہنے لگے: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے معاملہ میں جلدی نہ کیجئے' اللہ تعالیٰ گواہ ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر صدق دل سے ایمان لایا ہوں' نہ میں مرتد ہوا ہوں اور نہ ہی میں نے کفر کو اسلام پر ترجیح دی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ میں خود تو قریشی نہیں ہوں' یونہی قبیلہ

قریش کے ساتھ رہنے لگا ہوں' میرے اہل وعیال سب کے سب ان کے رحم پر ہیں' قریش میں میری کوئی ایسی رشتہ داری بھی نہیں جو ان کی حفاظت کی ضامن ہو' برخلاف آپ ﷺ کے اور اصحاب رضی اللہ عنہم کے کہ جن کے قرابت دار وہاں موجود ہیں اور ان کے اہل وعیال کی حفاظت وحمایت کرتے ہیں' یہی سوچ کر میں نے چاہا کہ اگر رشتہ داری نہیں تو کم از کم قریش پر ایک ایسا احسان کردوں جس کے صلہ میں وہ میرے خاندان کا کچھ خیال کریں۔'' نبی اکرم ﷺ نے یہ جواب قبول کرلیا اور سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ کی خطا معاف کردی۔

مجاہدینِ اسلام کا لشکر جرار:

جب تیاریاں ہر طرح سے مکمل ہوگئیں تو رسول اللہ ﷺ دس ہزار مجاہدین کا لشکر لے کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے' راستہ میں سیدنا عباس رضی اللہ عنہ جو مع اہل وعیال ہجرت کیے چلے آرہے تھے' وہ آپ سے آملے اور لشکر میں شامل ہوگئے۔ جب فوج اسلام مر الظہران نامی مقام پر پہنچی تو آپ ﷺ نے رات کو آگ جلانے کا حکم دیا اور بیک وقت دس ہزار آدمیوں نے آگ جلادی جس سے قرب وجوار کے تمام علاقے روشن ہوگئے۔ قریش کو اب تک کچھ خبر نہ تھی' انہیں ڈر تو تھا مگر یہ وہم وگمان بھی نہ گذرا تھا کہ مسلمان اس تیزی سے سر پر آپہنچیں گے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی خواہش:

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کو تشویش تھی اور وہ چاہتے تھے کہ قریش کو اطلاع کرادیں تاکہ امان حاصل کرلیں اور مکہ خونریزی سے بچ جائے' چنانچہ اسی ارادہ سے وہ رسول اللہ ﷺ کے خاص خچر پر سوار ہوکر نکلے اور اِدھر اُدھر سے کسی مکہ جانے والے کو تلاش کرنے لگے۔

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کا بیان:

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ خود روایت کرتے ہیں کہ: ''میں اس جستجو میں پھر رہا تھا کہ اندھیرے میں ابوسفیان کی آواز سنائی دی جو بدیل بن ورقاء سے باتیں کر رہا تھا۔ ابوسفیان نے تعجب سے کہا: ''بدیل! واللہ میں نے آج تک اتنی آگ اور ایسا بڑا پڑاؤ کبھی نہیں دیکھا۔'' بدیل (جو در پردہ مسلمانوں سے ملے ہوئے تھے) نے کہا: ''یہ قبیلہ خزاعہ کی آگ اور انہیں کا پڑاؤ ہے'' ابوسفیان

نے تردید کی کہ "نہیں' اتنی بڑی آگ اور ایسا پڑاؤ کسی طرح بھی خزاعہ کا نہیں ہو سکتا' خزاعہ کی تعداد بھلا اتنی کہاں؟" سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے آواز پہچان کر پکارا! "اے ابو حنظلہ!" (ابوسفیان کی دوسری کنیت ہے) اس نے بھی میری آواز پہچان لی اور بڑے اضطراب سے پوچھنے لگا "یہ کیا معاملہ ہے؟" میں نے کہا "یہ رسول اللہ ﷺ ہیں اور ان کا لشکر پڑاؤ ڈالے پڑا ہے' اللہ کی قسم! اگر وہ تمہیں پالیں گے تو بے گردن مارے نہ چھوڑیں گے" وہ بولا: "پھر اب کیا تدبیر کی جائے؟" میں نے کہا "خاموشی سے میرے پیچھے خچر پر آ جاؤ' رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں چل کر تمہارے لئے امان حاصل کر لیتا ہوں" ابوسفیان نے اسے منظور کیا اور خدمت نبوی میں پہنچتے ہی اسلام قبول کر لیا۔

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کا امتیاز:

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے یہ بھی عرض کیا کہ ابوسفیان ایک فخار آدمی ہے' اسے کوئی امتیاز عطا کیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے گا اس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں چلا جائے گا' اس کے لئے امان ہے۔"

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اور اہالیان مکہ:

سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ اسلام قبول کر کے مکہ گئے اور قریش کو با آواز بلند پکارا "یہ دیکھو! محمد (ﷺ) لشکر جرار لئے آ پہنچے' تم ہرگز مقابلہ نہیں کر سکتے' جو کوئی ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے اور جو کوئی مسجد حرام میں داخل ہو جائے گا اس کے لئے امان ہے۔" پہلے تو قریش سخت متحیر و مضطرب ہوئے' پھر ابوسفیان رضی اللہ عنہ پر ناراض ہو کر کہنے لگے: "اللہ تعالیٰ تجھے غارت کرے' تیرا گھر کتنے آدمیوں کو پناہ دے گا۔" پھر تمام کے تمام لوگ مسجد اور اپنے اپنے گھروں میں جا چھپے۔

مجاہدینِ اسلام کا مکہ میں داخلہ:

ادھر رسول اللہ ﷺ مجاہدین کے ساتھ بالائی مکہ سے شہر میں داخل ہوئے اور سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کو اس فرمان کے ساتھ نشیبی مکہ سے بھیجا کہ اگر کوئی قریشی تعرض کرے تو بلا تکلف قتل کر کے صفا پر

میرے پاس پہنچ جانا۔

حماس بن قیس رسول اللہ ﷺ کے داخلہ سے پہلے ہتھیار مہیا کر رہا تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا یہ تیاریاں کس کے لئے ہیں؟" کہنے لگا "محمد (ﷺ) اور ان کے ساتھیوں کے لئے" وہ کہنے لگی "واللہ تمہارے یہ ہتھیار محمد (ﷺ) کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔" اس پر وہ فخر سے بولا "اللہ کی قسم! میں ان میں سے ایک دو کو پکڑ کر تیری غلامی میں رکھوں گا۔" پھر یہ شعر پڑھا:

اَنْ یَّقْبَلُوا الْیَوْمَ فَمَا لِیْ عِلَّۃْ ۔۔۔ ھٰذَا سِلَاحٌ کَامِلٌ وَّاٰلَّۃْ

"اگر آج وہ آ جائیں تو میرے لئے کوئی مجبوری نہیں ہے' یہ پورے ہتھیار اور مکمل ساز وسامان موجود ہے۔"

اس کے بعد اس نے سیدنا خالد رضی اللہ عنہ کی آمد آمد سنی اور مزاحمت کرنے کے لئے یہ بھی نکلا' معمولی چھیڑ چھاڑ ہوئی جس میں دو مسلمان اور بارہ مشرک قتل ہوئے' پھر کفار کے قدم اکھڑ گئے اور بھگوڑوں کے ساتھ حماس بھی بھاگا' ہانپتا کانپتا گھر پہنچا اور بیوی سے کہنے لگا جلد دروازہ بند کر کے مجھے بچاؤ وہ کہنے لگی "اور وہ تمہارا فخر کیا ہوا؟"

طواف کعبہ اور بت شکنی:

رسول اللہ ﷺ نے داخلہ کے بعد کعبہ کا رخ کیا' مہاجرین وانصار آگے پیچھے دائیں بائیں چل رہے تھے یہاں تک کہ مسجد حرام میں داخل ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ اپنی ناقہ پر سوار حجر اسود کی طرف بڑھے' اسے چھوا اور سواری پر سے ہی طواف شروع کیا۔ کعبہ کے اوپر اور اس کے گرد تین سو ساٹھ بت رکھے تھے' آپ ﷺ کے ہاتھ میں کمان تھی جس سے ایک ایک کو مار کر زمین پر گراتے اور فرماتے جاتے تھے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۝﴾ (الاسراء: ۸۱)

"حق آ گیا اور باطل (جھوٹ) نکل بھاگا' باطل ہی ہمیشہ شکست اٹھانے والا ہے۔"

اور فرماتے جاتے:

﴿جَآءَ الْحَقُّ وَمَا يُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا يُعِيْدُ۝﴾ (سبا: ۴۹)

''حق آ گیا اور باطل بالکل بے بس ہو گیا۔''

عجب منظر تھا' عرب کے یہ معبودانِ باطلہ یکے بعد دیگرے منہ کے بل زمین پر گر رہے تھے اوران کے پرستار اپنے معبودوں کا حشر دیکھ رہے تھے مگر دم مارنے کا یارانہ تھا! اس دن اسلام کے ''الٰہ رب السمٰوات والارض'' کا بول بالا ہوا اور اس کا گھر ہمیشہ کے لئے معبودان باطلہ سے پاک ہو کر توحید کا مرکز بن گیا۔

نبی کریم ﷺ نے طواف کے بعد عثمان بن طلحہ کو بلایا جس کے پاس خانہ کعبہ کی چابی رہتی تھی' چابی طلب کی اور اس پر سے تصویریں مٹا دیں ان میں دوسروں کے علاوہ جناب ابراہیم و جناب اسماعیل علیہما الصلوٰۃ والسلام کی تصاویر بھی تھیں۔

دخول کعبہ اور قریش سے خطاب:

پھر نبی ﷺ نے نماز پڑھی' کعبہ کے اندر داخل ہوئے' تکبیر کہی اور لوٹ کر دروازہ پر کھڑے ہوئے تو دیکھا کہ قریش کا جم غفیر صفیں باندھے کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں مخاطب کر کے حسب ذیل کلمات کہے:

> ''ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں' اس کا کوئی شریک نہیں' اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا' اپنے بندہ کو فتح یاب کیا اور تمام جتھوں کو تن تنہا توڑ ڈالا۔ ہاں ہر طرح کا فخر' ہر طرح کی حق تلفی اور ہر قسم کے خون سب میرے ان قدموں کے نیچے ہیں'[1] صرف کعبہ کی تولیت اور حاجیوں کو پانی پلانا اس سے مستثنیٰ ہے۔ اے قریش' اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کا غرور اور باپ دادا پر گھمنڈ دور کر دیا' تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی)
>
> ﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّ قَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ﴾ (۴۹ : ۱۳)
>
> ''اے لوگو! ہم نے تمہیں نر مادہ سے پیدا کیا اور قومیں اور قبائل بنا دیا تا کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو اللہ تعالیٰ کے نزدیک زیادہ معزز وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے'

بیشک اللہ علیم وخبیر ہے۔"

اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا: "اے قریش! تمہارے خیال میں تم سے میں کیا سلوک کروں گا؟" سب پکار اٹھے: "اچھا سلوک' آپ (ﷺ) شریف برادر اور شریف برادرزادے ہیں۔" آپ نے فرمایا میں اس وقت تم سے وہی کہوں گا جو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا یعنی: لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ (یوسف: ۹۲) (آج تم پر کچھ بھی الزام وملامت نہیں) "جاؤ تم سب آزاد ہو۔"

تولیت کعبہ:

اس کے بعد نبی ﷺ مسجد کے صحن میں جلوہ افروز ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہاتھ میں خانہ کعبہ کی چابی لے کر کھڑے ہوئے اور عرض کیا: "اے اللہ کے رسول! حاجیوں کے پانی پلانے کی خدمت کے ساتھ کعبہ کی تولیت کا شرف ہمیں بخش دیجئے؟" آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا اور عثمان بن طلحہ کو پکارا' وہ آئے تو آپ ﷺ نے کعبہ کی چابی ان کی طرف بڑھاتے ہوئے فرمایا: "لو یہ چابی لے لو' آج نیکی اور ایفاء عہد کا دن ہے۔"

نماز شکر:

پھر نبی ﷺ اپنی چچازاد بہن سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا بنت ابی طالب کے گھر تشریف لے گئے' غسل کیا اور وہیں آٹھ رکعات نماز پڑھی' ضحیٰ کا وقت تھا' اسی لئے بعض لوگوں نے غلطی سے خیال کر لیا ہے کہ یہ صلوٰۃ ضحیٰ تھی' حالانکہ یہ نماز شکر تھی جو اس فتح مبین کے شکرانہ میں ادا کی گئی تھی۔ اس کی دلیل خود سیدہ ام ہانی رضی اللہ عنہا کی حدیث میں موجود ہے کہ "اس دن سے پہلے اور بعد میں میں نے کبھی آپ ﷺ کو یہ نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔" علاوہ ازیں امراء اسلام اور خلفاء ہمیشہ فتوحات کے مواقع پر اسی طرح نماز شکر ادا کرتے تھے۔

❀❀❀❀

9- فصل

غزوۂ حنین

وجہ جنگ:

اس عظیم الشان جنگ کا باعث یہ ہوا کہ جب قبیلہ ہوازن کو رسول اللہ ﷺ کی آمد اور فتح مکہ کی خبر پہنچی تو انہوں نے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ادھر جب نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے سیدنا عبداللہ سلمی رضی اللہ عنہ کو جاسوسی کے لئے بھیجا' انہوں نے آ کر تمام حالات بیان کئے اور آپ ﷺ کو یقین ہو گیا کہ اگر پیش قدمی کر کے دشمن کو روکا نہ جائے گا تو وہ خود مکہ پر آ کر حملہ کر دے گا' چنانچہ اس فیصلہ کن جنگ کے لئے آپ ﷺ نے خود بھی تیاری کی۔

جنگ کی تیاری:

صفوان بن امیہ مکہ کا ایک بڑا رئیس تھا اور اپنے پاس بہت ہتھیار رکھتا تھا' آپ ﷺ نے اسے بلا کر فرمایا: ''اپنے ہتھیار ہمیں دے دو کہ دشمن سے مقابلہ کریں؟'' اس نے کہا'' اے محمد! (ﷺ) کیا میرے ہتھیار غصب کرنا چاہتے ہو؟'' آپ نے فرمایا: ''نہیں بلکہ عاریۃً چاہتا ہوں۔'' چنانچہ اس نے سو زرہیں اور اتنے ہی ہتھیار دے دیئے۔

لشکرِ جرّار کی یلغار:

نبی اکرم ﷺ نے کوچ شروع کیا' دس ہزار مہاجرین اور انصار جو کہ فتح مکہ میں ساتھ تھے اور دو ہزار مکہ کے باشندے ہمراہ چلے۔ سیدنا عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ کو مکہ کی امارت سپرد کی اور بڑے جاہ و جلال کے ساتھ یہ لشکر گراں یلغاریں مارتا روانہ ہوا۔

بے خبری میں دشمن کا حملہ:

سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: جب ہم وادی حنین کے سامنے پہنچے تو ایک ڈھلوان والی وادی کو تیزی سے طے کرنے لگے رات ختم ہو چکی تھی مگر تاریکی ہنوز پھیلی ہوئی تھی' دشمن ہم سے

پہلے وہاں پہنچ چکا تھا اور جھاڑیوں' موڑوں اور پر پیچ راستوں میں جا بجا ہماری تاک میں چھپ بیٹھا تھا۔ ہم بالکل بے خبر چلے جا رہے تھے کہ اچانک خطرہ ظاہر ہوا اور ہم ہر طرف سے بری طرح گھر گئے' دشمن نے بڑی سختی سے حملہ کیا اور مطلقاً سنبھلنے کی مہلت نہ دی۔

مسلمانوں کی بدحواسی اور شکست:

اس ناگہانی مصیبت نے مسلمانوں کو بدحواس کر دیا اور وہ بڑی ابتری سے بھاگنے لگے' رسول اللہ ﷺ دائیں طرف ہٹ کے کھڑے ہو گئے اور پکارنے لگے: لوگو! کہاں؟ کہاں؟ ادھر آؤ' میں رسول اللہ ﷺ ہوں! میں محمد بن عبداللہ ہوں' لیکن لوگ بڑی بدحواسی سے بھاگ رہے تھے' کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ آپ ﷺ کے ساتھ صرف چند مہاجرین اور آپ ﷺ کے اہل بیت باقی رہ گئے تھے۔

گنواروں کا بے تکا کلام:

مکہ کے اجڈ گنواروں نے جو لشکر میں ساتھ تھے مسلمانوں کی شکست دیکھی تو دل کا بغض نکالنے لگے: ابوسفیان نے کہا "اب یہ بھگوڑے سمندر سے ادھر نہیں رکنے کے۔" کلدہ نے کہا "لو آج سارا جادو ٹوٹ گیا۔"

مسلمانوں کی جمعیت اور فتح:

سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: "میں یوم حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا اور آپ ﷺ کے خچر کی باگیں تھامے کھڑا تھا۔ آپ ﷺ نے جب مسلمانوں کی یہ حالت دیکھی تو چلائے: "لوگو! کہاں؟ کہاں؟ مگر کون سنتا تھا' میں ایک نہایت فربہ اور بلند آواز آدمی تھا' مجھ سے فرمانے لگے: "عباس! انصار کو ذرا آواز دو۔" میں چلایا "اے قومِ انصار!" لوگ سنتے ہی "لبیک لبیک" کہتے ہوئے دوڑے اور رسول اللہ ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر جنگ شروع ہوئی اور خاتمہ مسلمانوں کی فتح اور کفار کی شکست پر ہوا۔"

مالِ غنیمت اور تقسیم:

فتح کے بعد آپ ﷺ نے مال غنیمت اور قیدی جمع کرنے اور مقام جعرانہ میں لے جانے کا

حکم دیا۔ شمار کرنے پر معلوم ہوا کہ چھ ہزار قیدی ۲۴ ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بھیڑ بکری اور ۴ ہزار اوقیہ چاندی ملی ہے۔ آپ ﷺ نے قیدیوں کے ساتھ بڑی رعایت کی' دواڑھائی ہفتہ انہیں تقسیم نہ کیا کہ شاید ان کے اعزہ مسلمان ہو کر حاضر ہوں اور لے جائیں۔ انتظار کے بعد مال غنیمت کی تقسیم شروع کی' سب سے پہلے مؤلفۃ القلوب کا حصہ لگایا' ابوسفیان کو ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دیئے' وہ کہنے لگے اور میرے بیٹے یزید کے لئے؟'' آپ ﷺ نے انہیں مزید ۴۰ اوقیہ چاندی اور سو اونٹ دے دیئے۔ انہوں پھر کہا ''معاویہ کے لئے؟'' آپ ﷺ نے معاویہ کے نام سے بھی اتنا ہی حصہ دے دیا۔ مؤلفۃ القلوب سے فراغت حاصل کر کے باقی مال غنیمت عام مسلمانوں پر تقسیم کر دیا۔ ہر شخص کے حصہ میں چار اونٹ اور چالیس بکریاں آئیں اور سواروں کو سہ گنا زیادہ دیا۔

انصار کا انتشار قلب اور برہمی:

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ: ''جب رسول اللہ ﷺ نے اتنی فیاضی سے قریش اور دیگر قبائل کو مال غنیمت دیا اور انصار کو کچھ زیادہ نہ ملا تو ان میں سے بعض نوجوانوں کو اس سے سخت رنج ہوا اور طرح طرح کی چہ میگوئیاں کرنے لگے' اور بعض نے تو یہاں تک کہہ ڈالا کہ ''رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے مل گئے ہیں۔'' سیدنا سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے سنا تو خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی خبر دی۔ فرمایا: ''انصار کو جمع کرو۔''

نبی ﷺ کا زبردست خطبہ:

نبی ﷺ اس مجمع میں تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا:

''اے انصار! یہ کیا گفتگو ہے جو تمہاری طرف سے مجھے پہنچی ہے؟ وہ کیا شکایت ہے جو تمہیں مجھ سے پیدا ہوئی ہے؟ کیا یہ سچ نہیں ہے کہ تم گمراہ تھے اور اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیج کر تمہاری ہدایت کی؟ کیا تم مفلس نہیں تھے اور اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں مالا مال کر دیا؟ کیا تم میں پھوٹ نہیں پڑی ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھوں تمہارے دل جوڑ دیئے؟''

پ ﷺ یہ الفاظ ادا کر کے خاموش ہوئے تو سب بیک زبان بول اٹھے کہ

''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احسانات ہم پر بہت ہیں۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

''انصار! تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیتے؟''

انصار نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا جواب دیں' آپ کے ہم پر بیشمار احسانات ہیں۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کی قسم! اگر تم چاہتے تو جواب دے سکتے تھے جو بالکل سچ ہوتا اور جس کی حرف بحرف میں تصدیق کرتا' تم کہہ سکتے تھے کہ تجھے سب نے جھٹلا دیا تھا' تو ہمارے پاس آیا اور ہم نے تیری تصدیق کی!

تیرا کوئی ناصر و مددگار نہ تھا' ہم نے مدد کی' لوگوں نے تجھے نکال دیا تھا' ہم نے پناہ دی!

تو محتاج تھا' ہم نے دستگیری کی!

اے انصار! تم صرف اتنی سی بات پر رنجیدہ ہو گئے کہ میں نے دنیا کا مال دے کر کچھ لوگوں کے قلوب کی تالیف کی تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں اور تمہیں تمہارے اسلام پر بھروسہ کر کے چھوڑ دیا؟

اے انصار! کیا تم اس سے خوش نہ ہو گے کہ دوسرے لوگ تو بھیڑ بکری اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھر رسول اللہ کو لے کر لوٹو؟ قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے جو کچھ تم لے کر لوٹو گے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے لے کر وہ لوگ لوٹیں گے! اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک شخص ہوتا۔ اگر سب لوگ ایک راستہ سے جائیں اور انصار دوسرے سے تو میرا راستہ وہی ہوگا جو انصار کا ہے۔

انصار مغز ہیں اور تمام لوگ چھلکا۔ اے الٰہی! انصار پر رحم کر۔ انصار کی اولاد پر رحم کر۔''

انصار کی تسکین قلب:

اس پر اثر خطبہ سے آنکھیں اشکبار اور ڈاڑھیاں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور انصاری چلائے کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کو حصہ میں پا کر بہت خوش ہیں۔''

10- فصل

غزوۂ تبوک

بناء جنگ:

رجب ۹ ہجری میں یہ جنگ واقع ہوئی۔ سبب یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رومیوں نے ملک شام میں فوجیں جمع کی ہیں' ہرقل شاہ روم نے سال بھر کی رسد دے کر ایک لشکر تیار کیا ہے' حدود عرب کے عربی قبائل لخم وجذام وعاملہ وغسان ان کے ساتھ ہو گئے ہیں اور مقدمۃ الجیش یلغار کر کے بلقاء تک پہنچ گیا ہے۔ یہ زمانہ سخت تنگی اور قحط کا تھا' نبی کریم ﷺ نے مالداروں کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے تعمیل کی' سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ حصہ لیا۔

نبی اکرم ﷺ کا دستور:

نبی اکرم ﷺ کا دستور تھا کہ جنگ کے مواقع پر کبھی ظاہر نہ کرتے کہ کدھر کا قصد ہے' لیکن تبوک کے موقعہ پر صاف صاف اعلان کر دیا تھا کہ رومیوں سے جنگ درپیش ہے کیونکہ مسافت دراز تھی اور زمانہ قحط کا تھا۔

منافقین کی حیلہ سازی:

جد بن قیس سے فرمایا: ''اے جد! کیا اس سال رومیوں سے نبرد آزمائی کیلئے چلو گے؟'' اس نے حیلہ سازی کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ مجھے آزمائش سے معاف نہ رکھیں گے؟ سب لوگ جانتے ہیں کہ مجھے عورتوں سے نہایت رغبت ہے' میں ڈرتا ہوں کہ رومی عورتوں کو دیکھ کر بے اختیار نہ ہو جاؤں۔'' یہ سن کر نبی ﷺ نے مونہہ پھیر لیا اور فرمایا ''خیر نہ جاؤ۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِي وَلَا تَفْتِنِّي﴾ (التوبہ: ۴۹)

''ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں مجھے اجازت دے دیجئے اور آزمائش میں نہ ڈالیے۔''

منافقین نے ہمتیں پست کرنا شروع کیں اور کہنے لگے اس گرمی میں نہ جاؤ' اس پر یہ آیت اتری:

﴿وَقَالُوا لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ﴾ (التوبۃ: ۸۱)

''یہ کہتے ہیں گرمی میں کوچ نہ کرو' اے نبی ﷺ کہہ دو کہ جہنم کی آگ اس سے بھی زیادہ سخت گرم ہے' کاش ان میں عقل ہوتی۔''

اس موقع پر اشعریوں نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ نبی ﷺ سے سواریاں مانگیں' آپ ﷺ اس وقت ناراض تھے' غصہ سے قسم اٹھا کر فرمانے لگے: ''واللہ میں تمہیں ہرگز سواری نہ دوں گا اور پھر میرے پاس سواری ہے بھی نہیں۔'' اس کے بعد ہی کچھ اونٹ آ گئے' آپ ﷺ کا غصہ فرو ہو گیا اور انہیں واپس بلا کر اونٹ مرحمت کر دیئے' ساتھ ہی فرمایا: ''میں نے تمہیں سواری نہیں دی' لیکن وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے یہ اونٹ بھیج دیئے ہیں' میں جب قسم اٹھاؤں گا اور پھر دیکھوں گا کہ اس کے خلاف عمل کرنا بہتر ہے تو قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا۔''

سیدنا علیہ رضی اللہ عنہ کی دعائے مقبول:

اسی موقع پر ایک رات سیدنا علیہ بن زید رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی اور رو رو کر دعا کی: ''الٰہی تو نے جہاد کا حکم دیا ہے لیکن مجھے اتنا نہیں دیا کہ تیرے رسول ﷺ کا ساتھ دے سکوں اور نہ اپنے رسول ﷺ کو اتنا دیا ہے کہ وہ مجھے ساتھ لے جا سکے' الٰہی! اگر میں جہاد کے ناقابل ہوں تو میں ہر وہ تکلیف تیری راہ میں معاف کرتا ہوں جو کسی مسلمان کے ہاتھ سے مجھے پہنچی ہے' جان کی ہو یا مال کی یا آبرو کی!'' اس پر نبی ﷺ نے فرمایا: ''علیہ تیری یہ دعا بطور زکوۃ مقبول لکھ لی گئی۔''

خاتمہ جنگ' صلح اور جزیہ پر:

جب تبوک پہنچے تو ایلہ کا سردار حاضر ہوا' صلح کی درخواست پیش کی اور جزیہ ادا کیا' آپ ﷺ

نے اسے ایک تحریر لکھ دی جس کا مضمون یہ تھا: ''یہ تحریر یحنہ بن رویہ اور اس کی قوم اہل ایلہ کے لئے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے امان ہے، اہل ایلہ اور ان کے ساتھی اہل شام، اہل یمن اور اہل بحرین کے لئے خشکی اور تری میں پناہ ہے، ان کی کشتیاں اور ان کے قافلے اللہ تعالیٰ اور محمد ﷺ نبی کی پناہ میں ہیں۔ اگر ان کا کوئی آدمی خلاف معاہدہ کوئی کام کرے گا تو اس کا مال اس کی جان کو نہ بچا سکے گا بلکہ وہ ہر کس وناکس کے لئے مباح ہوگی۔ ان کے لئے جائز نہیں کہ وہ خشکی اور تری میں کوئی راستہ یا جگہ کام میں آنے سے روکیں۔

عظیم الشان خطبہ:

نبی کریم ﷺ نے تبوک میں ایک عظیم الشان خطبہ دیا تھا جو حسب ذیل ہے:

أَمَّا بَعْدُ! فَإِنَّ أَصْدَقَ الْحَدِيثِ كِتَابُ اللّٰهِ، وَأَوْثَقُ الْعُرٰى كَلِمَةُ التَّقْوٰى وَخَيْرُ الْمِلَلِ مِلَّةُ إِبْرَاهِيمَ وَخَيْرُ السُّنَنِ سُنَّةُ مُحَمَّدٍ وَأَشْرَفُ الْحَدِيثِ ذِكْرُ اللّٰهِ وَأَحْسَنُ الْقَصَصِ هٰذَا الْقُرْآنُ وَخَيْرُ الْأُمُورِ عَوَازِمُهَا وَشَرُّ الْأُمُورِ مُحْدَثَاتُهَا، وَأَحْسَنُ الْهَدْيِ هَدْيُ الْأَنْبِيَاءِ وَأَشْرَفُ الْمَوْتِ قَتْلُ الشُّهَدَاءِ وَأَعْمَى الْعَمٰى الضَّلَالَةُ بَعْدَ الْهُدٰى، وَخَيْرُ الْأَعْمَالِ مَا نَفَعَ وَخَيْرُ الْهُدٰى مَا اتُّبِعَ، وَشَرُّ الْعَمٰى عَمَى الْقَلْبِ، وَالْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِنَ الْيَدِ السُّفْلٰى، وَمَا قَلَّ وَكَفٰى خَيْرٌ مِمَّا كَثُرَ وَأَلْهٰى، وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِينَ يَحْضُرُ الْمَوْتُ، وَشَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمِنَ النَّاسِ مَنْ لَا يَأْتِي الْجُمُعَةَ إِلَّا دُبُرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ إِلَّا هَجْرًا،

وَمِنْ أَعْظَمِ الْخَطَايَا اللِّسَانُ الْكَذَّابُ وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ، وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى، وَرَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَخَيْرُ مَا وَقَرَ فِي الْقُلُوبِ الْيَقِينُ، وَالْاِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ وَالنِّيَاحَةُ مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ وَالْغُلُولُ حَرُّ جَهَنَّمَ، وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْإِثْمِ وَشَرُّ الْمَأْكَلِ مَالُ الْيَتِيمِ وَالسَّعِيدُ مَنْ وُعِظَ بِغَيْرِهِ وَمِلَاكُ الْعَمَلِ خَوَاتِمُهُ، وَشَرُّ الرُّؤْيَا الْكِذْبُ وَسِبَابُ الْمُؤْمِنِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ، وَأَكْلُ لَحْمِهِ مِنْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَحُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ، وَمَنْ يَعْفُ يَعْفُ اللّٰهُ عَنْهُ،

وَمَنْ يَكْظِمِ الْغَيْظَ يَأْجُرْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّصْبِرْ عَلَى الرَّزِيَّةِ يُعَوِّضْهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ يُعَذِّبْهُ ثُمَّ اسْتَغْفَرَ ثَلَاثًا۔

''امابعد! سب سے زیادہ سچی بات' کتاب اللہ ہے' سب سے بڑا سہارا' تقویٰ ہے' سب سے اچھی ملت' ملت ابراہیمی ہے' سب سے بہتر سنت' سنت محمدی ہے' سب سے اچھی بات' ذکر الٰہی ہے اور سب سے عمدہ داستان' قرآن ہے۔ سب سے اچھے کام' عزیمت کے کام ہیں اور سب سے برے کام' بدعت کے کام ہیں۔ سب سے بہتر راستہ انبیاء کا راستہ ہے اور سب سے زیادہ معزز موت' شہادت کی موت ہے۔ بدترین کور بصری' ہدایت کے بعد گمراہی ہے۔ سب سے اچھا کام وہ ہے جو نفع پہنچائے اور سب سے اچھی راہ وہ ہے جس کی پیروی کی جائے اور بدترین تاریکی دل کی تاریکی ہے۔ دینے والا ہاتھ' لینے والے سے بہتر ہے جو چیز کم مگر ضرورت بھر کی ہو اس سے کہیں بہتر ہے جو زیادہ ہو مگر غفلت میں ڈالے۔ بدترین توبہ موت کے وقت کی توبہ ہے اور بدترین ندامت قیامت کے دن کی ندامت ہے۔ بہت لوگ ہیں جو پیٹھ پھیر کر جمعہ کا استقبال کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کو کبھی یاد نہیں کرتے۔ سب سے بڑی خطا' جھوٹی زبان ہے اور سب سے بڑی دولت' دل کی دولت ہے۔ سب سے بہتر توشہ' تقویٰ ہے۔ سب سے بڑی دانائی' مخافت وخشیت الٰہی ہے۔ دل میں راسخ ہونے والی سب سے اچھی چیز' یقین ہے اور شک' کفر کی ایک شاخ ہے۔ میت پر نوحہ' جاہلیت کی خصلت ہے۔ مسلمانوں کے مال میں خیانت' جہنم کی گرمی ہے' شراب' گناہ کا سرچشمہ ہے اور بدترین ذریعۂ معاش' یتیم کے مال کا کھانا ہے۔ خوش نصیب وہ ہے جو دوسروں سے نصیحت حاصل کرے' عمل کا مدار اس کے خاتمہ پر ہے' بدترین خواب' جھوٹا خواب ہے۔ مسلمان کو گالی دینا' فسق ہے اور مسلمان کا قتل' کفر ہے۔ غیبت کر کے مسلمان کا گوشت کھانا' معصیت ہے اور مسلمان کے مال کی حرمت اس کی جان کی حرمت کے برابر ہے۔ جو معاف کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے گا

اور جو غصہ پیتا ہے' اللہ تعالیٰ سے اجر پائے گا اور جو نافرمانی کرتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے عذاب میں ڈالے گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے تین مرتبہ استغفر اللہ کہا۔'' (اور خطبہ ختم کر دیا)

ابو عامر کی سازش:

تبوک سے واپسی پر بعض منافقوں نے سازش کی کہ راستہ میں رسول اللہ ﷺ کو گھاٹی میں کہیں گرا دیں گے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو ان کے مکر سے آگاہ کر دیا اور آپ ﷺ دوسرے راستہ سے نکل گئے۔ اسی واقعہ کی طرف آیت ''وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا'' (التوبہ: ٧٤) میں اشارہ کیا ہے۔ اس سازش کا سرغنہ ابو عامر تھا جسے راہب بھی کہتے تھے۔ مسجد ضرار بھی اسی کے اشارہ سے بنی تھی۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ابو عامر نے منافقوں سے کہا: ''اپنے لئے الگ مسجد بناؤ اور جہاں تک ہو سکے آدمی اور ہتھیار جمع کرو' میں قیصر روم کے پاس جا کر ایک لشکر عظیم لاؤں گا اور محمد (ﷺ) کو مع ان کے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ نکال باہر کر دوں گا!'' چنانچہ جب مسجد تیار ہو گئی تو یہ منافق خدمت نبوی میں حاضر ہوئے کہ ہم مسجد بنا چکے' چل کر اس میں نماز پڑھ دیجئے تاکہ موجب برکت ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿لَا تَقُمْ فِيهِ أَبَدًا لَمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَنْ تَقُومَ فِيهِ﴾ (التوبہ: ١٠٨)

''(اے محمد ﷺ) اس میں کبھی بھی نماز نہ پڑھو' جو مسجد اول دن سے تقویٰ پر مبنی ہے (یعنی مسجد قبا) وہ زیادہ مستحق ہے کہ اس میں نماز پڑھو۔''

مسجد ضرار کے انہدام کی وجہ:

مسجد ضرار والوں نے یہی درخواست اس وقت بھی کی تھی جب تبوک کے لئے تیاریاں کر رہے تھے' چنانچہ کہا تھا: ''اے اللہ کے رسول! ہم نے بیماروں' حاجت مندوں اور ضرورت کے اوقات کے لئے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا ہے' کیا ہی اچھا ہو اگر آپ اس میں دو رکعت پڑھ کر اسے متبرک کر دیں۔'' اس وقت آپ نے جواب دیا تھا کہ ''سفر در پیش ہے' پابرکاب ہو رہا ہوں'

عدیم الفرصت ہوں' واپس آؤں تو یاد دلانا' ان شاء اللہ تمہاری مسجد میں نماز پڑھوں گا'' لیکن واپسی میں مدینہ پہنچنے سے پہلے ہی وحی نے اس مسجد کی حقیقت کھول دی اور آپ ﷺ نے سیدنا مالک بن الدخشم اور سیدنا معن بن عدی العجلانی رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ ''اس مسجد کو جا کر گرا دو اور جلا دو۔'' انہوں نے ایسا ہی کیا اور مسجد والے ادھر ادھر چل دیئے (کھسک گئے)۔ قرآن میں ہے:

﴿وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّ تَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (التوبۃ: ۱۰۷)

''اور جن لوگوں نے کفر، ضد اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لیے ایک مسجد بنائی اور اس کی تائید میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ سے پہلے ہی لڑ رہا ہے اگرچہ اب وہ قسم اٹھائیں گے کہ ہماری غرض اس سے بھلائی کی ہی تھی لیکن اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے کہ وہ جھوٹے ہیں۔''

مدینہ میں استقبال:

تبوک سے رسول اللہ ﷺ مظفر و منصور واپس لوٹے تھے' سفر لمبا تھا' خطرے بے شمار تھے چنانچہ جب مدینہ کے قریب پہنچے اور شہر میں خوشخبری پہنچی تو لوگوں کی مسرت بے اندازہ تھی' ہر قسم کے آدمی' مرد' عورتیں' بوڑھے' بچے' لڑکے' لڑکیاں استقبال کے لئے باہر نکل آئے اور مدینہ کی لڑکیوں نے ان اشعار کے شور میں رسول اللہ ﷺ کا استقبال کیا:

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا ... مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا ... مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعِ

''بدر نے ثنیات الوداع سے ہم پر طلوع کیا! ہمیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ کا شکر ہم پر واجب ہو گیا۔''

غلط فہمی کا ازالہ:

ان اشعار کے بارہ میں بعض راویوں کو غلط فہمی ہو گئی ہے' ان کی روایات میں ہے کہ یہ شعر اس

وقت گائے گئے تھے جب نبی ﷺ ہجرت کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے تھے' حالانکہ یہ صریح غلطی ہے کیونکہ مقام "ثنیات الوداع" ملک شام کی طرف ہے نہ کہ مکہ سے مدینہ کے راستہ پر۔

مدینہ میں آپ ﷺ کا داخلہ ماہ رمضان میں ہوا' سب سے پہلے آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز ادا کی' پھر لوگوں سے ملنے جلنے کے لئے بیٹھ گئے' جو لوگ اس مہم میں ساتھ نہیں گئے تھے' وہ آ آ کر معذرت کرنے اور قسم اٹھانے لگے' آپ ﷺ نے تمام کے عذر قبول کر لئے اور کسی کو بھی اسلام سے خارج نہ کیا' لوگوں کے عذر کو لے کر دلوں کا معاملہ علام الغیوب کے حوالہ کر دیا۔[1] ان لوگوں کی تعداد اسی سے کچھ زیادہ تھی۔

---

[1] کتب سیرت وحدیث میں کوئی ایک واقعہ بھی نہیں ملتا کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مدعی کو اس کے اعمال وخیالات کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج کر دیا ہو اور کفر کی مہر اس کی پیشانی پر لگا دی ہو جیسا کہ آج کل ہمارے نام نہاد علماء کا شیوہ ہے۔ کاش ان کو عقل آتی اور اپنی حدود سے تجاوز نہ کرتے۔ شریعت کا مسلّم اصول ہے کہ جو شخص اسلام کا مدعی ہے' کوئی اسے ملت سے خارج نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ وہ خود اس دروازہ سے نکل جائے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے دین میں داخل ہوا تھا۔ (مترجم)

11- فصل

وفودِ عرب

آمد کی وجہ:

فتح مکہ اور جنگ حنین نے تمام عرب پر اسلام کی دھاک بٹھا دی تھی' اب عرب کے باہر تبوک کے دھاوے نے اور بھی دبدبہ بڑھا دیا اور تمام اطراف عرب سے وفد آنا شروع ہو گئے تا کہ وہ اسلام سے مشرف بہ اسلام ہوں اور امان حاصل کریں۔

وفد بنی تمیم:

ابن اسحٰق رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جب بنی تمیم کا وفد آیا تو سیدھا مسجد میں گھس گیا اور چلانا شروع کیا: ''محمدؐ! محمدؐ! باہر آؤ۔'' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شور وغل سے اذیت ہوئی جس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرَاتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۝﴾

(الحجرات: ٤)

''جو لوگ تجھے حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں سے اکثر بے وقوف ہیں۔''

بنی تمیم کے وفد میں ان کا قومی شاعر ''زبرقان'' بھی تھا' وہ کھڑا ہو گیا اور اپنے قبیلہ کے مفاخر سنانے لگا' اس کا ایک شعر ہے:

نحن الملوك فلاحي يعادلنا
منا الملوك وفينا تنصب البيع

''ہم بادشاہ ہیں' کوئی ذی روح (یا قبیلہ) ہماری برابری نہیں کر سکتا۔ ہم میں بادشاہ ہوتے ہیں اور ہمارے ہی اندر عبادت خانے قائم ہوتے ہیں۔''

زبرقان کا قصیدہ ختم ہوا تو شاعر اسلام سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کو جوش آ گیا' انہوں نے ایک

نہایت موثر اور بلیغ قصیدہ پڑھا جس کے چند اشعار یہ ہیں:

ان الذوائب من فهر و اخوتهم
قد بينوا سنة للناس تتبع

"فہر (قریش) کے سرداروں اور ان کے بھائیوں نے دنیا کے لئے ایک ایسی راہ کھول دی ہے جس کی پیروی کی جاتی ہے۔"

يرضى بهم كل من كانت سريرته
تقوى الاله و كل الخير يصطنع

"انہیں ہر وہ شخص پسند کرتا ہے جس کے باطن میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور جو ہر طرح کی نیکی کے کام کرتا ہے۔"

قوم اذا حاربوا ضروا عدوهم
او حاولوا النفع في اشياعهم نفعوا

"یہ ایسے لوگ ہیں کہ جب لڑتے ہیں تو دشمن کو نیچا دکھاتے ہیں اور جب دوستوں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہیں تو بلا کھٹک نفع پہنچاتے ہیں۔"

سجية تلك فيهم غير محدثة
ان الخلائق فاعلم شرها البدع

"یہ ان کی ایک ایسی خصلت ہے جو جبلی ہے بناوٹ نہیں۔ بدترین خصلت وہ ہے جو بناوٹ سے ہو۔"

بنی تمیم کا قبول اسلام:

سیدنا حسان رضی اللہ عنہ کا قصیدہ ختم ہوا تو رئیس وفد اقرع بن حابس اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا "یقیناً یہ شخص (یعنی نبی ﷺ) با اقبال ہے' اس کا خطیب ہمارے خطیب سے زیادہ گویا اور اس کا شاعر ہمارے شاعر سے زیادہ بلیغ ہے۔" چنانچہ یہ لوگ اسلام لے آئے' رسول اللہ ﷺ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا اور ان کے تمام قیدی جو ایک لڑائی میں پکڑے گئے تھے وہ چھوڑ دیئے۔

وفد عبدالقیس:

صحیحین میں ہے کہ جب قبیلہ ''عبدالقیس'' کا وفد حاضر ہوا تو رسالت پناہ ﷺ نے دریافت کیا ''تم کون لوگ ہو؟'' عرض کیا ''ہم قوم ربیعہ سے ہیں'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''خوش آمدید' تمہارے لئے نہ رسوائی ہے نہ ندامت!'' عرض کرنے لگے: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہمارے اور آپ کے درمیان قبیلہ مضر کے کفار حائل ہیں' ہم صرف موسم حج ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں' ہمیں ایک فیصلہ کن بات بتا دیجئے کہ اس پر عمل کریں' لوگوں کو اس کی تعلیم دیں' اور جنت سے شاد کام ہو جائیں۔'' آپ نے فرمایا: ''چار باتوں کا حکم دیتا ہوں اور چار باتوں سے منع کرتا ہوں' میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ اللہ واحد پر ایمان لاؤ۔ جانتے ہو ''ایمان'' کیا ہے؟ شہادت دو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں' محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ اور نماز قائم کرو' زکوۃ ادا کرو' رمضان کے روزے رکھو' اور مال غنیمت میں خمس (پانچواں حصہ) بیت المال میں داخل کیا کرو۔ چار چیزوں سے منع کرتا ہوں: (آپ ﷺ نے انہیں چار قسم کے برتنوں میں کھجور بھگونے سے منع فرمایا (کدو کے برتن سبز مٹکا تارکول اور کھجور کے درخت کو کرید کر بنایا گیا برتن) کیونکہ یہ برتن عموماً شراب کے لئے استعمال کیے جاتے تھے۔

وفد بنی حنیفہ:

ابو اسحٰق کی روایت ہے کہ بنی حنیفہ کا وفد حاضر ہوا اور اسلام لایا' مسیلمہ کذاب بھی اس میں موجود تھا لیکن واپسی پر وہ مرتد ہو گیا اور نبی ﷺ کی تصدیق کے ساتھ اپنی نبوت کا اعلان کرنے لگا۔ اس نے قرآن کے مقابلہ میں مسجع عبارات بنائیں۔ چنانچہ ایک عبارت یہ تھی:

((لَقَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَى الْحُبْلٰى' أَخْرَجَ مِنْهُ نَسَمَةً تَسْعٰى مِنْ بَيْنِ صِفَاقٍ وَحَشٰى))

''اللہ نے حاملہ پر احسان کیا' اس سے ذی روح کو نکالا جو چلتا ہے' مابین صفاق (جسم کی اندرونی جلد) اور معدہ کے۔''

نماز معاف کر دی' شراب اور زنا کی اجازت دے دی۔ بنی حنیفہ کے بہت سے سادہ لوح لوگ اس کے دھوکہ میں آ کر گمراہ ہو گئے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک خط بھی

لکھا تھا کہ:

((مِنْ مُسَيْلَمَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلٰى مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ' اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّىْ اُشْرِكْتُ فِى الْاَمْرِ مَعَكَ' وَاِنَّ لَنَا نِصْفُ الْاَمْرِ وَلِقُرَيْشٍ نِصْفُ الْاَمْرِ وَلَيْسَ قُرَيْشٌ قَوْمًا يَعْدِلُوْنَ))

''مسیلمہ رسول اللہ سے محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف۔ اما بعد! میں تمہارا ساجھی بنا دیا گیا ہوں' آدھی بادشاہت ہمارے لئے ہے اور آدھی قریش کے لئے لیکن قریش انصاف کرنے والے لوگ نہیں۔''

نبی کریم ﷺ نے جواب تحریر فرمایا:

((بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ' مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى مُسَيْلَمَةَ الْكَذَّاب سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى' اَمَّا بَعْدُ! فَاِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ))

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' محمد رسول اللہ (ﷺ) کی طرف سے مسیلمہ کذاب کی طرف' سلام اس پر جو ہدایت پر چلے' اما بعد! زمین' اللہ تعالیٰ کی ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے اس کا وارث بنا دے' نتیجہ پرہیزگاروں کے لئے ہے۔''

وفد نجران:

ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک وفد حاضر ہوا' عصر کے بعد مسجد نبوی میں داخل ہوا اور اپنی نماز پڑھنا چاہی' لوگ منع کرنے اٹھے' مگر نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کو روکا اور وفد کو مسجد میں عبادت کی اجازت دے دی۔ [1]

---

[1] اس سے ثابت ہوا کہ غیر مسلم مساجد میں داخل ہو سکتے ہیں اور ان میں اپنی عبادت بھی کر سکتے ہیں۔ صدر اول میں مساجد ہی مسلمانوں کی دینی و دنیاوی انجمنوں کا مرکز تھیں اور تمام قومی و ملکی معاملات انہیں میں انجام پاتے تھے۔

مسجد میں مناظرہ:

یہیں مسجد نبوی ﷺ میں مدینہ کے یہودی احبار اور نجرانی رہبان میں مناظرہ بھی ہوگیا۔ یہودی حبر نے کہا: ''ابراہیم (علیہ السلام) یہودی تھے۔'' عیسائی راہب نے کہا: ''بلکہ عیسائی تھے۔'' اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝﴾ (ال عمران: ٦٥- ٦٨)

''اے اہل کتاب تم ابراہیم کے بارہ میں کیوں جھگڑتے ہو؟ توراۃ اور انجیل تو ان کے بعد نازل ہوئی ہیں' کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے۔ تم وہ ہو کہ ایسی باتوں میں جھگڑا کر چکے ہو جن کا تمہیں کچھ علم تھا' مگر جن باتوں کا تمہیں کچھ بھی علم نہیں ان میں کیوں جھگڑتے ہو' اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم کچھ نہیں جانتے۔ ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ سب سے پھرے ہوئے اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے اور مشرک بھی نہ تھے۔ ابراہیم سے خصوصیت کے بڑے حق دار تو وہ لوگ ہیں جنہوں نے ان کی پیروی کی اور یہ نبی اور مومنین اللہ تعالیٰ مومنوں کا مددگار ہے۔''

یہودی وعیسائی راہبوں کا سوال:

یہ سن کر ایک یہودی بول اٹھا: ''اے محمد (ﷺ) کیا تم ہم سے یہ مطالبہ کرتے ہو کہ تمہاری اسی طرح پرستش کریں جس طرح عیسائی' عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کی کرتے ہیں؟'' عیسائی راہب نے بھی یہی سوال کیا۔

رسول اللہ ﷺ کا جواب:

رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا: ''معاذ الله! بھلا یہ کیونکر ممکن ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کروں یا کسی کو ایسا کرنے کا حکم دوں' اللہ تعالیٰ نے مجھے نہ اس لئے بھیجا ہے نہ اس کا حکم دیا ہے۔'' اس پر قرآن نازل ہوا:

﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبَّانِيِّيْنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ۝ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝﴾ (ال عمران ۷۹-۸۰)

''کسی انسان کو بھی شایاں نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میرے بندے بنو' بلکہ وہ یہی کہے گا کہ اللہ تعالیٰ پرست بنو اس لئے کہ تم دوسروں کو کتاب الٰہی پڑھاتے رہے ہو اور اس لئے کہ تم خود بھی پڑھتے رہے ہو' اور وہ تم سے کبھی نہیں کہے گا کہ فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کو اللہ مانو کیا بھلا اسلام لا چکنے کے بعد وہ تمہیں کفر کرنے کا حکم دے گا؟''

مسیح علیہ السلام کے بارہ میں آپ سے مناظرہ:

اس کے بعد عیسائیوں نے نبی ﷺ کو مناظرہ کی دعوت دی اور کہا: ''ہم عیسائی ہیں اور ہماری قوم بھی عیسائی ہے۔ ہم مسیح (علیہ السلام) کے بارہ میں آپ کی رائے سننے کے مشتاق ہیں تاکہ لوگوں کو اس سے مطلع کریں۔'' تو آپ نے جواب دیا: ''آج میں کچھ نہیں کہہ سکتا کل جو کچھ مجھے بتا دیا جائے گا اس سے مطلع کر دوں گا۔''

چنانچہ ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝ فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا

﴿وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ٥﴾

(ال عمران: ۵۹- ۶۲)

''اللہ تعالیٰ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی مثال آدم کی سی ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ نے مٹی سے پیدا کیا اور کہا کہ ہو جا اور وہ ہو گیا' اے نبی علیہ السلام! یہ حق تیرے رب کی طرف سے ہے لہٰذا تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا۔ پس اس علم کے بعد اگر کوئی تجھ سے حجت کرے تو کہہ دے کہ اچھا آؤ ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ' ہم اپنی بیویوں کو بلائیں اور تم اپنی بیویوں کو بلاؤ اور خود اپنے تئیں بلائیں اور تم اپنے تئیں پھر سب مل کر گڑگڑائیں اور جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت طلب کریں۔''

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مباہلہ:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو ارشاد الٰہی سنایا اور اقرار چاہا۔ انہوں نے انکار کیا تو دوسرے دن صبح سیدنا حسن و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما کو گود میں لئے ان کی طرف روانہ ہوئے' اور ان سے مباہلہ کے لئے کہا۔ مگر انہیں جرأت [1] نہ ہوئی۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا پیچھے پیچھے چل رہی تھیں بالآخر وہ صلح اور امان کے طالب ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو تحریری امان دے دی۔

---

[1] مناظرہ کے باب میں اسوۂ نبوی یہ تھا' وہاں بحث و مباحثہ نہ تھا' دوراز کار' یونانی منطق کی کج بحثیاں نہ ہوتی تھیں' سیدھی سادھی بول چال تھی' دعویٰ تھا' دعوے پر بین دلیل تھی' اگر مخاطب نے اعراض کیا تو معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیا اور کہہ دیا حق یہ ہے' نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ تمہاری ہدایت کرے گا یا عذاب نازل کرے گا۔ کاش ہمارے علماء بھی اسی راہ پر چلتے اور روز روز کے مناظروں اور مباحثوں سے پرہیز کرتے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مناظرہ نے کبھی کسی کی ہدایت نہیں کی۔ بلکہ ہمیشہ طرفین کی گمراہی کا باعث ہوا' مناظرہ درحقیقت عداوت کا سرچشمہ ہے' اسلام مناظروں سے نہیں پھیلا' اگر علماء کو اشاعت اسلام منظور ہے تو لفاظیوں سے نکل کر اپنے اخلاق درست کریں اور دنیا کے سامنے خلق اسلامی کا نمونہ بن کر آئیں لیکن موجودہ حالات میں اس کی امید کم نظر آتی ہے' جب جاہ' طمع اور ریاکاری کا ہم پر اس قدر غلبہ ہے کہ ہم خاموش کو پسند نہیں کرتے۔ اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِيْ فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ (مترجم)

باب: ٤

مقدمات وتعزیرات

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بعض لوگوں کو ایک الزام پر قید کیا تھا۔

1- فصل

قصاص

عورت کے بدلہ میں مرد کا قتل:

صحیحین میں ہے ایک یہودی نے ایک عورت کا سر دو پتھروں میں رکھ کر کچل ڈالا تو نبی ﷺ نے حکم دیا کہ اس کا سر بھی اسی طرح کچل دیا جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ عورت کے بدلہ میں مرد کو قتل کیا جائے گا۔

سوتیلی ماں سے نکاح کرنے کی سزا:

احمد و نسائی وغیرہ میں سیدنا براء رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میری ملاقات اپنے ماموں سیدنا ابو بردہ رضی اللہ عنہ سے ہوئی' وہ جھنڈا اٹھائے جا رہے تھے' دریافت کرنے پر انہوں نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے حکم دیا ہے کہ اس شخص کو قتل کر ڈالوں اور اس کے مال ومتاع پر قبضہ کر لوں جس نے اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کیا ہے۔

سنن ابن ماجہ میں ہے ''محرمات سے جو زنا کرے اسے قتل کر ڈالو۔''

دانت توڑنے کی سزا:

صحیحین میں ہے کہ نضر کی بیٹی اور ربیع کی بہن نے ایک لڑکی کے مونہہ پر طمانچہ مارا جس سے اس کا دانت ٹوٹ گیا' رسول اللہ ﷺ تک معاملہ پہنچا تو آپ نے قصاص کا حکم دیا۔ سیدہ ام ربیع رضی اللہ عنہا

(مجرمہ کی ماں) نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! کیا اس پر بھی قصاص جاری کریں گے؟ واللہ یہ نہیں ہو سکتا!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''سبحان اللہ! ام ربیع اللہ تعالیٰ کا حکم' قصاص ہے!'' کہنے لگیں: ''نہیں واللہ! اس پر ہرگز قصاص جاری نہیں کریں گے۔'' اسی اثناء میں باہم صلح ہوگئی اور لڑکی والوں نے دیت قبول کر لی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے بھی ہیں کہ جن کی قسم وہ اپنے مقابلہ میں بھی پوری کرتا ہے۔''

مدافعت میں نقصان:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے دوسرے شخص کا ہاتھ دانت سے کاٹ کھایا' اس نے ہاتھ کھینچا تو کاٹنے والے کا دانت ٹوٹ گیا۔ رسول اللہ ﷺ تک شکایت پہنچی' تو آپ نے فرمایا: ''مست اونٹ کی طرح اپنے بھائی کو کاٹ کھاتے ہو' جا تیرے لئے کچھ بھی دیت نہیں۔'' اس سے ثابت ہوا کہ مدافعت کرتے ہوئے ظالم کا جو بھی نقصان ہو جائے' تو مظلوم اس کا ذمہ دار نہیں۔

بغیر اجازت کسی کے گھر جھانکنا:

صحیحین میں سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اگر بغیر اجازت کوئی تمہیں جھانکے اور تم اس کی آنکھ پھوڑ ڈالو' تو تم پر کوئی الزام نہیں۔'' دوسری روایت ہے: ''اگر کوئی کسی کے گھر میں جھانکے اور وہ اس کی آنکھ پھوڑ ڈالے تو اس پر نہ دیت ہے اور نہ قصاص۔''

صحیحین میں ہے کہ ''ایک شخص نبی ﷺ کے حجرہ میں جھانکنے لگا' تو آپ ﷺ چھری کا پھل لے کر اٹھے اور اسے مارنے کے لئے موقع ڈھونڈنے لگے۔''

حاملہ کا ارتکاب قتل:

ابن ماجہ میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فیصلہ یہ ہے کہ اگر حاملہ قتل عمد کی مرتکب ہو تو اس وقت تک قتل نہ کی جائے جب تک کہ وہ بچہ کو جو کہ اس کے پیٹ میں ہے جنم نہ دے لے اور اس بچہ کی کفالت نہ ہو جائے۔

باپ بیٹے کے عوض:

احمد و نسائی کی روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے عوض باپ قتل نہ کیا جائے۔

2- فصل

زنا کی سزا کا بیان

اقبال وانکار جرم:

سنن میں سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک شخص نے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہو کر زنا کا اعتراف کیا اور عورت کا نام بتایا۔ آپ نے عورت کو طلب کیا' اس نے انکار کیا' تو آپ نے عورت کو چھوڑ دیا اور مرد کے درے لگائے۔ اس سے دو مسئلے صاف ہو گئے' ایک یہ کہ اگر عورت جھٹلا دے تو مرد پر حد جاری کر دی جائے گی' دوسرا یہ کہ صرف زنا کی حد جاری ہو گی' قذف [1] کی نہ ہو گی۔

لونڈی اور غلاموں پر حد کا اجراء:

اگر لونڈی زنا کرے تو درے لگانے کا حکم دیا ہے۔ مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''اگر کسی کی لونڈی زنا کرے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو درے لگائے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''لوگو! اپنی لونڈی غلاموں پر حد جاری کرو' عام اس سے کہ شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ' کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی لونڈی نے زنا کیا تھا اور آپ ﷺ نے مجھے اس کو درے لگانے کا حکم دیا تھا۔

---

[1] یعنی سنگسار نہ کیا جائے۔

3- فصل

شرابی کی سزا

سزا مقرر نہیں:

نبی کریم ﷺ نے شراب پینے والے کو چھڑیوں اور جوتوں سے مارنے کا حکم دیا ہے۔ اور گن کر چالیس درے بھی لگائے ہیں جس کی پیروی سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کی ہے۔ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے شارب خمر کو اسی درے لگائے تھے۔ لیکن سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ شراب پینے والے کی کوئی مقرر سزا شریعت نے نہیں بتائی۔

شرابی کا قتل:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چوتھی یا پانچویں مرتبہ میں شرابی کو آپ نے قتل کر ڈالنے کا حکم دیا ہے۔ احادیث قتل کے راویوں میں ایک سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ہیں جو فرماتے ہیں کہ ''چوتھی مرتبہ شراب پینے والے کو میرے پاس لاؤ' میں خود تمہاری طرف سے اسے قتل کر دوں گا۔''

4- فصل

متفرق اعمال

قیدی:

نبی ﷺ نے بعض قیدیوں کو قتل کیا' بعض کو احسان کر کے چھوڑ دیا' بعض سے فدیہ قبول کر لیا' بعض کو مسلمان قیدیوں کے تبادلہ میں دے دیا اور بعض کو غلام بنایا لیکن کسی بالغ قیدی کا غلام بنانا ثابت نہیں۔

مال غنیمت:

بیت المال میں داخل ہونے والے مال کی تین اقسام ہیں: ''زکوٰۃ' غنیمت' فئی۔''[1] زکوٰۃ کا مصرف ''اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ'' (التوبہ: ٦٠) والی آیت میں بتایا گیا ہے۔

مال غنیمت میں سے پانچواں حصہ بیت المال کا ہے' قرآن کریم میں ہے:

﴿وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ (الانفال: ٤١)

''سمجھ لو کہ مال غنیمت جو تمہیں ملے اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کا ہے۔''

رہے باقی چار حصے تو وہ غنیمت حاصل کرنے والوں کا حق ہے: سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ۔ سلب[2] قاتل کا حق ہے۔

دشمن سے وفاء عہد:

مسیلمہ کذاب کے قاصد آئے اور کہنے لگے کہ ''ہم مسیلمہ کو اللہ کا رسول سمجھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اگر قاصد قتل نہ کیے جاتے ہوتے تو میں تمہیں قتل کر ڈالتا۔'' احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ معاہدہ حدیبیہ کی پابندی کرتے ہوئے آپ ﷺ نے سیدنا ابو جندل رضی اللہ عنہ کو قریش کے حوالہ کر دیا تھا لیکن جب عورتیں آئیں تو ان کے دینے سے انکار کر دیا۔ چنانچہ ایک عورت سبیعۃ الاسلمیہ مسلمان ہو کر آ گئی' اس کا شوہر واپس لینے آیا۔ اس پر قرآن میں یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] فئی' اس مال غنیمت کو کہتے ہیں' جو مسلمانوں کو جنگ کے بغیر حاصل ہو۔

[2] سلب' وہ مال وہ ہتھیار ہیں جو مقتول کے پاس سے حالت قتل میں ملیں۔

﴿يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۖ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ وَاٰتُوْهُمْ مَّآ اَنْفَقُوْا﴾ (الممتحنة: ١٠)

''مسلمانو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کر کے آ جائیں تو تم ان کے ایمان کی جانچ کرو (ویسے تو) اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو بہتر جانتا ہے۔ پس اگر تم ان کو مومن سمجھ لو تو انہیں کفار کی طرف واپس نہ کرو' کیونکہ یہ عورتیں نہ ان کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں اور جو کچھ کافروں نے ان پر خرچ کیا ہے' وہ ان کو ادا کرو۔'' الخ

رسول اللہ ﷺ نے اس عورت سے قسم لی کہ صرف اسلام کی وجہ سے اس نے گھر چھوڑا ہے' خاندان میں کوئی برا کام نہیں کیا ہے اور نہ اپنے شوہر سے عداوت رکھتی ہے؟ تو اس عورت نے قسم اٹھائی' آپ ﷺ نے شوہر کو اس کا مہر واپس کر دیا اور عورت واپس نہ جانے دی۔

امان:

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''مسلمانوں کے خون برابر کے ہیں' اور ان کا ادنیٰ ترین فرد بھی امان دے سکتا ہے۔''

آپ ﷺ کی چچازاد بہن ام ہانی رضی اللہ عنہا نے دو آدمیوں کو پناہ دی اور آپ ﷺ نے ان کی پناہ قبول کر لی' اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی پناہ ان کے شوہر ابو العاص بن ربیع کے حق میں منظور کر لی اور فرمایا: ''ایک ادنیٰ مسلمان بھی پناہ دے سکتا ہے۔''

جزیہ:

نجران اور ایلہ کے باشندوں سے جزیہ لیا جو نسلاً عرب اور مذہباً عیسائی تھے۔ اہل دومۃ الجندل سے جزیہ لیا جن میں اکثر عرب تھے۔ نیز مجوسیوں اور یمن کے یہودیوں سے بھی جزیہ قبول کیا۔

سفارش:

نبی اکرم ﷺ نے سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا سے اس کے شوہر کے حق میں سفارش کی کہ تو اس کے نکاح میں ہی رہ، اس نے عرض کی: ''یہ آپ ﷺ کا حکم ہے؟'' فرمایا: ''نہیں! میں تو صرف سفارش کرتا ہوں۔'' تو سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''مجھے منظور نہیں۔'' تو نبی ﷺ اس کے اس جواب سے ذرا بھی ناراض یا رنجیدہ نہیں ہوئے۔

صدقہ خریدنا اور کھونا:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ کو منع فرمایا کہ اپنا صدقہ خریدیں اگر چہ ایک ہی درہم میں ملتا ہو لیکن آپ ﷺ نے اس گوشت میں سے تناول کیا جو سیدہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو بطور صدقہ کے ملا تھا اور جسے انہوں نے ہدیۃً آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا تو آپ ﷺ فرمایا: ''یہ بریرہ (رضی اللہ عنہا) کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے اس کی طرف سے ہدیہ ہے۔''

بیوع:

صحیحین میں ہے کہ: ''اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے شراب، مردہ جانور، سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام کر دی ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ تین قسم کی چیزوں میں تجارت حرام ہے۔ ایسے تمام عرقیات جو عقل برباد کرتے ہیں اور ایسے تمام کھانے جو مزاج بگاڑتے ہیں۔ ایسی تمام اشیاء جو دین میں فساد ڈالتی ہیں۔

باب: ۵

رسول اللہ ﷺ کے احکام

1- فصل

نکاح کے احکام

خطبہ:

احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ نکاح اور دوسرے اہم مواقع کے لئے نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ذیل کا خطبہ سکھایا تھا:

((اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِینُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْكَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقَاتِہٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَo یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّ خَلَقَ مِنْھَا زَوْجَھَا وَبَثَّ مِنْھُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّ نِسَآءً وَ اتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِہٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًاo یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًاo یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَفَوْزًا عَظِیْمًاo))

’’ہر قسم کی تعریفات اللہ تعالیٰ کے لئے ہے‘ ہم اسی کی تعریف کرتے ہیں اور اسی سے مدد مانگتے ہیں اپنے نفوس کے شر اور اپنے اعمال کی برائیوں سے اور اسی سے پناہ چاہتے ہیں۔ جسے وہ ہدایت عطا کردے تو اسے گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے وہ ہدایت سے محروم کردے اسے راہ راست دکھانے والا کوئی نہیں۔ میں شہادت دیتا ہوں کہ

اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور میں یہ بھی شہادت دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ مومنو! اللہ تعالیٰ سے ایسا ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور اسی حال میں مرو کہ تم مسلمان ہو۔" لوگو! ہم نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا' پھر ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں' اس اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو آپس میں اور ڈرو قرابت کے معاملہ میں' بلاشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے۔ مومنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ٹھیک بات کہو۔ تا کہ وہ تمہارے لئے تمہارے اعمال درست کر دے' تمہارے گناہ معاف کر دے' جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے تو بلاشک وہی عظیم الشان کامیابی حاصل کرتا ہے۔"

شعبہ کہتے ہیں میں نے ابواسحٰق سے پوچھا کیا یہ خطبہ صرف نکاح کے لئے ہے؟ کہا بلکہ سب کاموں کے لئے۔

تلقین دعا:

نبی ﷺ نے فرمایا: جب تمہیں کوئی عورت' خادم یا سواری ملے تو اس کو پیشانی سے پکڑ لو' بسم اللہ کہو' اللہ تعالیٰ سے برکت چاہو اور دعا کرو:

((اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَیْرَھَا وَخَیْرَ مَا جُبِلَتْ عَلَیْهِ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْ شَرِّھَا وَشَرِّ مَا جُبِلَتْ عَلَیْهِ))

"الٰہی! میں اس خیر کا طالب ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے اور اس شر سے پناہ مانگتا ہوں جو اس میں اور اس کی فطرت میں ہے۔"

شادی کی مبارکباد:

جب کسی کی شادی ہوتی تو اسے اس طرح مبارک باد دیتے:

((بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَیْكَ وَجَمَعَ بَیْنَكُمَا فِیْ خَیْرٍ))

"اللہ تعالیٰ تجھے خوشحال کرے' برکت دے اور تم دونوں کو بخیر و خوبی اکٹھا رکھے۔"

بیوی سے صحبت کرنے کے وقت دعا:

نبی ﷺ نے فرمایا: جب اپنی بیوی کے پاس جانے لگو تو بسم اللہ کہو اور یہ دعا پڑھا کرو۔

((بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا))

''الٰہی! ہمیں شیطان سے محفوظ رکھ اور جو کچھ تو نے ہمارے نصیب میں لکھا ہے (یعنی اولاد) اسے بھی شیطان سے محفوظ رکھ۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: اگر اس اجتماع (جماع، ہم بستری) سے بچہ پیدا ہونا مقدر ہوا ہے تو شیطان اسے ہرگز نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

نکاح کی ترغیب:

نبی کریم ﷺ نے امت کو شادی کر کے زندگی اختیار کرنے کی رغبت دلائی ہے: ''نکاح کرو کیونکہ تمہاری کثرت سے میں قوموں پر فخر کروں گا۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں خود نکاح کرتا ہوں، جو کوئی میری سنت سے مونہہ موڑے تو وہ میری جماعت سے نہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نوجوانو! جو تم میں سے نکاح کر سکتا ہے تو وہ نکاح کرے، کیونکہ نکاح، نظر اور نفس دونوں کو محفوظ رکھتا ہے اور جسے اس کی طاقت نہ ہو تو اسے چاہیے کہ وہ روزے رکھے کیونکہ روزہ اس کے لئے روک ہے۔'' رحمت للعالمین ﷺ نے فرمایا: ''دنیا سراسر عیش ہے اور دنیا کا سب سے بڑا عیش صالحہ بیوی ہے۔''

نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا گیا کہ سب سے بہتر عورت کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''وہ جو اپنے شوہر کی نظر میں بھلی ہو، اس کے حکم کی تعمیل کرتی ہو اور اپنے مال و نفس میں اس کی مرضی کے خلاف کچھ نہ کرتی ہو۔''

نبی ﷺ نے فرمایا کہ عورت سے شادی یا تو اس کے مال کی وجہ سے کی جاتی ہے، یا عزت کی وجہ سے، یا دین کی وجہ سے، تم دیندار بیوی پا کر بازی لے جاؤ۔'' (بخاری و مسلم) نبی ﷺ کا دستور تھا کہ آپ اولاد پیدا کرنے والی عورتوں سے نکاح کرنے کی ترغیب دیتے اور بانجھ عورتوں کو ناپسند کرتے تھے۔

عورت کی اجازت:

سیدہ خنساء بنت جذام رضی اللہ عنہا کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے خلاف کر دیا تھا' وہ بالغ اور بیوہ تھی' اس نے آ کر نبی ﷺ سے شکایت کی' تو آپ نے یہ نکاح باطل کر دیا۔ (بخاری' مسلم)

سنن میں ہے کہ ایک دوشیزہ کی شادی باپ نے خلاف مرضی کر دی وہ حاضر ہوئی' تو نبی ﷺ نے اسے اختیار دیا کہ وہ چاہے تو نکاح رکھے یا رد کر دے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''بالغ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہ کیا جائے اور اس کی اجازت خاموشی ہے۔'' آپ ﷺ نے عملاً فیصلہ بھی اسی طرح کیا کہ بالغ باکرہ کی اجازت اس کی خاموشی قرار دی اور بیوہ کی اجازت' اس کا زبان سے اقرار کرنا ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا کہ یتیم لڑکی کا عقد بغیر اس کی اجازت نہ کیا جائے' اگر وہ خاموش رہے تو یہ اس کی اجازت ہے' اور اگر انکار کرے تو اسے مجبور نہ کیا جائے۔

ولی کی اجازت:

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی عورت بغیر اپنے ولی کی اجازت کے خود نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے' اگر شوہر سے مقاربت ہو گئی تو مہر کی مستحق ہو گی' اگر آپس میں جھگڑا ہو تو جس کا کوئی ولی نہیں حاکم اس کا ولی ہے۔'' (ترمذی)

صحیح احادیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ولی کے بغیر نکاح نہیں۔'' اور فرمایا کہ ''عورت' عورت کا نکاح نہ کرے' اور نہ خود عورت اپنا نکاح کرے' کیونکہ اپنا نکاح خود کرنے والی زانیہ ہے۔''

مہر کی تعیین:

صحیح مسلم میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج کو ۱۲ اوقیہ مہر دیا تھا۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میرے علم میں نبی اکرم ﷺ نے ۱۲ اوقیہ[1] سے زائد مہر نہ اپنی ازواج کو دیا اور نہ اپنی لڑکیوں کو دلایا۔

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص شادی کی فکر میں تھا' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کچھ لاؤ اگرچہ

---

[1] آدھ سیر سے کچھ کم۔

لوہے کی ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو" لیکن جب اسے اتنا بھی میسر نہ ہوا تو آپ نے فرمایا: "اچھا تجھے کچھ قرآن یاد ہے؟" اس نے کہا ہاں فلاں فلاں سورتیں یاد ہیں چنانچہ انہی سورتوں کے یاد کرا دینے کو مہر قرار دے کر آپ ﷺ نے اس کا نکاح کر دیا۔

مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "سب سے زیادہ برکت اس نکاح میں ہوتی ہے جس میں سب سے کم زیر باری ہو۔" ❶

ایک شخص نے بغیر مہر مقرر کئے نکاح کر لیا اور خلوت سے پہلے مر گیا تو نبی ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ عورت کو اس کی ہمعصر عورتوں کے برابر مہر دیا جائے میراث دی جائے اور وہ خود چار ماہ دس دن عدت بیٹھے۔

ترمذی میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک شخص سے دریافت کیا: "کیا تم پسند کرو گے اگر تمہاری شادی فلاں عورت سے کر دوں؟" اس نے کہا ہاں! پھر آپ نے اس عورت سے پوچھا: کیا تو پسند کرے گی کہ تجھے فلاں شخص سے بیاہ دوں؟ اس نے بھی رضامندی ظاہر کی چنانچہ دونوں کا عقد کر دیا دونوں میں خلوت بھی ہوئی مگر کوئی مہر مقرر نہ کیا گیا تھا۔ لیکن جب آپ ﷺ کا وصال ہونے لگا تو آپ ﷺ نے خیبر کے حصوں میں سے ایک حصہ عورت کو مہر کے عوض دے دیا۔

حاملہ سے نکاح:

کتب سنن میں سیدنا بصرہ بن اکثم رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نے ایک بیوہ سے نکاح کیا خلوت پر معلوم ہوا کہ وہ حاملہ ہے میں یہ معاملہ نبی ﷺ کے پاس لے گیا، تو آپ نے فیصلہ کیا کہ چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے اس کا مہر ادا کر دو پھر آپ نے ہم دونوں میں جدائی کرا دی اور بچہ کی ولادت کے بعد اس عورت کو درے لگائے۔

شرائط نکاح:

صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: "جو شرائط سب سے زیادہ پوری کرنے کی ہیں وہ وہ شرائط ہیں جن پر تم اپنے لئے عورتوں کو جائز کرتے ہو۔"

❶ ہندوستان میں زیادہ مہر مقرر کرنے کا رواج بہت عام ہے لوگ لاکھوں روپیہ کا مہر باندھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ لینا دینا تو ہے نہیں پھر زیادہ مہر سے گھبرائیں کیوں؟ یہ طریقہ نکاح کو فاسد کر ڈالنے والا ہے اگر یہ نہ کہا جائے تو اسے سخت مکروہ تو ضرور بنا دیتا ہے اکثر دیکھا جاتا ہے کہ ایسی شادیوں میں برکت نہیں ہوتی۔ (مترجم)

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنی بہن کی طلاق طلب کر کے خود اس کی جگہ چلی جائے کیونکہ اس کے لئے وہ ہے جو اس کی قسمت میں تھا۔''

صحیحین میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''کوئی عورت نکاح میں اپنی بہن ❶ کی طلاق بطور شرط نہ رکھے۔'' مسند امام احمد میں ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: ''یہ حلال نہیں کہ ایک عورت کی طلاق دوسری کے نکاح کی شرط ہو۔''

شغار:

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اسلام میں شغار نہیں۔''

شغار یہ ہے کہ بلا مہر کے دو شخص ایک دوسرے کو اپنی اپنی لڑکیاں بیاہ دیں۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ شغار یہ ہے کہ باہم ایک دوسرے سے کہیں کہ تم اپنی لڑکی مجھے دو اور میں اپنی تمہیں دیتا ہوں، تم اپنی بہن مجھے دو اور میں اپنی بہن تمہیں دیتا ہوں۔''

تحلیل: ❷

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مُحَلِّلْ اور مُحَلَّلْ لَهٗ دونوں پر

---

❶ یہاں بہن سے مراد حقیقی بہن نہیں کیونکہ ایک بہن کی موجودگی میں دوسری بہن کا عقد ہو ہی نہیں سکتا، بلکہ بہن کے لفظ سے مراد ہر عورت ہے جیسا کہ آگے کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ (مترجم)

❷ ''تحلیل'' یہ ہے کہ مطلقہ عورت سے اس لئے نکاح کیا جائے کہ وہ پھر اپنے قدیم شوہر کے لئے جائز ہو جائے، حالانکہ ایسا کرنا حرام ہے، قرآن میں ہے "حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ" یعنی طلاق دینے والے کے لئے وہ مطلقاً جائز نہیں یہاں تک کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں جائے۔ اس سے مقصود یہ تھا کہ جب کبھی یہ دوسرا مرد طلاق دے دے تو پھر پہلے شوہر کے لئے دوبارہ نکاح کرنا جائز ہوگا۔ مگر علماء سوء نے یہ حیلہ نکالا کہ رات بھر کے لئے مطلقہ کا نکاح کسی دوسرے مرد سے کر دیتے ہیں اور وہ صبح کو طلاق دے دیتا ہے جس کے بعد وہ پہلے خاوند کی پھر بیوی بن جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ یہ دوسرا عقد محض لفظی ہوتا ہے اور خلوت کی نوبت ہی نہیں آتی ظاہر ہے یہ تلاعب بالدین (دین کے ساتھ کھیل کی) صورت ہے، مصر میں اس کا بہت رواج ہے، خود بہت سے علماء ایسا کرتے ہیں، تحلیل کی باقاعدہ ''ایجنسیاں'' بنی ہوئی ہیں جن میں جامع ازہر کے بہت سے طلباء یہ پیشہ کرتے ہیں! ہندوستان میں بھی کم وبیش اس کا رواج موجود ہے، معلوم ہوا ہے کہ بنگال کے ایک مشہور سن رسیدہ پیر نے اسی نیت سے اپنے ایک مرید کی مطلقہ سے نکاح کر لیا تھا، پھر جب دیکھا کہ وہ عورت خوبصورت ہے تو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ غریب مرید سر پیٹ کر رہ گیا۔ ''محلل'' اسے کہتے ہیں جو تحلیل کرتا ہے اور ''محلل لہ'' وہ ہے جس کے واسطے تحلیل کی جائے یعنی مطلق اور مطلقہ۔ (مترجم)

لعنت کی ہے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ فرمایا: ''کیا میں تمہیں مانگے (کرائے پر لیے) ہوئے بکرے کا حال نہ بتاؤں؟'' صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا اللہ کے رسول ضرور فرمایئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''مانگا ہوا بکرا محلل ہے' اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو محلل اور محلل لہ دونوں پر۔''

نکاح محرم:

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حالت احرام میں محرم نہ اپنا نکاح کرے اور نہ ہی وہ دوسروں کا نکاح کرائے۔''

چار عورتوں سے زائد:

ترمذی میں ہے کہ غیلان جب اسلام لایا تو اس کے پاس دس بیویاں تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ ''چار رکھ کر باقی سب کو علیحدہ (طلاق دے دو) کر دو۔''

فیروز دیلمی جب اسلام لایا تو اس کے تصرف میں دو بہنیں تھیں' نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ ''دونوں میں سے جسے چاہو رکھ لو۔''

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاح میں عورت (بیوی) کے ساتھ اس کی پھوپھی خالہ اور لڑکی کے جمع کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

میاں بیوی میں سے اگر کوئی اسلام لے آئے:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے یہ ثابت نہیں کہ اگر زوجین میں سے کوئی ایک پہلے اسلام قبول کر لے اور دوسرا بعد میں تو نکاح کی تجدید کی جائے' یہ نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ رضی اللہ عنہم سے بلکہ آپ کا عمل اس کے خلاف بتحقیق ثابت ہے' جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی سیدہ زینب (رضی اللہ عنہا) کے واقعہ میں ہوا جو شروع بعثت میں اسلام لے آئیں تھیں' اور جن کے شوہر پورے ۱۸ سال بعد مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلا تجدید نکاح سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ان کے حوالہ کر دیا۔ بعض راویوں نے اس باب میں بھی ٹھوکر کھائی ہے اور کہہ دیا ہے کہ دونوں کے اسلام کے مابین چھ سال کی مدت تھی' حالانکہ یہ صریح غلطی ہے' البتہ چھ سال کی مدت دونوں کی ہجرت کے مابین تھی۔

بیویوں کے درمیان دنوں کی تقسیم:

صحیحین میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نکاح کے بعد شوہر کو باکرہ (کنواری) کے پاس مسلسل سات دن رہنا چاہیے اور ثیبہ (بیوہ) کے پاس تین دن' پھر اس کے بعد اپنی بیویوں کے مابین دنوں کی تقسیم شروع کر دے۔

نکاح میں کفو کی شرط:

ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تمہیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسند کرتے ہو تو چاہیے اس سے (اپنی بیٹی' بہن کا) نکاح کر دو' اگر تم ایسا نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ وفساد پھیلے گا۔''

بنی بیاضہ سے فرمایا تھا: ''ابو ہند سے شادی بیاہ کا رشتہ جوڑو۔'' حالانکہ وہ فصد کھولنے کا پیشہ کرتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پھوپھی زاد بہن سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا جو کہ غلام تھے۔ اسی طرح سیدہ فاطمہ بنت قیس الفہریہ رضی اللہ عنہا کا نکاح سیدنا اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا تھا جو کہ غلام زادہ تھے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ سیدنا عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ قرشی کی بہن' کی سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے شادی کر دی تھی جو ایک زرخرید حبشی غلام تھے۔

اگر عورت یا مرد میں عیب ہو؟

مسند احمد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غفاری عورت سے عقد کیا' جب خلوت میں گئے تو اس کے پہلو میں سفیدی نظر آئی' آپ فوراً علیحدہ ہو گئے اور مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لیا' موطا میں سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے: ''جو کوئی ترغیب دلا کر کسی کا نکاح ایسی عورت سے کرا دے جو مجنون ہو یا جذام یا برص کی بیماری میں مبتلا ہو تو خلوت ہو جانے کی صورت میں عورت کو مہر مل جائے گا اور مہر کی یہ رقم ترغیب دینے والے سے وصول کی جائے گی۔''

سنن ابوداؤد میں ہے کہ عبد یزید سیدنا ابو رکانہ رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سیدہ ام رکانہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی اور قبیلہ مزینہ کی ایک عورت سے شادی کی۔ عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

شکایت کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! اس کا میرے ساتھ تعلق ایسا ہے جیسے یہ بال! (اور اپنے سر کی ایک لٹ لے کر دکھائی) لہٰذا میرے اور اس کے درمیان جدائی کرا دیجئے۔'' آپ ﷺ نے سیدنا ابورکانہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''اسے طلاق دے دو۔''

ابن سیرین کی روایت ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو تحصیلداری پر بھیجا' اس نے ایک عورت سے عقد کیا' اس شخص کے اولاد نہ ہوتی تھی' سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے کہا' کیا تم نے عورت سے اپنا حال بتا دیا تھا؟ اس نے کہا نہیں' آپ نے فرمایا: اسے بتاؤ اور اسے اختیار دے دو کہ وہ تمہارے ساتھ رہے یا الگ ہو جائے۔

زن وشوہر کے مابین کام کی تقسیم:

ابن حبیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے مابین کام کاج کی تقسیم اس طرح کی تھی کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا گھر کے اندر کا سب کام کریں اور سیدنا علی رضی اللہ عنہ گھر کے باہر کا۔ سیدہ اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ''میں سیدنا زبیر رضی اللہ عنہ (اپنے شوہر) کے گھر کا سب کام کیا کرتی تھی' ان کے پاس ایک گھوڑا بھی تھا' میں اس کی مالش وغیرہ کرتی اور چارہ پانی دیا کرتی تھی۔ گھر میں ڈول سیتی تھی' پانی پلاتی تھی اور تین فرسخ پر ان کے نخلستان سے کھجور کا بوجھ سر پر رکھ کر لایا کرتی تھی۔''

❁❁❁❁

2- فصل

طلاق کا بیان

طلاق الغضبان:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''غصہ میں طلاق نہیں ہوتی۔'' اور فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کو اس کے دل کے خیالات میں معاف کیا ہے یہاں تک کہ وہ بات کو مونہہ پر لائے یا وہ عمل کرے۔''

نبی ﷺ نے فرمایا: ''عمل کا اعتبار نیت سے ہوتا ہے۔'' اور آپ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے میری امت کے لئے اس کی بھول چوک اور غلطی معاف کر دی ہے اور جو کام اس سے جبراً کرایا جائے (وہ بھی)۔''

حالت حیض میں طلاق:

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی، سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا تو آپ نے فرمایا کہ ''اسے کہو رجوع کر لے، یہاں تک کہ وہ پاک ہو پھر حیض آئے اور پھر پاک ہو، اس کے بعد چاہے اسے رکھے یا خلوت سے پہلے طلاق دے دیں، یہی وہ میعاد ہے جو اللہ تعالیٰ نے طلاق کے لئے مقرر کی ہے۔''

مسند احمد رحمہ اللہ اور ابوداؤد ونسائی میں ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دے دی۔ نبی ﷺ نے انہیں رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ ''جب پاک ہو جائے خواہ طلاق دے دینا یا رکھ لینا۔''

طلاق کے طریقے:

طلاق کے چار طریقے ہیں: دو حلال ہیں اور دو حرام۔ حلال طریقے یہ ہیں کہ: ''حالت طہر میں بغیر خلوت کے طلاق دے یا حمل کے اچھی طرح ظاہر ہونے کے بعد دے۔'' حرام حالت یہ ہیں کہ: حالت حیض میں طلاق دے یا حالت طہر میں خلوت کے بعد۔'' یہ حکم ان عورتوں کے متعلق

ہے جو تصرف میں آ چکی ہوں' لیکن جن کے ساتھ سرے سے خلوت ہی نہیں ہوئی' انہیں حالت حیض وطہر ہر حال میں طلاق دی جا سکتی ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً﴾ (البقرة: ٢٣٦)

''تم پر کوئی گناہ نہیں اگر ہاتھ لگانے یا مہر مقرر کرنے سے پہلے عورتوں کو طلاق دے دو۔''

اور فرمایا:

﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا﴾ (الاحزاب: ٤٩)

''مومنو! جب تم عورتوں سے نکاح کرو اور اگر انہیں ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دو تو تمہیں حق نہیں کہ ان کو عدت بٹھاؤ اور گنتی پوری کراؤ۔ (یعنی ان پر کوئی عدت نہیں)''

بیک دفعہ تین طلاق:

نبی اکرم ﷺ کو معلوم ہوا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو بیک دفعہ تین طلاقیں دے دی ہیں' آپ نہایت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ ''میں ابھی تمہارے مابین زندہ موجود ہوں اور تم لوگ کتاب اللہ سے کھیل کرنے لگے۔''

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا تعزیری حکم:

مسلم کی روایت میں ہے کہ عہد نبوی ﷺ' خلافت صدیقی اور دو سال آغاز خلافت عمر رضی اللہ عنہ میں طلاق ایک ایک کر کے ہوتی تھی' لیکن سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کی حالت دیکھ کر کہا' انہوں نے اس معاملہ میں بڑی بے باکی اختیار کر رکھی ہے حالانکہ اس میں غور و فکر کا حکم دیا گیا تھا' ہم ایسی طلاق کو نافذ کئے دیتے ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو دیکھا کہ بیک دفعہ تین طلاقیں دینے میں بہت پیش قدمی کرنے لگے ہیں تو اس قسم کی طلاق کو نافذ[1] کر دیا۔

---

[1] سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے یہ محض تعزیراً کیا تھا جس کا امام کو حق ہے' تعزیری احکام ہمیشہ موقت (وقتی) ہوتے ہیں اور ضرورت کے رفع ہو جانے کے بعد قانون اپنی اصلی حالت پر آ جاتا ہے۔ تعجب ہے اصحاب فقہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ حکم لے کر بیٹھ گئے ہیں اور اب تک اسے نافذ کرتے ہیں حالانکہ اب اس کی ضرورت نہیں خصوصاً ⇦⇦⇦

ایک وقت میں صرف ایک طلاق:

مسند احمد میں ہے کہ ''سیدنا رکانہ بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو ایک ہی مجلس میں تین طلاقیں دے ڈالیں' پھر بہت پشیمان ہوئے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی' تو آپ نے فرمایا ''تو نے کس طرح طلاق دی ہے؟'' کہا تین طلاقیں۔ آپ نے فرمایا: ''ایک ہی مجلس میں؟'' کہا ہاں' فرمایا: ''تجھے ایک وقت میں صرف ایک ہی مرتبہ طلاق دینے کا اختیار تھا' جی چاہے تو رجوع کر لے' چنانچہ انہوں نے رجوع کر لیا۔

ایک اور تین طلاق کا واضح فرق:

غور کیجئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''صرف ایک مرتبہ طلاق دینے کا اختیار ہے اس لئے کہ جو چیز یکے بعد دیگرے کرنے کی ہے اسے بیک دفعہ کر دینے کا اختیار نہیں۔

مثلاً لعان میں اگر کوئی ایک دفعہ اس طرح کہہ دے کہ میں چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کو حاضر کر کے کہتا ہوں کہ میں سچا ہوں' تو اس کا یہ کہنا صرف ایک مرتبہ شمار ہوگا' چار مرتبہ نہیں۔

یا مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نماز کے بعد ۳۳' ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ وغیرہ پڑھنے کا حکم دیا ہے اگر کوئی اس طرح کہے کہ میں ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ کہتا ہوں تو کیا اس کا شمار ۳۳ مرتبہ ہو جائے گا؟ ظاہر ہے کہ نہیں۔

اسی طرح جب طلاق کے لئے یہ حکم ہے کہ تین اوقات میں ایک ایک کر کے دی جائے تو بیک دفعہ تین تین طلاقیں دے دینا' تین پر محمول نہ کیا جائے گا' بلکہ اس کا حکم ایک طلاق کا ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ:

سیدنا عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مومن عورت

⇦⇦ ہندوستان میں۔ علماء کا فرض ہے کہ طلاق جیسے اہم معاملہ میں کتاب اللہ کو قائم کریں۔ اکثر یہ ہوتا ہے کہ غصہ میں لوگوں کے مونہہ سے تین طلاقیں نکل جاتی ہیں۔ جس کے بعد سخت شرمندہ ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت نبوی دونوں ناطق ہیں کہ اس قسم کی طلاق طلاق بائن نہیں ہو سکتی۔ لیکن ہمارے علماء فوراً زن و شوہر کو جدا کرا دیتے ہیں اور اپنی تقلید کے لئے سینکڑوں گھروں کی خرابی کا باعث بنتے ہیں' اگر علماء نہیں تو عام مسلمانوں کو چاہیے کہ کتاب اللہ پر عمل کریں اور حکم شرعی معلوم ہو جانے کے بعد مولویوں کے غلط فتوے کی پرواہ نہ کریں۔ (مترجم)

دعویٰ کرے کہ شوہر نے اسے طلاق دے دی ہے' پھر ایک شاہد عادل پیش کرے تو شوہر سے قسم لینا چاہیے' اگر وہ قسم اٹھالے کہ طلاق نہیں دی تو عورت کا دعویٰ باطل ہو جائے گا۔ لیکن اگر قسم نہ اٹھائے تو اس کا یہ انکار دوسرے گواہ کے قائم مقام ہو جائے گا اور طلاق واقع ہو جائے گی۔

ظہار: ❶

سیدنا اوس بن صامت رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا سے ظہار کیا۔ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور بڑی دلیری سے گفتگو کی کہ اے اللہ کے رسول! اوس نے مجھ سے اس وقت رشتہ جوڑا جب میں جوان اور خوبصورت تھی اور ہر شخص میری طرف میلان رکھتا تھا لیکن اب جب کہ میں بوڑھی ہوگئی اور پیٹ اولاد سے خالی ہو گیا تو مجھے اپنی ماں کی جگہ بتاتا ہے۔" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر فرمایا: "تمہارے معاملہ میں میرے پاس کوئی حکم نہیں ہے۔" اس پر وہ مایوس ہو کر کہنے لگیں الٰہی! اب تجھ سے میرا شکوہ ہے۔" ایک روایت میں ہے کہ سیدہ خولہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی کہا تھا کہ "میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں' اگر باپ کے پاس رہیں گے تو خراب ہوں گے' میرے پاس رہیں گے تو بھوکے مریں گے۔"

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ واقعہ بیان کرتی ہیں: "ہر قسم کی تعریف اس اللہ کے لیے ہے جو سب کی صدائیں سنتا ہے' سیدہ خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنے خاوند کی شکایت لے کر آئی' میں گھر کے ایک گوشہ میں بیٹھی تھی اور کچھ کچھ باتیں سن رہی تھی' اس کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّتِیْ تُجَادِلُكَ فِیْ زَوْجِهَا وَتَشْتَكِیْۤ اِلَی اللّٰهِ﴾ (المجادلہ: ۱)

"اللہ تعالیٰ نے اس عورت کی گفتگو سن لی (جو اے نبی تم سے) اپنے شوہر کے بارہ میں بحث کرتی اور اللہ تعالیٰ سے شکایت کرتی تھی۔"

اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اب تیرے شوہر کو ایک غلام آزاد کر کے کفارہ ادا کرنا چاہیے۔" انہوں نے کہا "اس میں اتنی طاقت نہیں" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "دو ماہ کے مسلسل

❶ ظہار یہ ہے کہ شوہر عورت سے کہے تُو میری ماں کی جگہ ہے۔

روزے رکھے۔'' انہوں کہا کہ ''وہ بہت بوڑھا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''اچھا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا دے۔'' انہوں نے کہا کہ ''ان کو اس کی بھی استطاعت نہیں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں ایک ٹوکرا دے کر اس کی مدد کروں گا۔'' آپ سے اس نے کہا: ''میں بھی ایک ٹوکرے سے مدد کروں گی۔'' فرمایا: ''شاباش جاؤ ساٹھ مسکینوں کو کھلاؤ اور اپنے ابن عم کے ساتھ رہنے سہنے لگو۔''

ایلاء:❶

بخاری میں ہے کہ جس دور میں رسول اللہ ﷺ کی ٹانگ میں چوٹ آ گئی تھی' آپ ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے ایلاء کیا تھا۔ چنانچہ ۲۹ دن علیحدہ بالا خانہ میں رہنے کے بعد گھر جانے کے لیے نیچے اترے لوگوں نے عرض کی: ''اے اللہ کے رسول! آپ نے تو مہینہ بھر کا ایلاء کیا ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''مہینہ کبھی ۲۹ دن کا بھی ہوتا ہے۔'' قرآن میں ہے:

﴿لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآءِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○﴾ (البقرۃ: ۲۲۶-۲۲۷)

''جو لوگ اپنی عورتوں سے ایلاء کریں' عورتیں چار مہینے انتظار کریں گی' جس کے بعد اگر شوہر رجوع کر لیں تو اللہ تعالیٰ مغفرت اور رحم کرنے والا ہے لیکن اگر وہ طلاق کا عزم کر لیں تو اللہ تعالیٰ سمیع و علیم ہے۔''

اولاد کا والدین کے مشابہ نہ ہونا:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! میری بیوی نے کالے لڑکے کو جنم دیا ہے۔'' اس سے اس کی مراد یہ تھی کہ یہ لڑکا میرا نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''تیرے پاس کچھ اونٹ ہیں؟'' کہنے لگا ''ہیں'' آپ نے فرمایا: ''کس رنگ کے ہیں؟'' کہا ''سرخ رنگ کے ہیں۔'' آپ نے فرمایا: ''ان میں کوئی بھورا بچہ بھی ہے؟'' کہا ''ایک ہے'' فرمایا: تو یہ بھورا اونٹ کہاں سے آ گیا؟'' وہ کہنے لگا ''شاید نسل میں کوئی

---

❶ ایلاء کے معنی یہ ہیں کہ انسان بیوی کے پاس ایک معینہ زمانہ تک نہ جانے کا ارادہ کر لے۔ (مترجم)

سیاہ اونٹ ہوگا جس پر پڑا ہے۔'' آپ نے فرمایا: ''تو اسی طرح شاید تمہارے خاندان میں کوئی کالا آدمی ہوگا جس پر لڑکا پڑا ہے۔''

طلاق کے بعد بچہ کس کے پاس رہے؟

ابوداؤد میں ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی: ''اے اللہ کے رسول ﷺ! یہ میرا بچہ ہے' میرا پیٹ اس کے لئے برتن تھا' میری چھاتی اسے سیراب کرتی تھی اور میری گود اس کے لئے گہوارہ تھی' اب اس کے باپ نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اسے مجھ سے چھننا چاہتا ہے۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب تک تو دوسرا عقد نہ کرے' تو اس کی زیادہ مستحق ہے۔''

حدیث میں ہے کہ ایک لڑکے کو آپ ﷺ نے اختیار دیا تھا کہ چاہے باپ کے پاس رہے' چاہے ماں کے پاس۔

فصل - 3

عورت کا نان نفقہ

عرف عام:

عورت کو کتنا نان نفقہ دیا جائے؟ اس کے متعلق کوئی واضح حکم نہیں، بلکہ اسے عرف عام کے حوالہ کر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ نبی ﷺ نے وفات سے چند ماہ پہلے حجۃ الوداع کے عظیم الشان مجمع میں فرمایا تھا: ''عورتوں کے بارہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، کیونکہ تم نے انہیں اللہ تعالیٰ کی ضمانت پر لیا اور اس کے نام پر اپنے لئے جائز کیا ہے، تمہارے ذمہ ان کا اچھا نان نفقہ ہے۔'' صحیحین میں ہے کہ سیدنا ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی سیدہ ہندہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم ﷺ سے شکایت کی کہ ''ابوسفیان (رضی اللہ عنہ) بخیل آدمی ہے اور اتنا خرچ نہیں دیتا کہ جو مجھے اور میری اولاد کے لئے کافی ہو، تو کیا میں اس کی لاعلمی میں اس کے مال سے کچھ لے لیا کروں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''خیر خواہی کے ساتھ ضرورت بھر کا لے لیا کرو۔''

نان نفقہ نہ ہو تو طلاق دے دو:

دار قطنی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کے پاس اپنی بیوی کے لئے نان نفقہ نہ ہو۔ تو وہ اسے طلاق دے دے۔ ابوالزناد کی روایت ہے کہ میں نے سعید بن میتب سے پوچھا: ''جس کے پاس نان نفقہ نہ ہو تو کیا وہ اپنی بیوی سے جدا کر دیا جائے گا؟'' کہا ''ہاں'' میں نے کہا: ''کیا یہ سنت ہے؟'' کہا: ''ہاں یہ سنت ہے۔''

طلاق بائن میں نفقہ:

مسلم وغیرہ میں ہے کہ سیدہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو جب ان کے شوہر نے طلاق بائن دے دی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس سے نان نفقہ اور گھر کا مطالبہ کیا، تو خود ان

کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے نان نفقہ اور گھر نہیں دلایا بلکہ سیدنا ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے مکان میں جا کر عدت بیٹھنے کا حکم دیا (جو نابینا تھے اور انہیں دیکھ نہ سکتے تھے)۔

نسائی نے بھی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا قصہ روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''نفقہ اور گھر اس عورت کے لئے ہے جس کے شوہر کو رجوع کرنے کا حق باقی رہے۔ اس کی مصلحت قرآن میں یہ بتائی گئی ہے: ﴿لَعَلَّ اللّٰهَ يُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا﴾ (الطلاق: ۱) ''شاید اس کے بعد اللہ تعالیٰ (یعنی طلاق کے بعد) کوئی خاص بات پیدا کر دے'' (یعنی شاید میاں بیوی میں صلح ہو جائے) سورۂ طلاق کی ابتدائی آیات میں ہے کہ طلاق رجعی کی حالت میں نہ شوہر بیوی کو گھر سے نکالے اور نہ بیوی خود گھر سے نکلے کیونکہ شاید باہم صلح ہو جائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگر طلاق بائن ہو جائے یا صلح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو عورت گھر میں نہ رہے۔ یہی مذہب علماء سلف کا ہے۔

نفقۃ الاقارب:

ابوداؤد کی روایت ہے کہ ایک شخص نے نبی ﷺ سے دریافت کیا کہ ''میں کس سے سلوک کروں؟'' آپ نے فرمایا: ''اپنی ماں سے باپ سے بہن سے بھائی سے اپنے قریبی چچازاد بھائی (یا غلام) سے یہ ایک حق ہے جس کا ادا کرنا واجب اور قرابتداری کا فرض ہے۔''

نسائی میں ہے، نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''دینے والا ہاتھ اونچا ہے سب سے پہلے انہیں دو جن کا نفقہ تمہارے ذمہ ہے مثلاً تمہاری ماں' باپ' بہن' بھائی' پھر وہ جو تمہارے زیادہ قریبی ہیں۔''

ابوداؤد میں ہے: کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''سب سے اچھا کھانا وہ ہے جو تمہاری اپنی کمائی کا ہو تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے لہٰذا دل کے چین کے ساتھ اپنی اولاد کا مال کھاؤ پیو۔''

❁❁❁❁

4- فصل

رضاعت

صحیحین میں ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ولادت کی بنا پر جتنے رشتوں میں نکاح حرام ہے اتنے ہی رشتوں میں رضاعت کی بنا پر بھی حرام ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خواہش کی گئی کہ سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی لڑکی کو زوجیت میں قبول کرلیں، تو آپ نے جواب دیا: ''وہ میرے لئے جائز نہیں کیونکہ میرے دودھ شریک بھائی کی لڑکی ہے، جو کچھ نسب سے حرام ہے وہی رضاعت سے بھی (حرام ہے)۔'' ابوداؤد میں ہے کہ ''رضاعت وہی معتبر ہے جو گوشت پیدا کرے اور ہڈی بڑھائے۔''[1]

[1] اس سے ثابت ہوا کہ رضاعت میں ایک دو قطرے یا ایک دو گھونٹ دودھ پینا معتبر نہیں جیسا کہ جہلاء خیال کرتے ہیں۔

5- فصل

عدت

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں عدت کو تفصیل بتایا ہے اور اس کی چار صورتیں قرار دی ہیں:

(۱) حاملہ کی عدت' وضع حمل ہے' عام اس سے کہ اسے طلاق بائن دی گئی ہو' یا رجعی یا اس کا شوہر فوت ہو گیا ہو۔ فرمایا:

﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق: ٤)

''حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل ہے۔''

جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہی مسلک ہے' حتیٰ کہ اگر شوہر کے دفن سے پہلے ہی وضع حمل ہو جائے تو بھی عدت پوری ہو گئی جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کا فتویٰ موجود ہے۔

(۲) حیض والی مطلقہ کی عدت' تین طہر ہیں۔ فرمایا:

﴿وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوْءٍ﴾ (البقرة: ٢٢٩)

''طلاق والی عورتیں تین حیض تک انتظار کریں۔''

(۳) اس مطلقہ کی عدت جسے حیض نہیں آتا (عام اس سے کہ یہ کم سنی کی وجہ سے ہو یا کبر سنی کی وجہ سے) تین ماہ ہیں۔ فرمایا:

﴿وَالّٰٓئِىْ يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيْضِ مِنْ نِّسَآئِكُمْ اِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ اَشْهُرٍ وَّالّٰٓئِىْ لَمْ يَحِضْنَ﴾ (٦٥: ٤)

''جو عورتیں حیض سے مایوس ہیں اور جنہیں حیض نہیں آتا' ان کی عدت تین ماہ ہے۔''

(۴) بیوہ کی عدت چار ماہ دس دن ہے۔ فرمایا:

﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ (البقرة: ٢٣٤)

''جن عورتوں کے شوہر مر جائیں وہ چار ماہ اور دس دن انتظار کریں۔''

یہ حکم ان بیواؤں کا ہے جو حاملہ نہ ہوں کیونکہ حاملہ کا حکم دوسرا ہے' جس کی عدت بہر حال وضع حمل ہے' عام اس سے کہ وضع حمل عدت کے اندر ہو جائے یا بعد تک قائم رہے۔

باب : ٦

حفظِ صحت اور حالتِ مرض

اقسام مرض:

مرض دو قسم کا ہوتا ہے: مرضِ قلب اور مرضِ بدن۔ قرآن میں ان دونوں اقسام کے بڑے بڑے امراض اور طرق علاج کی طرف اشارے موجود ہیں۔

قلب کی بیماریوں کے علاج سے شفا ہو سکتی ہے۔ عوارض جسم کی بھی دو اقسام ہیں: ایک قسم ان عوارض کی ہے جو فطری ہیں اور ان کا علاج بھی فطرت نے ہر ذی روح کو سکھا دیا ہے، مثلاً بھوک، پیاس، گرمی، سردی وغیرہ۔ دوسری قسم ایسے عوارض کی ہے جو اسباب خارجیہ سے لاحق ہو جاتے ہیں اور ان کے علاج میں غور و فکر اور علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

علاج کی تلقین:

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ ''ہر بیماری کے لئے دوا ہے اگر دوا لگ گئی تو مریض حکم الٰہی سے شفا پا جاتا ہے۔'' صحیحین میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو۔''

مسند میں سیدنا اسامہ بن شریک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا کہ کچھ بدو آئے انہوں نے کہا اے اللہ کے رسول! کیا ہمیں علاج کرنا چاہیے؟ آپ نے فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ کے بندو! دوا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو، سوائے ایک بیماری کے کہ جس کی کوئی دوا نہیں، انہوں نے کہا: ''وہ کونسی بیماری ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''بڑھاپا۔''

ایک حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس

کی دوا بھی نہ اتاری ہو' جسے معلوم ہوگئی سو معلوم ہوگئی' جسے معلوم نہ ہوئی سو اسے معلوم نہ ہوئی۔''

علاج بھی تقدیر الٰہی ہے:

سنن میں سیدنا ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ''اے اللہ کے رسول! جھاڑ پھونک' دوا اور بیماری سے بچنے کی دوسری تدابیر کے بارہ میں آپ کی رائے کیا ہے؟ کیا ان سے اللہ تعالیٰ کی مقدر کی ہوئی تقدیر ٹل سکتی ہے؟ آپ نے فرمایا: ''یہ بھی تو اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے۔'' ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ ایک بیمار کی عیادت کو تشریف لے گئے اور فرمایا: ''کسی طبیب کو بلاؤ'' ایک شخص کہنے لگا ''اے اللہ کے رسول! کیا آپ بھی ایسا کرتے ہیں؟'' آپ نے فرمایا: ''ہاں اللہ تعالیٰ نے ایسی کوئی بیماری نہیں اتاری کہ جس کی دوا بھی نہ اتاری ہو۔''

ان احادیث سے اسباب ومسببات کا ثبوت ہوتا ہے اور ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو علاج معالجہ کو برا کہتے ہیں۔

بہترین طبیب سے علاج کرانا چاہیے:

مؤطا میں فرید بن اسلم کی روایت ہے کہ ایک شخص زخمی ہوگیا اور اس کا خون اندر بند ہوگیا' آپ نے بنی انمار کے دو شخصوں کو طلب کیا اور بغور دیکھ کر فرمانے لگے کہ ''تم میں سے زیادہ طب کون جانتا ہے؟'' ایک شخص عرض کرنے لگا ''کیا طب سے بھی کچھ فائدہ ہوتا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہاں جس نے بیماری اتاری ہے اسی نے دوا بھی اتاری ہے۔''

امراض متعدیہ سے تحفظ:

صحیح مسلم میں ہے کہ وفد ثقیف میں ایک مجذوم بھی آیا تھا' آپ ﷺ اس سے نہیں ملے بلکہ اسے کہلا بھیجا کہ ''لوٹ جاؤ' ہم نے تمہاری بیعت قبول کر لی۔''

بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جذامی سے اس طرح بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔'' سنن ابن ماجہ میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جذامیوں کی طرف ٹکٹکی باندھ کر نہ دیکھا کرو۔'' [1]

---

[1] کیونکہ ایسا کرنے سے طبیعت میں مرض قبول کر لینے کی صلاحیت پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے۔

صحیحین میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''بیمار تندرستوں میں داخل نہ ہو۔'' ایک روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جذامی سے ایک یا دو نیزہ کی مسافت سے گفتگو کرو۔'' ❶

نیم حکیم:

سنن ابوداؤد و نسائی و ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص کا طبیب ہونا مشہور نہ ہو' اور لوگوں کا علاج معالجہ شروع کر دے تو وہ بیمار کی زندگی کا ذمہ دار ہے۔'' اس سے معلوم ہوا کہ غیر طبیب سے علاج نہ کرانا چاہیے اور اگر کرے تو نقصان کی صورت میں ذمہ داری اسی کے سر ہوگی۔

بدہضمی:

مسند وغیرہ میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: جو ظرف انسان بھرتا ہے اس میں سب سے برا ظرف پیٹ ہے' ابن آدم کے لئے چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں اور اگر زیادہ کھانا ضروری ہو تو اس طرح کھائے کہ ایک ثلث پیٹ کھانے کے لئے' ایک ثلث پانی کے لئے اور ایک ثلث سانس کے لئے رکھے۔''

اپریشن:

سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کے ساتھ ایک شخص کی عیادت کو گیا جس کی پیٹھ پر ورم آ گیا تھا' لوگوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! اس کی پیٹھ میں بتوڑی ہے' فرمایا: ''چاک (اپریشن) کر ڈالو۔'' سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت تک وہاں موجود رہے' جب تک کہ عمل جراحی پورا نہ ہو گیا۔''

بیمار کو کھانے کے لئے نہ مجبور کرنا:

ترمذی میں ہے نبی ﷺ کی حدیث ہے کہ آپ نے فرمایا: ''بیماروں کو کھانے پینے پر مجبور نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ انہیں کھلاتا پلاتا ہے۔'' بعض اطباء کا قول ہے کہ یہ حدیث نبوی فوائد سے لبریز

❶ یہ تو سنت نبوی ہے لیکن ہم مسلمانوں کی جہالت کا یہ عالم ہے کہ متعدی امراض سے نہیں بچتے اور جو کوئی بچے اسے مطعون کرتے ہیں کہ ضعیف الایمان ہے۔ (مترجم)

ہے' کیونکہ بیمار جب کھانے پینے سے مونہہ موڑ لیتا ہے تو اس کے کئی اسباب ہوتے ہیں' یا تو طبیعت' مرض کے ازالہ میں مصروف ہوتی ہے' یا حرارت عزیزی کے کم ہو جانے سے رغبت نہیں ہوتی' یا اسی طرح کا اور کوئی سبب ہوتا ہے' غرضیکہ ہر حال میں یہی اولیٰ ہے کہ بیمار کو کھانے پینے پر مجبور نہ کیا جائے' مگر اتنا کھانا پینا ضروری ہے جو کہ طبیب کی رائے میں ضروری ہو۔

بیمار کا دل بہلانا:

ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب بیمار کی عیادت کو جاؤ تو اسے زیادہ زندہ رہنے کی امید دلاؤ' اس سے کچھ نہیں ہوتا لیکن بیمار کا دل خوش ہو جاتا ہے۔'' یہ علاج کا ایک بہترین طریقہ ہے' اس سے بہت سے مریض دوا کے بغیر محض دل بہلانے کی وجہ سے اچھے ہو جاتے ہیں۔

حرام سے علاج نہ کیا جائے:

رسول اللہ ﷺ نے حرام چیز دوا میں دینے سے منع کیا ہے۔ شراب کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا گیا' تو آپ نے فرمایا کہ ''وہ دوا نہیں بلکہ وہ تو خود بیماری ہے۔'' (کتب سنن اور بخاری میں ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کر دی ہیں ان میں تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔''

خاتمۃ الکتاب

حیات طیبہ کا سرچشمہ:

اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ جناب رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک ''حیات طیبہ'' کا کامل نمونہ تھا۔ مادی اور روحانی اصلاح وسعادت کے اصول وقواعد اپنے ساتھ لائے جو بعینہٖ قرآنی اصول تھے' جن کی پیروی و پابندی سے سلف صالحین' ترقی وتمدن' وشوکت کی معراج تک پہنچے' اور جن کے ترک وہجران نے مسلمانوں کو اس بلندی سے اس پستی میں لا گرایا اور جہانگیری وجہانبانی کے بدلے اغیار کا محکوم اور غلام بنا دیا۔

مسلمانوں کی پستی کی وجہ:

آج مسلمان زندگی کے ہر شعبہ میں پست ہیں حتیٰ کہ مذہب اور مذہبی تعلیم میں بھی ان کی حالت ناگفتہ بہ ہو رہی ہے' وہ ایسی کتب کی درس وتدریس میں مشغول ہیں جنہوں نے انہیں قرآن سے دور لے جا ڈالا ہے' اب کتاب اللہ کی تلاوت' ہدایت وعمل کے لئے نہیں' صرف تبرک کے لئے رہ گئی ہے' حالانکہ اگر ہماری مشغولیت قرآن میں ویسی ہی ہوتی جیسی سلف صالحین کی تھی تو آج ہماری یہ حالت نہ ہوتی کہ ہم پست ہیں اور اغیار بلند۔ کاش ہم جانتے کہ اغیار کی تمام ترقی وسربلندی انہی اصولوں کی بدولت ہے جو قرآن کریم ہمارے لئے لایا تھا مگر ہم نے ان سے روگردانی کی اور اغیار نے باوجود کافر ہونے کے ان کا خیر مقدم کیا اور تمام دنیا پر چھا گئے۔

مسلمان اور اغیار کا موازنہ:

ایک لمحہ کے لئے ہم اپنے اور ان کے مابین موازنہ کر کے دیکھیں کہ ہم اپنی مذہبی درسگاہوں میں کیا کرتے ہیں اور وہ اپنی دنیاوی زندگی میں کس نہج پر چل رہے ہیں' بلاشبہ یہ موازنہ نہایت حسرتناک ہوگا کیا عجب ہے کہ حسرت موجب عبرت ہو۔ مسلمانو! ذرا دیکھو غور کرو اور عبرت حاصل کرو۔

ہمارا علم اور ہمارا فلسفہ:

ہم اب تک ''ضَرَبَ زَيْدٌ عَمْرًوا'' عمرو کو زید سے پٹوانے میں مصروف ہیں اور اغیار

صنعت وحرفت' تجارت اور ایجادات واکتشافات کے سر کرنے میں منہمک ہیں..........!

ہم "جمع الجوامع" اور ابن حاجب" جیسی کتابوں کے رموز وغوامض کی تحلیل میں پڑے ہیں اور وہ اجسام کو بسیط عناصر میں تحلیل کرنے اور اعضاء کے اعمال و وظائف معلوم کرنے میں لگے ہوئے ہیں..........!

ہم منطق کے خیالی گھوڑے دوڑاتے پھرتے ہیں اور صغریٰ و کبریٰ کی فکر میں حیرا و سرگردان ہیں لیکن وہ اقتصادی انجمنیں بنانے اور خیرات خانے قائم کرنے میں کوشاں ہیں۔

ہم اپنے خیالی مقدمات سے نتائج نکالنے کی ادھیڑبن میں پڑے ہیں اور وہ سمندروں سے موتی اور مرجان نکالنے اور زمین سے سونا اور جواہرات اگلوانے کی سعی میں لگے ہوئے ہیں۔

ہمارا صرفی نحوی:

ہم "تَاَبَّطَ شَرًّا اور "معدیکرب" کی ترکیب میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے ہیں اور وہ ادویہ و ماکولات ومشروبات کی ترکیب' برقی تار کے جال پھیلانے' توپیں قلعوں پر چڑھانے اور ریل کی پٹریاں بچھانے میں مصروف ہیں۔

اغیار کی سائنس:

ہم استعاروں اور کنایوں کے بنانے میں پریشان ہیں اور رَاَيْتُ فِي الْحَمَامِ اَسَدًا "میں نے حمام میں شیر دیکھا۔" کے سے ہزار سالہ پامال استعاروں پر سر دھنتے ہیں' لیکن وہ جہاز بنانے' سمندروں کو طے کرنے' پانی نلوں میں زمین سے آسمان تک لے جانے' بجلی کو تجاروں پر دوڑانے اور خشکی اور تری کو ایک کرنے میں مصروف ہیں۔

ہم ابھی تک اس بحث سے فارغ نہیں ہوئے کہ جانور کی کھال اور بال طاہر ہیں یا نجس' لیکن وہ انہیں درست کرنے' ان سے دولت پیدا کر رہے ہیں۔

صفاتِ الٰہی کی انتہائی تحقیق ہم نے یہ کی کہ قدیم' ازلی ہیں' قائم بالذات ہیں' اگر ہماری آنکھوں کا پردہ اٹھ جائے تو انہیں دیکھ لیں۔" لیکن وہ ان کی تحقیق الفاظ سے نہیں' عمل سے کرتے ہیں' وہ انسانی وحیوانی ونباتی اجسام کے عجائبات سے پردہ اٹھانے اور قوانین الٰہیہ وسنن فطریہ کے

راز فاش کرنے میں مصروف ہیں۔

غیر مسلموں کی رفعت پرواز:

ہمارے علوم وفنون کی سرحدیں لفظی مجادلات سے آگے نہیں بڑھتیں' انہیں عمل سے کوئی تعلق نہیں۔ تزکیہ نفس اور اصلاحِ اجتماعی کا اس دفتر پارینہ میں ایک نسخہ بھی موجود نہیں' لیکن ایک وہ ہیں کہ آسمانوں پر اڑے' زمین کے اندر پہنچے' پانی اور ہوا پر سوار ہوئے' قدرت کے خزانوں پر قابض ہوئے' ہر چیز کے مالک بنے' حتیٰ کہ ہمارے سر نیچے کر دیئے اور اپنی غلامی کا بھاری جوا ہماری گردن پر رکھ دیا۔

یہ ہے ہماری حالت اور یہ ہے ان کی حالت' پھر صحیح موازنہ کیونکر ہو۔

﴿قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُوْلُوا الْاَلْبَابِ﴾ (الزمر: ۹)

''پوچھو' کیا عالم اور جاہل برابر ہو سکتے ہیں۔''

متکلم واعظ کی کور بصری:

لیکن بایں ہمہ ہمارا واعظ انتہائی ادعا و نخوت کے ساتھ منبر پر کھڑا ہوتا ہے اور غایت درجہ بے حیائی سے پکارتا ہے:

((اَلدُّنْيَا جَنَّةُ الْكَافِرِ وَ سِجْنُ الْمُؤْمِنِ))

''دنیا کافر کی جنت اور مومن کا قید خانہ ہے۔''

یہ کہہ کر وہ مسلمانوں کو اور بھی ترقی و تمدن سے دور کر دیتا ہے کیونکہ اس کے زعم میں دنیا کو آخرت سے کوئی تعلق نہیں لیکن اس کے پاس آخرت کا پروگرام کیا ہے؟ وہ اسے یوں بیان کرتا ہے:

((مَنْ صَامَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ مِنْ رَجَبَ غُفِرَتْ ذُنُوْبُهٗ وَلَوْ كَانَتْ مِثْلُ زَبَدِ الْبَحْرِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ وَّ اُعْطِي مَا لَمْ يُحْصِهٗ اِلَّا اللّٰهُ مِنْ نَعِيْمِهٖ))

''جس نے رجب کے تین روزے رکھ لئے اس کے تمام گناہ معاف ہو گئے اگرچہ بحر وخار کی مانند ہوں' بغیر کسی حساب کے جنت میں پہنچا دیا گیا اور اتنی نعمتوں سے شاد کام

ہوا جن کا اندازہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔"

اور کہتا ہے: جو شہادتین کا اقرار کرتا ہے اگرچہ عمل نہ کرے' امت محمدیہ ﷺ میں ہے اور امت محمدیہ ﷺ کے لئے ہمیشہ خوشخبری ہے۔" اور کہتا ہے کہ نبی ﷺ قیامت میں گنہگاروں کی شفاعت کریں گے' سخت مجرم و خاطئی جنت میں جا سکتا ہے اور زیادہ سے زیادہ نیک کردار اور فرمانبردار دوزخ کی آگ میں ڈال دیا جا سکتا ہے؟"

غرضیکہ یہ اور اسی قسم کی تعلیمات ہیں جو احساس کو مارتیں' بزدلی' سستی' بدنظمی پھیلاتیں' ہیبت الٰہی کو زائل کرتیں' اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو مشتبہ بناتیں اور مذہب و مذہبیت کو بے قیمت کر کے ڈال دیتی ہیں۔

افسوسناک حالت کی ذمہ داری:

اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان صرف دعوائے اسلام کو کافی سمجھتا ہے' عمل کو کچھ بھی اہمیت نہیں دیتا بلکہ اکثر مسلمان تو اسلامی تعلیمات پر مطلقاً چلتے نہیں' لیکن پھر بھی اسلام کے مدعی' اصل یہ ہے کہ اسلام برائے نام رہ گیا ہے اور مسلمان صرف مردم شماری کے رجسٹروں میں ملتے ہیں۔ اس افسوسناک حالت کی تمام تر ذمہ داری انہیں بدنما اور شرمناک تعلیمات پر ہے جو ہمارے واعظوں اور ملاؤں کی زبانوں سے نکل کر مسلمانوں کے دلوں میں گمراہی کا گھر بناتی ہیں۔

کیا دنیا واقعی مومن کا قید خانہ ہے؟

ہمارے وعظ سن کر دانا و بینا انگشت بدنداں رہ جاتا ہے کہ کیا واقعی اللہ تعالیٰ نے اس وسیع دنیا کو صرف کافروں کے لئے مخصوص کر دیا ہے کہ عیش کریں اور سربلندی حاصل کریں اور مومن کے لئے اسے قید خانہ بنا دیا ہے کہ وہ ذلت و خواری' محرومی و نامرادی عبودیت و غلامی کے ساتھ اس میں پڑا زندگی کے دن پورے کرتا رہے؟ کیا مومن کے خلق کرنے سے اس حکیم و برتر کا منشاء صرف اس قدر ہے کہ گلے میں تسبیح ڈالے کسی مسجد یا خانقاہ میں بیٹھا چٹائی توڑا کرے؟ گویا جنت صرف کاہلوں غافلوں اور غلاموں کے لئے ہے اور گویا اسلام ذلت و مسکنت' لاچاری و بے چارگی' غلامی و خواری کا مجموعہ ہے؟ (نعوذ باللہ من ذلك)

اسلام حکومت وسلطنت کا مذہب ہے:

حالانکہ اگر دیدۂ بصیرت وا ہوتا تو ہمارے واعظوں کو معلوم ہوتا کہ اسلام' عمل ونشاء' دولت و ثروت' جاہ وجلال' حکومت وسلطنت کا مذہب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے مومن کو دنیا میں قید اور ذلیل وخوار ہونے کے لئے پیدا کیا ہے تو آخرت میں عزت وسعادت کس بنا پر بخشے گا؟ کیا آخرت کی کوئی سرخروئی' دنیا کی روسیاہی کا معاوضہ ہو سکتی ہے؟ جنت اسی کا نتیجہ نہ ہوگی؟ کیا نجات و سعادت کا مدار عمل پر نہیں ہے؟ کیا جنت ان روسیاہوں کو بھی مل جائے گی جن کے کیسہ میں بجز دعوائے اسلام اور فسق وفجور کے کچھ نہیں؟ کیا جنت ایسی پڑی لٹ رہی ہے کہ ہر کس وناکس اس پر قابض ہو جائے گا؟ اگر یہ خیال ہے تو یہ کفر ہے' اور ضلالت ہے۔ جنت وآخرت' اجر وثواب کا دوسرا نام ہے' جنت وآخرت' عمل اور صرف عمل کا نتیجہ اور معاوضہ ہے۔ جَزَآءً وِّفَاقًا ○ ''پورا پورا معاوضہ'' اور فرمایا:

﴿وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ○﴾

(الاسراء: ۷۲)

''جو اس دنیا میں اندھا ہے' وہ آخرت میں بھی اندھا ہے بلکہ اور بھی زیادہ گم کردہ راہ۔''

اندھا کون ہے؟ وہ جسے گمراہی نے دین ودنیا سے غافل کر دیا ہے' جسے بزدلی اور جھوٹی آرزوؤں نے اعلاء کلمۃ اللہ اور خدمت امت ووطن سے بٹھا دیا ہے۔ جو قوم اس دنیا میں ذلت و خواری پر قانع ہے اور عبودیت ومسکنت میں زندگی بسر کرتی ہے' تو ضروری ہے کہ وہ آخرت میں بھی اسی حال پر رہے' بھڑکتی ہوئی جہنم میں گرے اور جنت کی جھلک تک نہ دیکھے کیونکہ وہ کافر ہے' مومن نہیں۔

مومنین کی صفات:

مسلمان آنکھیں کھولیں' رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی پر غور کریں اور سنیں کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کی صفات کیا بتائی ہیں فرمایا:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○﴾ (الحجرات: ۱۵)

''مومن صرف وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لائے اور پھر شک میں نہیں پڑے اور اللہ کے راستہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کیا' وہی لوگ سچے ہیں۔''

اور فرمایا:

﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ (النحل: ۹۷)

''حالت ایمان میں جو کوئی مرد یا عورت اچھے عمل کرے گا تو ہم اسے اچھی زندگی بخشیں گے اور ان کے بہترین اعمال کے حساب سے ان کو بدلہ دیں گے۔''

اور فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ (الاعراف: ۳۲)

''اے (نبی ﷺ)! پوچھو کیا اللہ کی زینت کو جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے بنایا اور اچھے رزق کو کس نے حرام کر دیا ہے؟ کہہ دو کہ یہ سب مومنوں کے لئے دنیا کی زندگی میں اور بالکل انہیں کے لئے قیامت کے دن ہے' ہوشمندوں کے لئے ہم اس طرح نشانیاں کھولتے ہیں۔''

فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا﴾ (النسآء: ۱۴۱)

''اللہ تعالیٰ مومنوں پر کافروں کو ہرگز کوئی راستہ نہ دے گا۔''

اور فرمان الٰہی ہے' فرمایا:

﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مِّنْهُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الجاثية: ۱۳)

''آسمانوں اور زمینوں میں جو کچھ ہے تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا ہے' اس میں غور کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔''

اور اللہ رب العزت فرمایا:

﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَلٰكِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾

(المنافقون: ۸)

''غلبہ وشوکت اللہ تعالیٰ کے لئے ہے اور اس کے رسول کے لئے اور مومنوں کے لئے منافق نہیں سمجھتے۔''

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ (النور: ۵۵)

''تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے' اللہ تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہے کہ انہیں ضرور زمین کا مالک بنائے گا ٹھیک اس طرح جس طرح ان سے پہلوں کو بنایا تھا اور ضرور ان کے لئے اس دین کو محکم وقائم کر دے گا جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ضرور خوف کو امن امان سے بدل دے گا' اس کے بعد وہ میری ہی عبادت کریں' کسی چیز کو بھی میرے ساتھ شریک نہ کریں۔''

انتباہ:

اے غافل قوم! دیکھ یہ ہیں مومنوں کی علامات' نہ وہ جو تجھ میں پائی جاتی ہیں کہ زندگی اور زندگی کے مصالح اور مفاسد سے بے خبر ہیں' علوم وفنون سے جاہل ہے' غلامی کے لعنتی طوق گلے میں ڈالے ہے۔ مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور اَلضَّآلِّيْنَ کی سی بہیمانہ زندگی بسر کر رہی ہے۔ وقت آ گیا ہے کہ تیرے مردہ جسم میں زندگی کا خون دوڑے' رگ حمیت کو جنبش ہو' عمل کی طرف رغبت ہو' آزادی کا جذبہ جاگے اور شوق شہادت دلوں کو بیتاب کر دے۔

﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ (ال عمران:۱۹۲)

امین الٰہ الحق امین

حرارتِ ایمان

یعنی

ایمان

کو گرما دینے والے واقعات

تالیف

مولانا ابو یاسر حفظہ اللہ

تخریج

مولانا عبدالغفار محمدی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

Mob: 0300-4826023

شرعی احکام کی خلاف ورزی پر

رسول اللہ ﷺ کے فیصلے

مرتب

محمد بن فرج المالکی القرطبی

تحقیق وتخریج

الشیخ طالب عواد

ترجمہ

مولانا عبدالصمد ریالوی حفظہ اللہ

نظرثانی وتسہیل

حافظ عبدالخبیر اویسی حفظہ اللہ

ناشر

مکتبہ محمدیہ قذافی سٹریٹ الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

MOb:0300- 4826023,042-37114650

چند اہم مطبوعات
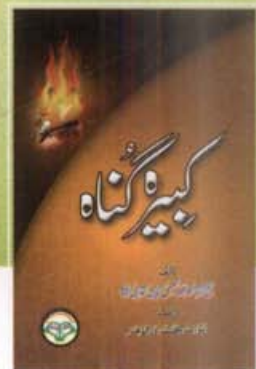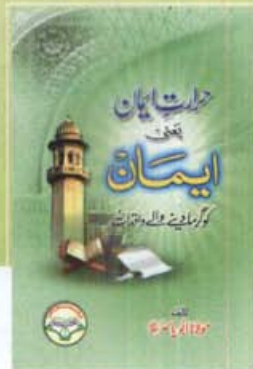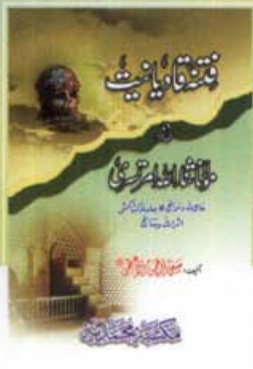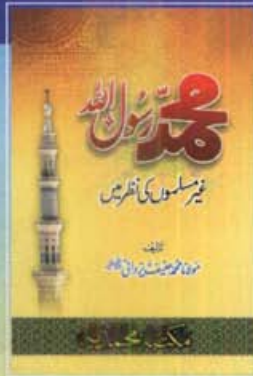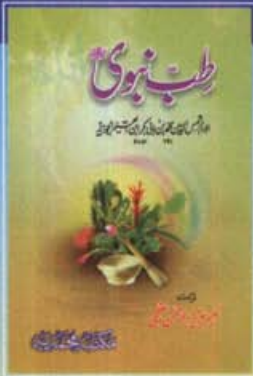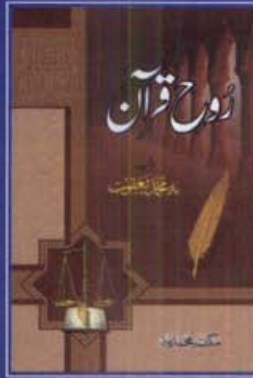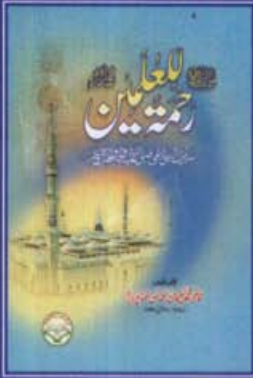
MOb:0300- 4826023,042-37114650
E:mail;maktabah_muhammadia@yahoo.com
&maktabah_m@hotmail.com